دروس القرآن

۱

متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

مرکز اہل السنۃ والجماعۃ

نام کتاب .... دروس القرآن جلد اوّل

تالیف: .... متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن

تاریخ اشاعت .... مارچ 2020ء

بار اشاعت .... اوّل

تعداد اشاعت 1100

ناشر .... مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ

ملنے کا پتہ

مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، 87 جنوبی لاہور روڈ سرگودھا

0321-6353540

0335-7500510

www.ahnafmedia.com

درسِ قرآن کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے انس و جن کی نظام زندگی، معاشرتی طرزِ حیات، قوموں کے عروج وزوال کے اسباب، سابقہ امم کے واقعات۔ یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین کے قبائح و شنائع، منافقین، مفسدین، مجرمین، ظالمین اور ضالین کی عادات بد کا تذکرہ اور ان سے بچاؤ کا طریقہ۔ مومنین، انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین، اولیاء، مفلحین، متقین، راشدین، فائزین وغیرہ کی عادات خیر اوران کو اپنانے کی ترغیب بیان فرمائی ہے یوں سمجھیے کہ ہمیشہ ہمیش کامیابی اور ابدی ناکامی کے اسباب وعلل کو واضح کرتے ہوئے اپنے آخری نبی پر آخری لازوال، لاریب اور لاشک کتاب قرآن کریم نازل فرمائی۔

آج کے اس مادہ پرستی کے دور میں انسان اللہ رب العزت کے نازل کردہ دستور العمل کو چھوڑ کر دوسرے راستوں کا راہی بن چکا ہے۔ یہی وجہ ہے سارے عالم میں فرقہ وارانہ بھونچال نے اس کے نظام زندگی کو معطل کر کے رکھ دیا ہے۔ جب تک انسان بالخصوص مسلمان اپنے خالق ومالک کی معرفت اس کے اوامر، احکام، نواہی اور اس کے آخری رسول کی تعلیمات کو نہیں اپنائے گا اس وقت تک یونہی مارا مارا پھرتا رہے گا۔ اس لیے اصلاحِ فرد اور اصلاحِ معاشرہ کے لیے قرآن کریم کی تعلیمات کو عام کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ جگہ جگہ قرآن کریم کے دروس کا سلسلہ شروع کیا جائے امت مرحومہ کو انہی خطوط کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تعلیم دی جائے تاریخ گواہ ہے کہ جن لوگوں نے قرآن کی تعلیمات کو اپنایا کامیاب ہوئے اور جن لوگوں نے اس سے روگردانی کی ان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اقبال مرحوم نے کہا تھا:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

درسِ قرآن کا طریقہ

اگر آپ کسی مسجد کے امام، خطیب ہیں تو اپنی مسجد کے مقتدیوں کو بلاناغہ اور باقاعدہ درسِ قرآن دیں۔ اس کی سب سے مؤثر اور بہترین صورت یہ ہے کہ کسی بھی نماز کے بعد[جس میں اکثر اہل محلہ کو آسانی ہو] ایک ہی مکتبے کے مطبوعہ قرآن کریم تپائیوں پر رکھوا دیے جائیں، درسِ قرآن کے شرکاء ترتیب کے ساتھ بیٹھ جائیں، ترتیب یہ ہونی چاہیے:

1 سب پہلے الفاظ قرآن کو الگ الگ کر کے تلاوت کریں۔ ساتھ ساتھ نمازی اور شرکائے درس بھی تلاوت کریں۔

2 اس کے بعد ان آیات کا بالکل سادہ اور عام فہم ترجمہ کریں۔

3 اجمالی طور پر تلاوت شدہ آیات کا خلاصہ بیان کریں۔

4 اس کے بعد ان کی تفسیر کریں۔

5 تفسیر کرتے وقت اس بات کو بطور خاص ملحوظ رکھیں اگر ان آیات میں کوئی عقیدہ ہے تو سب سے پہلے اس کی خوب وضاحت کریں۔ پھر علی الترتیب مسائل اور واقعات وغیرہ بیان کریں۔

6 ایسی آیات جن کا تعلق محکمات سے ہے عوام میں صرف وہی بیان کی جائیں۔

7 متشابہات آیات کو عوام الناس میں بیان کرنے سے گریز کیا جائے۔

8 وقت کا دورانیہ بہت زیادہ طویل نہ ہو۔

9 شرکائے درس میں سے کوئی سوال وغیرہ کرے تو اس کو موقع دیا جائے۔

10 آخر میں تمام امت کے لیے گڑگڑا کر دعا کریں۔

درسِ قرآن کے لیے چند مفید تفاسیر

درسِ قرآن دیتے وقت اس بات کا بہت زیادہ خیال کریں کہ کسی ملحد اور بدعتی کی تفسیر کو سامنے رکھ کر مطالعہ نہ کریں۔ بلکہ علمائے ربانیین کی تفاسیر سے استفادہ کریں۔

اردو زبان میں:

1. بیان القرآن از حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ
2. تفسیر عثمانی از علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ
3. معارف القرآن از مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ
4. معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ
5. معالم العرفان فی دورس القرآن از صوفی عبد الحمید خان سواتی رحمہ اللہ

عربی زبان میں:

1. الجامع لاحکام القرآن از امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ
2. روح المعانی از علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ
3. مدارک التنزیل تفسیر النسفی از امام عبد اللہ بن احمد النسفی رحمہ اللہ
4. تفسیر ابن کثیر از امام عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر رحمہ اللہ
5. احکام القرآن از حکیم الامۃ مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

نوٹ:

ترجمہ کے لیے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی کا آسان ترجمہ قرآن زیادہ مفید ہے۔



تعارف

متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

تحریر: مولانا محمد کلیم اللہ حنفی

الحمد للہ ! بین الاقوامی سطح پر علمی و عملی میدان میں متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن کو اللہ کریم نے غیر معمولی مقبولیت و محبوبیت سے نوازا ہے، اولاً اشاعت وتحفظ دین کے لیے درکار تمام صلاحیتیں اپنے کرم سے عطا فرمائیں اور اس کے بعد ہر موڑ پر فراست ایمانی کی بدولت وقت کے تقاضوں کے عین مطابق ان صلاحیتوں کے مناسب استعمال کا طریقہ بھی ودیعت کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اہل علم طبقہ میں مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں بطور خاص عقائد اسلامیہ اور فقہ حنفی کے تحفظ کے لیے مختصر عرصہ میں ان کی تجدیدی اور انقلابی خدمات بہت زیادہ ہیں۔ قدرت نے آپ کو تحریکی، تربیتی، تعلیمی، تدریسی، تعمیری، تنظیمی، تحقیقی، تصنیفی، تقریری، تبلیغی اور تجدیدی ذوق جیسی لازوال نعمتوں سے خوب خوب نوازا ہے۔

اس ہمہ جہتی کے باوجود آپ سادگی اور تواضع کے پیکر ہیں۔ آپ کی مسلکی محنت، عقائد و نظریات، اساسیاتِ اسلامیہ کا تحفظ، حرمتِ قرآن، سنت اور اس کی پاسداری، ختمِ نبوت، صحابہ و اہل بیت کرام رضوان علیہم اجمعین کا دفاع، فقہاء ملت خصوصاً حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی پاسبانی، اکابرین امت خصوصاً علمائے دیوبند، علم و دیانت کی پہرے داری اور مسلک اھل السنۃ والجماعۃ کے فروغ، اشاعت اور نفاذ کی کوششیں آپ کی زندگی کا مقصد اور حرزِ جان ہیں۔ اس سلسلے میں قید و قفس کی صعوبتیں، ایام اسارت کی مشکلات، قاتلانہ حملے اور اہل باطل کے منفی پروپیگنڈے سب کچھ برداشت کیا ہے۔

آپ زمانہ طالب علمی ہی سے نہایت بیدار مغز، ذہین، معاملہ فہم، باصلاحیت، ہونہار اور قائدانہ صلاحیتیوں کے مالک تھے ان صلاحیتیوں کی بدولت اپنے ہمعصر ساتھیوں میں امتیازی مقام رکھتے تھے۔ایک عرصہ سے علمی، عملی اور روحانی خدمات میں مگن ہیں۔ میں اپنی معلومات کی حد تک بجا طور پر یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ پچھلے 6 عشروں میں اسلامی تحریکات کے کسی بھی قائد نے اس قدر عوامی اجتماعات سے خطاب نہیں کیے ہوں گے جتنے اس عظیم انسان نے کیے۔

سفر کی صعوبتیں جھیل کر اور اغیار کے منفی پروپیگنڈے کو اپنے مضبوط اعصاب پر سہتے ہوئے بلامبالغہ ایک ایک دن میں مختلف مقامات پر چھ چھ علمی واصلاحی بیانات، افراد سازی، تحریکی کام کو مزید منظم اور مستحکم کرنا، وسائل کے لیے انتھک محنت، روزمرہ کے اپنے معمولات جس میں تہجد اور دیگر نوافل (اشراق، چاشت اور اوابین)، تلاوت، ذکر اذکار، تصنیف و تالیف، تقریر و وعظ، دروس و اسباق وغیرہ کو سلیقہ مندی اور سنجیدگی کے ساتھ ادا کرنا۔ ہر علاقے میں وہاں کی ضرورتوں کے پیش نظر علماء کی تعیناتی کرنا الغرض اپنی زندگی کا ہر لمحہ مصروف کار کر دیا اس جہد مسلسل اور لگن کا نتیجہ ہے کہ آپ نے ایک مضبوط ٹیم تیار کی ہے جو مختلف دین کے شعبوں میں ہمہ تن مصروف عمل اور آپ کی دست بازو بنی ہوئی ہے اور آپ کے تلامذہ و فیض یافتگان کا ایک بہت بڑا طبقہ برصغیر اور بیرون ممالک میں موجود ہے جو آپ کے مشن کو سارے عالم میں پھیلانے کی تگ و دو میں پروانہ وار بڑھ رہا ہے۔

اس اجمالی خاکے کے بعد زندگی کے چند گوشے پیش خدمت ہیں۔

ولادت:

12-اپریل 1969ء کو سرگودھا کے نواحی علاقے چک نمبر 87 جنوبی میں پیدا ہوئے۔

خاندانی پس منظر:

آپ کے والد ماجد کا نام حافظ شیر بہادر گھمن تھا، مرحوم انتہائی نیک طبیعت کے مالک تھے، عقائد و نظریات میں حد درجہ پختگی رکھتے تھے، آپ کے خاندان کی سیاسی و سماجی حیثیت بہت اچھی ہے، آپ کے دادا چوہدری فتح محمد گھمن اپنے علاقے کے رئیس اور نمبر دار تھے۔ وہاں کے لوگوں کے مابین فیصلے فرماتے، انتظامی امور کو خود حل فرماتے۔ اس وقت جہاں آپ نے ادارہ مرکز اھل السنۃ والجماعۃ بنایا ہوا ہے یہ آپ کی وراثتی زمین ہے اور نمبر داری کا رقبہ کہلاتی ہے۔ آپ کل پانچ بھائی تھے جن میں چار ابھی حیات ہیں جبکہ سب سے بڑے بھائی محمد یوسف 1995ء میں انتقال کر گئے تھے۔ نام یہ ہیں: محمد یوسف، محمد یونس، محمد الیاس، شعیب احمد اور خبیب احمد۔

ابتدائی زندگی:

آپ نے پرائمری تک اپنے گاؤں چک نمبر 87 جنوبی سرگودھا میں پڑھا۔ چک نمبر 88 جنوبی سے مڈل کی فراغت کے بعد آپ نے اپنے والد حافظ شیر بہادر صاحب رحمہ اللہ سے حفظ قرآن کریم شروع کیا۔ سترہ پارے والد صاحب کے پاس پڑھے اور اس کے بعد گکھڑ منڈی جامع مسجد بوہڑ والی ضلع گوجرانوالہ میں امام اہل السنت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے ہاں چلے گئے وہاں قاری محمد عبداللہ کشمیری صاحب کے پاس مکمل قرآن کریم حفظ کیا۔ امام اہل السنت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی خوب خدمت کی یہاں تک کہ کم عمری کے باعث آپ اُن کے گھر میں بھی آیا جایا کرتے تھے۔

تعلیم وتربیت:

درس نظامی کے ابتدائی درجات درجہ اولیٰ سے درجہ ثالثہ تک جامعہ بنوریہ سائٹ ایریا کراچی میں پڑھے اور درجہ رابعہ، خامسہ اور سادسہ جامعہ امدادیہ فیصل آباد

میں۔ درجہ موقوف علیہ کے ابتدائی دو ماہ جامعہ خیر المدارس ملتان میں جبکہ باقی سال جامعہ علوم شرعیہ ساہیوال میں مکمل کیا۔ دورہ حدیث شریف کے لیے جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد تشریف لے گئے۔

معروف اساتذہ:

آپ کے مشہور اساتذہ میں صاحب فضل و کمال امام اہل السنت شیخ التفسیر و الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ، مولانا قاضی حمید اللہ جان رحمہ اللہ گوجرانوالہ، شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی گوجرانوالہ، شیخ الحدیث مولانا محمد قاسم جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور، شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد رحمہ اللہ جامعہ اسلامیہ مفتی محمد طیب مفتی محمد زاہد امدادیہ فیصل آباد، مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمہ اللہ کراچی، مولانا عبد المجید رحمہ اللہ جامعہ بنوریہ کراچی، مولانا عبد المجید انور جامعہ علوم شرعیہ ساہیوال، مولانا نذیر احمد جامعہ علوم شرعیہ ساہیوال، مولانا سید نذیر شاہ جامعہ فاروق اعظم فیصل آباد اور مولانا غلام یاسین صابر قاری محمد حنیف جالندھری جامعہ خیر المدارس ملتان وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ابتدائی محنت:

آپ نے سب سے پہلے اپنے گاؤں کا انتخاب کیا اپنے گاؤں میں "صراط مستقیم کورس" شروع کیا۔ اللہ رب العزت کو منظور یہی تھا کہ کام آگے بڑھے پھر امام اہل السنت حضرت مولانا شیخ سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ اور وکیل اہل السنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی مشاورت سے مدارس کے طلبہ کے لیے شعبان اور رمضان میں دورہ تفسیر کا اہتمام کیا اور تفسیر قرآن پڑھانے کے لیے حضرت مولانا منیر احمد منور شیخ الحدیث جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا کا انتخاب کیا۔ اور اب کچھ عرصہ سے دورہ تفسیر کی بجائے دورہ تحقیق المسائل شروع کیا۔ جس میں اہم اسباق بذات خود جبکہ

باقی اسباق آپ کے شاگرد پڑھاتے ہیں۔

پہلا دعوتی سفر:

1993ء میں آپ نے اپنا پہلا دعوتی سفر جنوبی افریقہ، کینیا، ملاوی اور زمبیا کا کیا اور زمبیا میں کچھ عرصہ تدریس کی جہاں آپ نے ہدایۃ النحو، کنزالد قائق، تفسیر جلالین اور ہدایہ شریف وغیرہ کے اسباق پڑھائے۔ 1993ء سے 1996ء تک آپ کی ساری سرگرمیاں دعوتی رہیں۔

گرفتاریاں اور قید و بند:

5 اگست 1996ء کو پہلی بار آپ کو بے گناہ گرفتار کیا گیا جس کی وجہ سے آپ نے دو سال تک قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں۔ بعد میں آپ کو عدالت نے باعزت بری کیا۔ 1999ء میں دوبارہ گرفتار ہوئے تین سال قید کاٹ کر 2001ء میں اس سے بھی باعزت طور پر بری ہوئے۔ آپ کی اسارت کا کل عرصہ تقریباً سات سال بنتا ہے۔

سفر حج و عمرہ:

1994ء میں آپ نے فریضہ حج ادا فرمایا، اس کے علاوہ بیس سے زائد مرتبہ عمرہ کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ حرمین شریفین کے تقدس کے حوالے سے آپ کے جذبات قابل قدر ہیں۔ آپ کی عادت شریفہ یہ ہے کہ آپ جب بھی عمرہ کے لیے ارض حجاز تشریف لے جاتے ہیں تو پہلے مدینہ منورہ جاتے ہیں روضہ رسول پر حاضری کے بعد مکہ مکرمہ جا کر مناسک عمرہ ادا کرتے ہیں۔

مرکز اھل السنۃ والجماعۃ کا قیام:

دسمبر 2002ء میں نے اپنی علمی تحریکی زندگی کا آغاز کیا۔ اور ایک ادارہ مرکز اھل السنۃ والجماعۃ کے نام سے تشکیل دیا۔ جس کا مقصد پورے عالم میں قرآن،

سنت اور فقہ کی اشاعت اور تحفظ ہے۔یہ علمی درس گاہ ہونے کے ساتھ ساتھ اور روحانی تربیت گاہ بھی ہے۔ بعد ازاں فارغ التحصیل علماء کرام کے لیے ایک سالہ تخصص فی التحقیق والدعوۃ کے نام مرکز اھل السنۃ والجماعۃ میں تخصص شروع کرایا۔ آپ نے اس طرز پر علماء کرام کی فکری تربیت کی جو وقت اور حالات کے عین مطابق زمانے کی شدید ضرورت تھی، جسے دس سال کا عرصہ بیت چکا ہے۔

آپ کی سرپرستی میں پورے ملک میں علماء کرام کی ایسی کھیپ تیار ہو چکی ہے جو مثبت انداز اور شائستہ زبان میں عقائد و مسائل کی اشاعت و تحفظ کے مبارک فریضے کو بڑی جوانمردی سے سر انجام دے رہے ہیں۔ ریکارڈ کے مطابق ان علماء کی مجموعی تعداد 700 سے زائد ہے۔ ہر سال مدارس دینیہ کے سالانہ امتحانات کے بعد 12 دن کا شارٹ کورس دورہ تحقیق المسائل کے نام سے کراتے ہیں، ہر ماہ تین دن تحقیق المسائل کورس کے نام سے سمر کورس، صراط مستقیم کورس اور دورہ تحقیق المسائل میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے ہزاروں افراد اس میں شریک ہو چکے ہیں۔

خواتین کی دینی تربیت کا اہتمام:

آپ نے جیسے مردوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک ادارہ قائم فرمایا اسی طرح خواتین میں دینی شعور کی بیداری کے لیے بھی الگ سے ایک ادارہ قائم کیا جس میں بچیوں کے لیے حفظ و ناظرہ، چھ سالہ درسِ نظامی، دو سالہ فاضلہ کورس، میٹرک تک سکول کی تعلیم، سلائی کڑھائی، صراط مستقیم کورس اور دورہ تحقیق المسائل برائے طالبات کرایا جاتا ہے۔

عالمی تحریک کی بنیاد:

کچھ عرصہ پہلے تک اتحاد اھل السنۃ والجماعہ پاکستان میں آپ نے بطور ناظم اعلیٰ مسلکی کام کیا۔ بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر آپ نے اس جماعت سے باضابطہ

استعفا دیا اور 2 مارچ 2014 کو "عالمی اتحاد اھل السنۃ والجماعۃ" کے نام سے ایک جماعت تشکیل دی، جس کے بانی اور امیر آپ خود ہی ہیں۔ اس کی بنیاد رکھتے وقت تک آپ کے پیش نظر یہ سوچ اور فکر تھی کہ عالمگیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کے ناتے ہمارا دینی منصب بھی "عالمی" ہے۔ ہم تمام بے دین اور دین بیزار گروہوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے اپنی نسبت اس طبقے کی طرف کرتے ہیں جس کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجات یافتہ قرار دیا ہے یعنی "اھل السنۃ والجماعۃ" اور اس کے بھی باہمی اور بین الاقوامی پلیٹ فارم پر "اتحاد" کے داعی ہیں۔ اس لیے جماعت کا نام "عالمی اتحاد اھل السنۃ والجماعۃ" تجویز کیا گیا ہے۔

جماعتی پالیسی:

آپ نے اس پلیٹ فارم پر جماعتی احباب و ذمہ داران کو جن پالیسوں کا پابند بنایا اس سے آپ کی قائدانہ سوچ و فکر اور صلاحیتوں کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ آپ نے جماعت کی جامع پالیسی کچھ یوں مرتب کی:

- عالمی اتحاد اھل السنۃ والجماعۃ؛ خالصۃً علمی و تحقیقی کام کرے گی۔
- عالمی اتحاد اھل السنۃ والجماعۃ؛ غیر سیاسی و غیر عسکری طرز پر کام کرے گی۔
- عالمی اتحاد اھل السنۃ والجماعۃ؛ تشدد (گالی اور گولی) کی بجائے تسدد (قوت دلیل سے غلط عقائد و مسائل سے روکنا) اور تعصب (ضد و عناد) کی بجائے تصلب (دلائل کی بنیاد پر مسلک حقہ پر پختگی سے کاربند رہنے) کا راستہ اختیار کرے گی۔
- عالمی اتحاد اھل السنۃ والجماعۃ؛ اہل حق کے افراد، جماعتوں اور اداروں کی مخالفت کی بجائے موافقت کرے گی۔
- عالمی اتحاد اھل السنۃ والجماعۃ؛ کے ذمہ داران و کارکنان اپنی جماعتی پالیسی پر

اعتماد، دیگر پر تنقید سے اجتناب کریں گے۔

- عالمی اتحاد اهل السنۃ والجماعۃ؛ سیاسی امور میں اکابر کے نقش قدم پر مواظبت کرے گی۔
- عالمی اتحاد اهل السنۃ والجماعۃ؛ پاکستان کے آئین اور قانون کے دائرہ میں رہ کر کام کرے گی۔
- عالمی اتحاد اهل السنۃ والجماعۃ؛ ہمہ وقت مناظرانہ کی بجائے واعظانہ طرز پر کام کرے گی۔
- عالمی اتحاد اهل السنۃ والجماعۃ؛ ذاتیات کو زیر بحث لانے کی بجائے نظریات پر محنت کرے گی۔
- عالمی اتحاد اهل السنۃ والجماعۃ؛ کا ہر کارکن اپنی طرف سے امیر کے حکم پر جان ومال قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہے گا۔

آپ کے دست بازو بننے والے اس جماعت کے ذمہ داران وکارکنان پوری دنیا میں حسب استطاعت اپنی دینی ومسلکی فضا کو ہموار کرنے میں مسلسل مصروفِ عمل ہیں۔ اس محنت اور کاوش کی مختلف جہات ہیں: درس و تدریس، تعلیم و تعلم، وعظ ونصیحت، تصنیف وتالیف، سمر کورسز، بیعت وسلوک، اصلاح وارشاد، قوتِ دلیل سے تقریر وبیان وغیرہ۔

تبلیغی اسفار:

چونکہ آپ ایک عالمی تحریک کے روح رواں اور بے باک لیڈر اور مدبر قائد ہیں، اس لیے وطن پاکستان میں کراچی تا چترال تمام چھوٹے بڑے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں کو آپ اپنے علوم سے فیض یاب کر رہے ہیں۔ آپ نے اپنے کاز، مشن اور کام کا دائرہ محدود نہیں رکھا بلکہ پورے عالم کی فکر لے کر دیوانہ وار مسلسل مصروف عمل

ہیں۔ دنیا کے اکثر خطوں میں اسلام کی ترجمانی کا فریضہ بڑی حکمت عملی جوانمردی اور دینی بصیرت سے انجام دے رہے ہیں۔ عرب و عجم کے دور دراز ملکوں ملکوں گھومے ہیں اور آج بھی اس درد، فکر، کڑھن اور جذبہ کے ساتھ علم و عمل کا یہ شناور مستقل پابہ رکاب رہتا ہے۔ چنانچہ بیس سے زائد بیرونی ممالک [جن میں سعودی عرب، ترکی، عرب امارات، ساؤتھ افریقہ، زمبیا، کینیا، سوازی لینڈ، موزمبیق، ملاوی، یمن، افغانستان، برما، بحرین، ہانگ کانگ، ملائیشیا، سنگاپور، عمان، تھائی لینڈ وغیرہ شامل ہیں] کے باضابطہ آپ نے اسفار کیے ہیں۔

وطن دوستی کا مبارک جذبہ:

آپ ایک جہان دیدہ انسان ہیں۔ کئی ممالک میں اسلامی عقائد و نظریات کے سلسلے میں تشریف لے گئے۔ وہاں کے معروضی حالات کو دیکھا چنانچہ آپ خود فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے کئی ممالک کا سفر کیا ہے لیکن پاکستان جیسا حسین و جمیل، آزاد و خود مختار ملک کہیں نہیں دیکھا۔ اہلیان پاکستان میں وطن دوستی کا جذبہ اجاگر کرنے کے لیے آپ استحکام پاکستان کے عنوان سے ہزاروں کے اجتماعات سے خطاب کرتے ہیں اور اپنے مخصوص انداز میں دہشت گردی، فرقہ واریت، تخریب کاری، قتل و قتال، مذہبی و سیاسی منافرت اور جہالت و بدامنی کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔

ہر سال یوم آزادی پاکستان 14 اگست کو اپنے ادارے مرکز اھل السنۃ والجماعۃ میں استحکام پاکستان سیمینار سے خطاب کرتے ہیں، پرچم کشائی اور استحکام پاکستان کے نام پر منظم ریلی نکالتے ہیں۔ افواج پاکستان کو ملک کا محافظ سمجھتے ہوئے ان کے پرجوش حامی ہیں، جب کبھی بھی وطن دشمنوں نے ملک میں کوئی فرقہ وارانہ فساد، عسکری دہشت گردی اور تخریب کاری کی کارروائی کی تو آپ نے ایک محب وطن شہری ہونے کے ناتے اس کی بھرپور مذمت کی اور آئندہ کے لیے مستقل لائحہ عمل

تیار کرنے کا عندیہ دیا ہے آپ کے یہ بیانات ریکارڈ پر موجود ہیں جو اس بات کی کھلی شہادت ہیں کہ آپ وطن دوست انسان ہیں اور کسی صورت بھی وطن میں بدامنی گوارہ نہیں کر سکتے۔ بارہا ایسے بھی ہوا کہ جس علاقے میں آپ کا بیان ہو اگر وہاں کی مقامی انتظامیہ اس سے روک دے تو آپ الجھتے نہیں بلکہ اس پابندی کو وطن کے وسیع تر مفاد میں دل وجان سے قبول کر لیتے ہیں۔

رفاہی خدمات:

آپ کی زیر نگرانی ایک رفاہی ادارہ احناف ٹرسٹ رجسٹرڈ کے نام سے عوام الناس کی رفاہی خدمات میں مصروف عمل ہے، آفت زدہ علاقوں میں خلق خدا کی کثیر تعداد کو ٹرسٹ نے اپنی وسعت کے مطابق راشن، خیمے، لباس خوراک اور دیگر ضروریات مہیا کی جاتی ہیں۔اس کے علاوہ آپ ذاتی طور پر غریب پروری، یتامیٰ ومساکین، مفلوک الحال لوگوں کی مالی اعانت کرتے ہیں۔

تصنیفی خدمات:

آپ کے قلم سے اس وقت تک 36 کے قریب دینی، مسلکی، اصلاحی اور تحقیقی کتب نکل چکی ہیں جو عقائد اسلامیہ، قرآنی و نبوی تعلیمات، مسلک اھل السنۃ والجماعۃ، فقہ حنفی، حالات حاضرہ، اصلاح نفس، اصلاح معاشرہ ودیگر موضوعات پر اکابر علمائے دیوبند کی تشریحات، تعبیرات، ترجیحات اور تحقیقات کے عین مطابق ہیں۔ ان میں سے چند کتب یہ ہیں: عقائد اھل السنۃ والجماعۃ، دروس القرآن، دروس الحدیث، نماز اھل السنۃ، زبدۃ الشمائل، صراط مستقیم کورس، امہات المومنین، مجالس، مواعظ متکلم اسلام، رمضان المبارک فضائل ومسائل، فضائل اعمال اور اعتراضات کا علمی جائزہ اور قربانی کے فضائل ومسائل وغیرہ۔ اردو کے علاوہ عربی، انگریزی، فارسی، پشتو، گجراتی، ہندی، تامل وغیرہ کئی ایک زبانوں میں ترجمہ ہو کر آپ کی تصانیف دنیا بھر میں دین

اور تحقیق و تعلیم سے وابستہ افراد کے پاس موجود ہیں جو ان سے استفادہ کرتے ہیں۔

صحافتی خدمات:

جیسے آپ کی زباں میں قوت استدلال کا زور ہے ویسے ہی آپ کے قلم میں ادب کی حلاوت و چاشنی، تاریخ، جغرافیہ اور حالات حاضرہ کا ادراک، مسائل کا سنجیدہ حل اور اصلاح معاشرہ کا غم پایا جاتا ہے۔ چنانچہ پاکستان، سعودی عرب اور انڈیا کے اخبارات و رسائل میں آپ کے ادارتی صفحات اور اسلامی ایڈیشن میں کالم اور مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔

پاکستان کے بعض اخبارات کے نام یہ ہیں:

روزنامہ اسلام، روزنامہ ایکسپریس، روزنامہ دنیا، روزنامہ جنگ، روزنامہ نوائے وقت، روزنامہ نئی بات، روزنامہ جہان پاکستان، روزنامہ پاکستان، روزنامہ اوصاف، روزنامہ جناح، روزنامہ انصاف، روزنامہ امن، روزنامہ آئین، روزنامہ اساس، روزنامہ الشرق، روزنامہ تاثیر، روزنامہ اذکار، روزنامہ آفتاب، روزنامہ خبریں، روزنامہ میزان عدل، روزنامہ مشرق، روزنامہ جرات، روزنامہ سماء، روزنامہ آج، روزنامہ بولتا پاکستان، روزنامہ خبریہ اور ہفت روزہ اخبار المدارس وغیرہ۔

انڈیا کے بعض اخبارات یہ ہیں:

روزنامہ متاع آخرت، روزنامہ انقلاب، روزنامہ ہمارا سماج، روزنامہ رابطہ ٹائمز، روزنامہ آج کا انقلاب، روزنامہ جدید بھارت اور روزنامہ دبنگ صحافت وغیرہ۔

سعودی عرب میں ”اردو نیوز“ اخبار کے جمعہ ایڈیشن ”روشنی میگزین“ میں آپ کے متعدد مضامین شائع ہوئے ہیں۔

آپ کی زیر ادارت تین رسائل [سہ ماہی قافلہ حق، ماہنامہ فقیہ اور ماہنامہ بنات اہل السنت] شائع ہوتے رہے ہیں۔ طویل عرصہ تک آپ نے ان کی ادارت کے

فرائض انجام دیے۔ آپ کی ادبی، البیلی اور سادہ اردو میں کبھی کبھار استعارے، کنایے، محاورات، ضرب الامثال، غیر فطری تہذیب پر مزاحمتی چوٹیں اور غیر اسلامی نظریات کے حاملین کے نقطہ نظر پر آپ کے قلم کی شوخی اور جولانی وقتاً فوقتاً تحریر میں انگڑائیاں لیتی رہتی ہے۔ آپ کا طرز تحریر نہ تو بالکل پھیکا سا ہے اور نہ ہی اتنا مشکل کہ قارئین کو دِقّت میں ڈالے۔ عمدہ اسلوب نگارش کی وجہ سے صحافتی دنیا میں بہت طویل سفر کیا ہے اور یہ سفر اب بھی بڑی تیزی سے طے کر رہے ہیں۔

مشائخ طریقت:

آپ کو تصوف سے سلاسلِ اربعہ میں متعدد شیوخ سے اجازت حاصل ہے۔ اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

حضرت اقدس حکیم شاہ محمد اختر رحمہ اللہ

حضرت اقدس سید محمد امین شاہ رحمہ اللہ

حضرت اقدس مولانا عبد الحفیظ مکی رحمہ اللہ

حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

حضرت پیر عزیز الرحمن ہزاروی مدظلہ

خانقاہ حنفیہ:

آپ فرمایا کرتے ہیں کہ محض علم بغیر ذکر اللہ کے انسان میں تکبر اور تعلی پیدا کرتا ہے اور ذکر اللہ بغیر علم کے بسا اوقات انسان کو عجب اور خود پسندی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس لیے آپ نے جہاں علماء اور عوام دونوں کو علم و ذکر کا پابند بنانے کی کوشش کی تاکہ تکبر و تعلی اور عجب و خود پسندی کا شکار ہو کر دونوں طبقات محروم نہ ہو جائیں۔ تعلق مع اللہ، اطاعت رسول، اتباع شریعت، احساس طریقت، اصلاح نفس، تزکیہ و تصفیہ باطن کے لیے اولاً عقائد اسلامیہ سے آگاہی اور غیر اسلامی نظریات و افکار

سے حفاظت، اور اس کے بعد تذکیر و موعظت کے ذریعے اخلاقی و معاشرتی اقدار کو فروغ دینا، حسن سلوک اور اعلی اوصاف سے معاشرے کو مزین کرنا جہاں وقت کا اہم تقاضاہے وہاں عوام وخواص کی اولین ضرورت بھی ہے۔

اس میدان میں آپ کا بہت مضبوط سلسلہ ہے جو ”خانقاہ حنفیہ“ کے نام سے معروف ہے۔ تادم تحریر آپ نے اس بار خلافت سے 34 افراد کو اپنا خلیفہ مُجاز بیعت قرار دیا ہے۔ آپ کے خلفاء پاکستان، ہندوستان، جموں کشمیر، ملائیشیا، انگلینڈ، عرب ممالک اور سوازی لینڈ میں جبکہ مریدین اطراف عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ خانقاہ حنفیہ کے نام سے دنیا کے کی ایک ممالک میں خانقاہیں موجود ہیں جو اپنے اپنے علاقے میں لوگوں کے اصلاح وارشاد کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔

میڈیا کی ضرورت کا ادراک:

دور حاضر میں میڈیا ایک فکری ہتھیار ہے جو کہ بدقسمتی سے ان ہاتھوں میں ہے جو اسلام دشمن یا دین بیزار لوگ ہیں۔ اس لیے آپ نے اس ہتھیار کو دین کی اشاعت وتحفظ کے طور پر استعمال فرماتے ہوئے ایک شعبہ احناف میڈیا سروسز قائم فرمایا تاکہ اپنے پیغام کو چند سامعین کے محدود حلقے سے بڑھا کر ساری دنیا کے لوگوں تک پہنچایا جاسکے۔ احناف میڈیا سروسز کی آفیشل ویب سائٹ کا ایڈریس یہ ہے:

www.ahnafmedia.com

اس پر تلاوت قرآن، آڈیو ویڈیو نعتیں، آڈیو ویڈیو بیانات، رسائل و جرائد، کتب، آرٹیکلز، سوال وجواب اور دیگر بہت سا علمی، اصلاحی اور تحقیقی مواد دستیاب ہے جس سے دنیا بھر کے لوگ فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف ٹی وی چینلز پر بھی اسلامی کلچر کے فروغ اور اصلاح عقائد و اعمال میں اپنا درد دل پیش کرتے رہتے ہیں۔ سوشل میڈیا کے تقریباً تمام قابل ذکر پلیٹ فارمز پر آپ کے پیجز، چینلز

اور آئی ڈیز بنی ہوئی ہیں جو دن رات دینی دعوت کا پیغام پھیلانے میں مصروف ہیں۔

آپ جہاں ایک طرف دینی اور تحقیقی جماعت کے زیرک قائد ہیں تو وہاں آپ کا اپنے اکابر سے نیاز مندانہ رویہ موجودہ دور کے قائدین کی صف میں آپ کو ممتاز رکھتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ مسلک اھل السنۃ والجماعۃ کے تمام مشائخ، دینی اداروں، تحریکوں اور جماعتوں کے ذمہ دار سربراہان اور کارکنان آپ سے قلبی محبت رکھتے ہیں۔ آپ کی عالمی مسائل پر جہاں کڑی نظر رہتی ہے تو وہاں خانگی مسائل کو بھی کسی اور کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑتے بلکہ احسن انداز میں تمام مسائل کو حل کرنے کی مومنانہ فراست آپ کے چہرے سے ٹپک رہی ہوتی ہے۔ آج ہمارے ملک اور قوم کو ان جیسے علماء کی ضرورت ہے جو اسلام اور ملک دونوں کے پاسبان اور محافظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو، آپ کی جماعت، آپ کے ادارے اور ارادے کو اپنے کرم سے مزید قبولیت بخشے اور اس کا نفع عام فرمائے۔

آمین یارب العلمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

سورۃ البقرۃ ------------------------- 101

سورۃ آل عمران ------------------------ 146

سورۃ النساء ------------------------ 195

سورۃ الانعام ------------------------- 295

سورۃ الانفال ------------------------ 367

سورۃ یونس ---------------------------- 456

سورۃ یوسف ------------------------ 514

سورۃ الفاتحہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ۝۱ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۙ۝۲ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ؕ۝۳ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ؕ۝۴ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ۝۵ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ۝۷﴾

میں نے رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو آپ کی خدمت میں یہ عرض کیا تھا کہ ان شاء اللہ ماہانہ درس قرآن کا ہمارا اس دفعہ جو شوال میں پہلا درس قرآن ہو گا، باقاعدہ قرآن کریم کی ترتیب پر ہو گا۔ اس لیے بالترتیب سورۃ الفاتحۃ، سورۃ البقرۃ، سورۃ آل عمران، سورۃ النساء انہی سورتوں کا درس قرآن ان شاء اللہ چلتا جائے گا۔ اس میں دو سال لگیں، تین سال لگیں اللہ رب العزت بہتر جانتے ہیں۔ جب تک مقدر ہوا کوشش کریں گے ترتیب کے ساتھ درس قرآنِ کریم چلتا رہے۔

قوم کا مزاج اور علماء کی ذمہ داری:

ہمارے ہاں درس قرآن کریم سننے والے مختلف حضرات مختلف ذوق رکھتے ہیں، بعضوں کا ذوق ہوتا ہے کہ اختلافی مسائل پر گفتگو ہو تو بڑی رغبت سے سنتے ہیں۔ بعضوں کا ذوق ہوتا ہے کہ فضائل والی گفتگو ہو تو بڑے ذوق سے سنتے ہیں اور بعضوں کا ذوق ہوتا ہے کہ خالص درسِ قرآن ہو تو پھر ان کو پسند آتا ہے۔ آدمی ہر کسی کے مزاج

کی رعایت کرے یہ آدمی کے بس میں نہیں ہے۔ اس لیے بہتر ہوتا ہے اپنی ترتیب کے مطابق کام کرتے رہیں، جن کے مزاج کی موافقت ہوگی وہ چلیں گے جن کے مزاج کے موافق نہیں ہوگا ایک وقت آئے گا اللہ ان کو موافق فرمادے گا۔

حدیث سے لگن:

مفتی اعظم پاکستان مفتی رشید احمد لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کے بیان میں ہم شریک تھے حضرت فرمانے لگے: حدیث مبارک میں ہے اگر دودھ پیے تو دعا یوں پڑھے: "اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ"[1]

حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے دودھ موافق نہیں تھا، معدہ دودھ کو قبول نہیں کرتا تھا، میں دودھ پیتا رہا اور دعا کرتا رہا۔ ایک وقت آیا اللہ نے میرے معدے کو دودھ کے موافق بنادیا۔ میں دودھ بھی پیتا رہا اور دعا بھی نہیں چھوڑی۔

اس لیے میں کہتا ہوں کہ قوم کے مزاج کا خیال کرنا اور ان کی رعایت کرنا یہ بڑا مشکل ہوتا ہے۔ ایک بندہ 100 آدمیوں کی رعایت کرے، مشکل ہے۔ 100 بندے ایک کی رعایت کریں تو بہت آسان ہے۔ سورۃ فاتحہ کے مضامین کے حوالے سے آج درس قرآن ہوگا اور بالترتیب ہوگا۔ ان شاء اللہ

قرآن کریم کی ترتیب نزولی اور وضعی:

سورۃ فاتحہ یہ قرآن کریم کی پہلی سورۃ ہے لیکن یہ نزول کے اعتبار سے پہلی نہیں۔ قرآن کریم کی دو ترتیبیں ہیں: ایک ترتیب نزولی۔ دوسری ترتیب وضعی۔

سب سے پہلے کون سی آیت نازل ہوئی، پھر کون سی نازل ہوئی، پھر کون سی نازل ہوئی۔ یہ ترتیب نزولی ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، رقم: 3730

قرآن کریم میں پہلے کون سی آیت ہے، پھر کون سی آیت ہے، پھر کون سی آیت ہے۔ یہ ترتیب وضعی ہے۔

قرآن کریم کی نزول آیات کی ترتیب الگ ہے اور ان آیات کو قرآن کریم میں رکھنے کی ترتیب الگ ہے۔ آپ تمام احباب کے علم میں ہو گا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو سب سے پہلے آیات نازل ہوئیں سورۃ الفاتحہ کی نہیں بلکہ سورۃ العلق کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱﴾ یہ پہلی آیت ہے اور یہ بھی سب کے علم میں ہے کہ ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ یہ قرآن کے شروع میں نہیں ہے بلکہ یہ قرآن کریم کے آخری پارے تیسویں پارے میں ہے اور جو سب سے پہلے آیت نازل ہوئی وہ آخری پارے میں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے اترنے کی ترتیب الگ ہے اور قرآن کریم میں ان آیات کو کہاں کہاں رکھنا ہے؟ یعنی ترتیب وضعی بالکل الگ ہے۔

ترتیب نزولی اور وضعی حکم خداوندی ہیں:

ترتیب نزولی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ترتیب وضعی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی کہ یہ جو آیت نازل ہوئی ہے اس کو فلاں جگہ پر رکھنا ہے۔ مثلاً جو سب سے پہلے آیت نازل ہوئی وہ ہے: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱﴾ اور جو سب سے آخر میں نازل ہوئی ﴿وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ۗ﴾[2]

اب یہ آخری آیت ہے اور وہ پہلی آیت ہے اور پہلی آیت دیکھو تو تیسویں

2۔ البقرۃ 281:2

پارے میں ہے اور آخری آیت کو دیکھو تو تیسرے پارے میں ہے۔ میں عرض کر رہا تھا کہ ترتیب نزولی الگ ہے اور ترتیب وضعی الگ ہے۔

تو سورۃ فاتحہ کی آیات نزول کے اعتبار سے پہلی آیات نہیں ہیں لیکن قرآن میں رکھنے کے اعتبار سے پہلی آیات یہی ہیں۔ مفسرین کرام میں یہ مستقل بحث چلی ہے کہ وہ کون سی پہلی سورۃ ہے جو مکمل نازل ہوئی ہے؟ بعض کی رائے میں سب سے پہلے مکمل نازل ہونے والی سورۃ، سورۃ الفاتحہ ہے۔

قرآن کریم کی عظیم ترین سورۃ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ فاتحہ کے بہت سے فضائل بیان فرمائے ہیں۔ مثلاً صحیح البخاری، کتاب التفسیر میں ہے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں مسجد میں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا:

"أَلَا أُعَلِّمُكَ أَعْظَمَ سُوْرَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ أَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ" [3]

مسجد سے نکلنے سے پہلے میں تجھے وہ سورۃ سکھاؤں گا جو قرآن کی سورتوں میں عظیم ترین سورۃ ہے۔ جب میں مسجد میں تھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ یہ سورۃ فاتحہ سب سورتوں میں عظیم ترین سورۃ ہے اور قرآن میں اس کا نام رکھا ہے: ﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ﴾ [4] اس کی سات آیات ہیں جن کو بار بار پڑھا جاتا ہے اور یہ قرآن عظیم ہے۔

3۔ صحیح البخاری، رقم: 4703

4۔ الحجر 87:15

سورۃ شفا:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: " يَا جَابِرُ! أَلَا أُخْبِرُكَ بِخَيْرِ سُوْرَةٍ نَزَلَتْ فِي الْقُرْآنِ؟ کہ میں تجھے وہ سورۃ نہ بتاؤں جو قرآن کریم میں سب سے بہترین سورۃ ہے؟

"قُلْتُ: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللهِ!" حضور! کیوں نہیں؟ مجھے وہ سورۃ بتائیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"فَاتِحَةُ الْكِتَابِ، فِيهَا شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ" [5]

یہ وہ سورۃ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تمام بیماریوں کی شفا رکھی ہے۔ تمام بیماریوں کی شفا اس سورۃ میں موجود ہے لیکن بندے کا یقین اور اعتماد شرط ہے بندے کو یقین نہ ہو تو شفاء کیسے مل سکتی ہے؟

یقین محکم اور اعتمادِ کامل:

مجھے اس بات کا ذاتی تجربہ ہے یہ اُس وقت کی بات ہے جب میں درجہ سادسہ میں پڑھتا تھا۔ "سادسہ" کہتے ہیں چھٹے درجے کو۔ میں گوجرانوالہ پڑھتا تھا، ایک مسجد ہے لانگریاں والی گلی میں، بڑی مشہور مسجد ہے اس میں جمعہ پڑھاتا تھا اور فجر کی نماز کے بعد درس قرآن بھی دیتا تھا۔ ہماری مسجد کے ایک مؤذن صاحب تھے سادہ آدمی تھے، مجھے آکر کہنے لگے ہمارے گھر میں مہمان بچی آئی ہے جس کو معمول کے مطابق ماہواری کا خون آیا اور رکا نہیں، مسلسل بیماری میں مبتلا ہے۔

ہم ڈاکٹروں کے پاس گئے، کوئی فرق نہیں ہے۔ حکیموں کے پاس گئے ہیں کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ میں نے اسی وقت (یہ میری طالب علمی کی بات ہے میں اس وقت

5۔ شعب الایمان للبیہقی: ج2 ص450 رقم الحدیث 2367

بالکل نوعمر تھا) ایک کاغذ لیا اور اس پر سورۃ فاتحہ لکھی اور ان سے کہا کہ اس کو بند کر لو، پڑھنا نہیں ہے اور اس کو بچی کے پیٹ پر باندھ دو! آپ یقین کریں وہ صبح آیا اور اس کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبّہ تھا۔ مجھے کہنے لگا کہ مبارک ہو! ہماری بچی ٹھیک ہو گئی ہے۔ آپ نے لکھا کیا تھا؟ میں نے کہا کہ "سورۃ فاتحہ"۔ اب اس کا تعلق تو اعتماد کے ساتھ ہے۔

امام اہل السنت کا تعویذ اور دَم:

امام اہل السنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ سے میں نے پڑھا، علم وہاں سے شروع کیا میں ڈیرھ سال وہاں پڑھا ہوں۔ ہمارے شیخ رحمہ اللہ کی عادت تھی، کوئی بندہ تعویذ لینے آتا تو اس کو فقط یہی لکھ دیتے:

بِسۡمِ اللّٰهِ الَّذِیۡ لَا یَضُرُّ مَعَ اسۡمِهٖ شَیۡءٌ فِی الۡأَرۡضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ.[6]

یہی الفاظ ہر کسی کو لکھ کر دیتے۔ کوئی دَم کے لیے آتا ایک ہی دم کرتے "بِسۡمِ اللّٰهِ الَّذِیۡ لَا یَضُرُّ مَعَ اسۡمِهٖ شَیۡءٌ فِی الۡأَرۡضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ" پڑھ کر اس پر پھونک مار دیتے۔ اب اس کا ترجمہ کیا ہے؟ میں اللہ تعالیٰ کے نام سے دَم کرتا ہوں اور دنیا میں بندے کو کوئی چیز تکلیف نہیں دے سکتی۔ نہ زمین میں نہ آسمان میں، اللہ تعالیٰ سننے والا بھی ہے اور جاننے والا بھی ہے۔

سورۃ فاتحہ کے مختلف نام:

- اس کا نام فاتحۃ الکتاب بھی ہے، یہ تو سب کہتے ہیں۔ فاتحۃ الکتاب کیوں کہتے ہیں؟ فتح کا مطلب ہوتا ہے آغاز کرنا، شروع کرنا چونکہ یہ قرآن کریم کے

6۔ سنن ابی داوٗد، رقم: 5088

شروع میں ہے اس لیے اسے فاتحة الکتاب کہتے ہیں۔

- اس سورۃ کا نام سورة المسئلة بھی ہے مسئلہ کا معنٰی ہوتا ہے اللہ تعالٰی سے مانگنا کیونکہ اس سورۃ میں اللہ تعالٰی سے مانگتے ہیں: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ اس لیے اس سورۃ کا نام سورة المسئلة بھی ہے۔
- اس سورۃ کا نام ام الکتاب بھی ہے ام کہتے ہیں جڑ کو، بنیاد کو۔ جیسے آدمی کے جسم پر سر ہے تو کہتے ہیں ام الجسد سر آدمی کے جسم کا خلاصہ ہے، بنیاد ہے، آدمی کا دماغ کام کرے تو بندہ صحیح رہتا ہے یہ دماغ کام کرنا چھوڑ دے تو بندے کا پورا وجود کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ اس لیے اس کو ام الکتاب بھی کہتے ہیں۔
- اس کا نام سورة الشافية بھی ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالٰی نے شفا رکھی ہے اس لیے اس کو سورة الشافية بھی کہتے ہیں۔

دم کرنے کا ثبوت صحیح بخاری سے:

اس بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالٰی نے صحیح بخاری میں ایک عجیب واقعہ ذکر فرمایا ہے: صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کی جماعت ایک علاقے سے گزر رہی تھی، اس علاقے والوں سے کہا کہ ہم مسافر لوگ ہیں ہمیں مہمان بنالو تو انہوں نے مہمان بنانے سے انکار کیا۔ اللہ تعالٰی کی شان ہے جنہوں نے انکار کیا اُس قبیلے کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا جو علاج معالجہ ان کے پاس اس دور میں تھا کیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ جن لوگوں کو ہم نے مہمان بنانے سے انکار کیا ان سے پوچھو شاید ان کے پاس کوئی علاج ہو؟

وہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے پاس آئے اور سارا معاملہ کہہ ڈالا کہ ہمارے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے ہم اس لیے آئے ہیں کہ آپ لوگوں میں

سے کوئی بندہ علاج کر سکتا ہے؟ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ جی ہاں! میرے پاس دَم موجود ہے میں اس کا علاج کروں گا، وہ وہاں چلے گئے سورۃ فاتحہ پڑھی اور سردار پر پھونک ماری، اللہ تعالیٰ نے سردار کو شفا عطا فرما دی۔[7]

دَم کی اُجرت کا مسئلہ:

اچھا اس میں ایک بات اور بھی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو "کتاب الاجارۃ" میں نقل کیا ہے۔ اجارہ کا مطلب ہوتا ہے مزدوری کرنا اور پیسے لینا۔ دم کا مسئلہ اور نقل کہاں کیا؟ کتاب الاجارہ میں۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ دلیل پیش کرنا چاہتے ہیں کوئی آدمی دم کرے تو اس کے پیسے لے سکتا ہے یا نہیں لے سکتا؟ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب وہ لوگ آئے کہ ہمارے سردار کو سانپ نے ڈسا ہے جس صحابی نے دَم کرنا تھا انہوں نے کہا کہ ہم اس شرط پر آئیں گے کہ اگر میں نے دم کیا اور تمہارا سردار ٹھیک ہو گیا تو تم اتنی بکریاں مجھے دو گے۔ انہوں نے کہا ہمیں منظور ہے۔ تو صحابی رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دم کیا اور سردار کو شفا مل گئی انہوں نے بکریاں دے دیں۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسے اچھا نہ سمجھا کہ قرآن کریم پر اجرت نہیں لینی چاہیے تم نے اچھا کام نہیں کیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہماری طرح نہیں تھے، اگر ایک مسئلے پر اُلجھن آ گئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھتے تھے۔

اگر آپ لوگوں کو اُلجھن آ جائے تو عالم سے پوچھیں آپس میں کھُسر پھُسر کیوں کرتے ہو؟ میرا اپنا مزاج ہے میں یہاں بیٹھا ہوں یا سفر میں ہوں، ایک مسئلہ

7۔ صحیح البخاری، رقم:2276

پوچھتا ہے دوسرا جواب دیتا ہے میں بیٹھ کر سنتا رہتا ہوں۔ بھئی! جب ہم سے پوچھیں گے تو ہم جواب دیں گے۔ جب ہم سے نہیں پوچھیں گے تو خواہ مخواہ کیوں جواب دیں؟ جب تک کوئی سوال نہ کرے تو علماء کو چاہیے کہ اس مسئلہ کا جواب نہ دیں۔ یا خود پوچھے یا عقیدت مند ہو ورنہ جواب نہ دے۔

حکیم الامت کا فیصلہ:

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سفر میں جا رہے تھے دورانِ سفر انہوں نے کسی کو ٹوکا! غالباً اس کی شلوار ٹخنوں کے نیچے تھی یا کوئی اور مسئلہ تھا، بھئی! یہ حرام ہے۔ یوں نا کیا کرو! آگے سے اس شخص نے ایسا جملہ کہا جو کفریہ تھا۔ تو حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب شلوار ٹخنوں سے نیچے تھی تو؛ تُو فاسق تھا، مسئلے کی توہین کر کے تو کافر ہو گیا۔ آج کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا کہ مسئلہ تب بتاؤں گا جب میرا عقیدت مند ہو، یا مسئلہ تب بتاؤں گا جب کوئی سائل بن کر مجھ سے پوچھے گا۔ اگر ضرورت مند بن کر پوچھے بھی نہیں اور عقیدت مند بھی نہ ہو تو میں نے اس کو مسئلہ نہیں بتانا۔

اس کا بہت فائدہ ہوتا ہے۔ آپ حضرات کے ہاں میں درس کے لیے آیا ہوں، کوئی مجھے کہہ دے تو نماز پڑھاتا ہوں نہ کہے تو میں نہیں پڑھاتا۔ مجھے شوق تو نہیں تمہاری امامت کراؤں نہ ہی مجھے شوق ہے کہ 100 سو نمازیوں کا بوجھ اپنے سر لوں۔ اگر میری نماز میں خلل آ گیا تو آپ کی ساری نمازیں بھی میرے سر پر ہیں۔ مجھے کیا ضرورت ہے بوجھ اور مصیبت اٹھانے کی؟ ان باتوں سے بندے کو کنارہ کش رہنا چاہیے۔ کہہ دیں تو ہم انکار نہیں کرتے اور نہ کہیں تو ہم مصلے پر سوار نہیں ہوتے۔ تو جب تک کسی کو عقیدت نہ ہو یا سائل بن کر نہ آئے عالم کو بلاوجہ مسئلہ نہیں بتانا چاہیے اس میں مسئلے کی توہین کا خطرہ ہوتا ہے اور توہین کرنے سے بندہ کافر ہو جاتا ہے۔

دم کی اُجرت پر نبوی فیصلہ:

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے دم کیا اور بکریاں لے لیں۔ اب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مسئلہ چلا کہ دم کر کے اجرت لینا مناسب ہے؟ انہوں نے کہا کہ مدینے میں جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھیں گے، آپس میں بحث کی کیا ضرورت ہے؟ مدینہ منورہ پہنچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ساری بات عرض کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دلجوئی کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قَدْ أَصَبْتُمْ اقْسِمُوا"

تم نے مسئلہ ٹھیک بتایا ہے، اب بکریوں کو تقسیم کرو!

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وَاضْرِبُوا لِي مَعَكُمْ سَهْمًا "[8]

میرا حصہ بھی نکالو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے گوشت کو کیا کرنا تھا؟ یہ تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی دلجوئی کرنی تھی کہ تم نے بہت اچھا کام کیا ہے۔ فرمایا کہ میرا حصہ کدھر ہے؟ میرا حصہ بھی لاؤ! امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب الاجارہ کے تحت لائے ہیں۔ بتاؤ کس قدر حماقت کی بات ہے لوگ فتوے دیتے پھرتے ہیں تعویذ حرام ہے، دم حرام ہے، ان کی اجرت لینا حرام ہے۔

صدقہ پریشانیوں کا حل ہے:

میں ہر کسی کو تعویذ نہیں دیتا۔ آپ کے علم میں ہے ہمارے پاس ہر انگریزی ماہ کی پہلی جمعرات کو مرکز اھل السنۃ والجماعۃ 87 جنوبی سرگودھا میں اصلاحی بیان ہوتا ہے، مجلس ذکر ہوتی ہے۔ نئے لوگ مجھ سے چاروں سلاسل میں بیعت بھی ہوتے ہیں،

8۔ صحیح البخاری، رقم: 2276

پرانے لوگ جو مریدین ہیں وہ سب بھی اکٹھے ہوتے ہیں۔ تو میرا ایک مرید جو خوشاب سے آگے قائد آباد ہے وہاں سے آیا، کہتا ہے: امی کہتی ہیں مولانا سے تعویذ لے کر آؤ! میں نے کہا کس بات کا؟ گائے لیتے ہیں تو دودھ نہیں دیتی، دولاکھ کی لی ہے۔ دودھ نہیں دے رہی، نقصان ہو جاتا ہے۔

میں نے کہا اس کا حل یہ ہے کہ ایک گائے صدقہ کر دو تمہاری باقی ساری گائیں ٹھیک ہو جائیں گی۔ کہتا ہے کہ تعویذ دیں۔ جو بات میں مناسب سمجھوں گا وہی بتاؤں گا۔ میں جو کہہ رہا ہوں ایک گائے اللہ تعالیٰ کے نام پر صدقہ کر دو باقی ساری گائیں ٹھیک ہو جائیں گی۔ لیکن اس کو یہ بات سمجھ نہیں آئی، بہت سمجھایا باہر چلا گیا، پھر اندر آیا، کہتا ہے کہ امی کہتی ہیں صدقہ بھی کریں گے لیکن تعویذ بھی دیں۔

تعویذ میں ہر بندے کو نہیں دیتا، ایک بندے کو دے دو، دوبارہ مسئلہ نہیں پوچھے گا تعویذ ہی پوچھے گا۔ خوابوں کی تعبیر کیوں نہیں بتاتا؟ خواب کی تعبیر بتادو، تو دوبارہ تعبیر ہی پوچھتے رہیں گے، مسئلہ نہیں پوچھیں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ امت کے عقائد درست ہوں ان کو مسائل سمجھائے جائیں یہ تعویذوں اور خوابوں کی دنیا سے باہر نکلے۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ ہم تعویذ کو غلط سمجھتے ہیں یا ہمیں خوابوں کی تعبیر کا فن نہیں آتا نہیں بلکہ ہمیں تعویذ بھی آتے ہیں اور خوابوں کی تعبیر دینا بھی آتی ہے اور آپ کے مسائل بھی آتے ہیں۔

سورۃ کے مکی، مدنی ہونے کا اصول:

سورۃ فاتحہ مکی ہے یا مدنی؟ آپ دیکھیں لکھا ہوتا ہے سورۃ الفاتحۃ مکیۃ یہ مکی سورۃ ہے۔ مکی اور مدنی کسے کہتے ہیں؟ عام بندہ یہ سمجھتا ہے کہ جو سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی وہ مکی ہے اور جو سورۃ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی وہ مدنی ہے۔ یہ مکی اور مدنی کی تفسیر نہیں ہے۔ اصول یاد رکھیں: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی

کے دواہم دور ہیں؛ایک ہجرت سے پہلے اور ایک ہجرت کے بعد۔ وہ سورۃ یا آیات جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں وہ مکی ہیں خواہ وہ طائف میں نازل ہوئی ہوں اور جو سورۃ ہجرت کے بعد نازل ہوئی وہ مدنی ہے خواہ وہ مکہ میں نازل ہو۔

اب بات سمجھ میں آگئی؟ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاتح بن کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو قرآن کا نزول ہوا اس کو مدنی کہیں گے یا مکی؟ مدنی کہیں گے۔ تو جو سورۃ ہجرت سے قبل نازل ہوئیں وہ مکی ہیں خواہ مکہ سے باہر نازل ہوئی ہوں اور جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں خواہ مکہ میں نازل ہوں۔

سورۃ الفاتحہ کے مکی ہونے کی دلیل:

سورۃ فاتحہ مکی ہے،مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس کی دلیل کیا ہے؟ قرآن کریم میں ہے:﴿وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنٰکَ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ وَ الۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِیۡمَ﴾[9] ہم نے تمہیں بار بار پڑھی جانے والی سات آیات عطا کی ہیں اور یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کا مطلب ہے کہ سورۃ فاتحہ پہلے نازل ہو چکی تھی تبھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنٰکَ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ وَ الۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِیۡمَ﴾

آیت کی علامت (O):

سورۃ فاتحہ کی سات آیات ہیں۔ اس میں آپ دیکھیں گے﴿صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ﴾ اس کے آگے گول دائرہ (O) نہیں ہے۔ ﴿غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ﴾ کے آگے گول دائرہ (O) ہے۔ذرا نکتہ سمجھیے، میں نے تو قرآن مجید سامنے رکھا ہوا ہے تم گھر جا کے دیکھنا سورۃ فاتحہ کی سات آیات ہیں۔

9۔الحجر 87:15

﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾ آگے گول دائرہ ہے، ﴿الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ﴾ آگے گول دائرہ ہے، ﴿مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ﴾ پھر گول دائرہ ہے، ﴿اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ﴾ آگے گول دائرہ، ﴿اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ﴾ آگے گول دائرہ، ﴿صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ﴾ یہاں گول دائرہ نہیں ہے حالانکہ آیت ختم ہو رہی ہے، ﴿غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا الضَّآلِّيۡنَ﴾ آگے گول دائرہ ہے۔ اب دیکھو! جہاں آیت ختم ہوتی ہے وہاں گول دائرہ بنا ہوا ہوتا ہے تو جب یہ سات آیات ہیں، ﴿اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ﴾ پر آیت ختم ہوتی ہے گول دائرہ کیوں نہیں ہے؟

سورۃ الفاتحہ کی کل آیات اور اختلاف فقہاء:

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ فقہی اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: سورۃ فاتحہ کی سات آیات ہیں لیکن بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا حصہ ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: سورۃ فاتحہ کی سات آیات ہیں، بسم اللہ اس کا حصہ نہیں ہے ﴿اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ﴾ پر ایک آیت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ یہاں اختلاف تھا کہ آیت ختم ہوتی ہے یا نہیں؟ اس لیے مصحف (قرآن کریم) میں یہاں دائرہ نہیں لگایا جاتا۔ لیکن اس کو عام بندہ نہیں سمجھتا کہ دائرہ یہاں پر کیوں نہیں لگا ہوا۔

بدعقیدگی کا سدِّباب:

اللہ تعالیٰ آپ کو مدینہ منورہ لے جائے اور بار بار لے جائے (آمین) آپ مدینہ منورہ مسجد نبوی میں جا کر دیکھیں، اب میں آپ کو یہاں سے کیسے سمجھاؤں؟ آپ مدینے جائیں وہ پرانی ترکی مسجد کا جو پرانا ہال ہے اس میں آپ دیکھیں تو ستونوں پر پھول بنے ہوئے ہیں ایک پھول کا رنگ اور ہے دوسرا کا ڈیزائین اور ہے اور جو ستون پر بننے والے پھولوں کے ڈیزائنوں میں فرق ہے وہ خاص واقعہ کی طرف اشارہ

ہے۔ جس کا عام بندے کو نہیں پتا ہوتا یہ پھول یوں کیوں ہے؟ اور یہ پھول یوں کیوں ہے؟ آج بھی آپ مسجد نبوی میں جائیں اور باب عبد المجید قبلے کی مخالف جائے نماز میں داخل ہوں آپ وہاں قالین اٹھائیں نیچے تین گول دائرے بنے ہوئے ہیں کسی کو نہیں پتا کہ یہ گول دائرے کیا ہیں؟

صحابی رسول حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے باغ میں یہاں پر چشمے تھے یہ وہ تین گول دائروں کا نشان ہے۔ عربوں نے نشانیاں رکھی ہیں لیکن وہ اظہار کیوں نہیں کرتے؟ اس قوم نے ان کو چاٹنا شروع کر دینا ہے۔ لیکن نشانی انہوں نے رکھی ہوئی ہے۔ اس لیے بد عقیدگی کی روک تھام کے لیے انہوں نے اس کو ظاہر نہیں کیا لیکن بالکل ختم بھی نہیں فرمایا بلکہ نشانیاں لگائی ہوئی ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ کا تفقہ:

میں بات کر رہا تھا سورۃ فاتحہ میں سات آیات ہیں ہماری دلیل ہے سات آیات کیوں ہیں؟ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَجْهَرُ بِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ.[10]

میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی ہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی ہے، تو جب بھی وہ نماز پڑھتے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اونچی آواز میں نہیں پڑھتے تھے۔

کیوں؟ اب بات سمجھنا اگر بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جز ہوتی تو جب سورۃ فاتحہ

10۔ سنن النسائی، رقم:908

جہری ہے تو بسم اللہ جہراً ہوتی بسم اللہ کو جہراً نہ پڑھنا، الحمد للہ کو جہراً پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جزء نہیں ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی عقل اور دماغ کہاں تک کام کرتا ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جز نہیں۔

صفت رب جامع الصفات ہے:

آگے دیکھیں: ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے میں آپ کی خدمت میں بڑی مختصر مختصر تفسیر عرض کر رہا ہوں تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو رب العلمین ہے۔ قرآن کریم کا آغاز دیکھیں: ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ﴾ اور قرآن کریم کا اختتام دیکھیں ﴿قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ شروع بھی رب سے اختتام بھی رب پہ ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ﴾ اپنا نام لائے ہیں اور "رب" اپنی صفت لائے ہیں اور جب قرآن ختم کیا ہے ﴿قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پھر بھی اپنی صفت "رب" لائے ہیں۔ وجہ یہ ہے صفت "رب" اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جو تمام صفات کو جامع ہے۔ رب میں خدا کی ساری صفات آجاتی ہیں، قرآن کریم کو شروع بھی "رب" سے کیا ہے اور ختم بھی "رب" پر کیا ہے۔

لفظ "رب" پر عجیب نکتہ:

اچھا دوسری بات سمجھیں!

- جب عالم ارواح میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے سوال کیا تھا: ﴿اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ﴾
- جب قبر میں جائیں گے تو فرشتہ سوال کیا کرے گا: "مَنۡ رَّبُّكَ؟"
- اور اس میں درمیانی زندگی ہے، اس میں کہا:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡهِمُ

الۡمَلٰٓئِكَةُ﴾[11]

پتا چلا عالم ارواح میں بھی سوال لفظ رب سے ہے۔ عالم برزخ میں بھی سوال لفظ رب سے ہے اور دنیا میں استقامت بھی ربنا کہنے پر ہے۔ یہ "رب" ایسی صفت ہے خدا کی کہ

- عالم ارواح میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔
- عالم دنیا میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔
- عالم قبر میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔
- اور عالم برزخ میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔

اس لیے شروع بھی رب سے کیا ہے اور ختم بھی رب پر کیا ہے۔

مخلوقات کی تعداد:

"العلمین" عالَم کی جمع ہے عربی زبان میں عالَم کہتے ہیں: "مَا يُعۡلَمُ بِهٖ شَيۡئٌ" کو، جس سے کسی چیز کا پتا چلے اس کو عالَم کہتے ہیں۔ اب عالَم دنیا میں کتنے ہیں؟ عالَم سے مراد مخلوق ہے، مخلوقات کی تعداد کتنی ہے؟

- ✪ مقاتل ابن حیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مخلوقات کی تعداد 80 ہزار ہے 40 ہزار خشکی میں ہے 40 ہزار سمندر میں۔
- ✪ وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ 18 ہزار تعداد ہے۔
- ✪ صحیح قول کعب بن احبار رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے: دنیا میں کسی کو معلوم نہیں کہ مخلوقات کی تعداد کتنی ہے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿وَمَا يَعۡلَمُ

11۔ فصلت 30:41

جُنُوۡدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾ [12] دنیامیں خدا کے لشکروں کو کوئی بھی جان ہی نہیں سکتا۔

اللہ تعالیٰ ہی رزّاق ہیں:

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: اے اللہ! میرا جی چاہتاہے کہ میں تیری ساری مخلوق کی دعوت کروں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے نبی سلیمان یہ تیرے بس میں نہیں ہے۔ عرض کی کہ میرا جی چاہتاہے مجھے اجازت عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اجازت دیتاہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کو پکانے پر لگایا نانبائی بھی ان کے جِن تھے جس نبی کے نانبائی جن ہوں بتاؤ اس نبی کی حکومت کتنی بڑی ہوگی؟

فرمایا پکانا شروع کرو! ایک یا دوماہ پکانے پر لگے، دستر خوان لگ گیا، یہ ان کا معجزہ تھا کھانا پکاتے رہے، بغیر فریج میں رکھے اللہ تعالیٰ اس کھانے کو محفوظ فرماتے رہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: مخلوق کو بھیجیے کھانا لگ گیاہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کس کو بھیجوں، سمندر والی کو یا خشکی والی کو؟ سلیمان علیہ السلام نے عرض کی اے اللہ! سمندر والی کو بھجیں، خشکی والی تو میرے سامنے ہے مجھے سمندر والی کا علم نہیں ہے۔ پتا چلا کہ نبی کے پاس غیب کا علم نہیں ہوتا۔

حدیث مبارک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی سے کہا کہ جاؤ! میرے سلیمان کی دعوت کھاؤ! مچھلی آئی اور ایک لقمے میں سارا کھانا نگل گئی پھر منہ کھول دیا۔ سلیمان علیہ السلام نے عرض کی کہ اے اللہ یہ کیا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اس کو روزانہ ایسے تین لقمے دیتاہوں۔ سلیمان تیری دعوت تو میری ایک مچھلی کو پوری نہیں

12۔ المدثر 31:74

ہوئی۔ بتاؤ اب اس کا پیٹ کون بھرے گا؟ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو تو ہی رزق دے سکتا ہے نبی کے بس میں نہیں۔

کتنی مخلوقات ہیں دنیا میں کوئی نہیں جانتا۔ بتاؤ خدا کتنی طاقت والا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی طاقت پر اعتماد کی توفیق عطا فرمائے۔

تفسیر روح المعانی اور علامہ آلوسی:

علامہ محمود آلوسی مفتی بغداد رحمہ اللہ تعالیٰ بغداد کے بہت بڑے مفتی تھے انہوں نے تفسیر روح المعانی لکھی ہے۔ رات کی چاندنی میں بیٹھ کر لکھی ہے، اتنا غریب مفتی ہے لکھنے کے لیے ان کے پاس دِیا اور چراغ نہیں ہوتا تھا۔ کہتے تھے: كُنْتُ أُطَالِعُ الْكُتُبَ فِيْ ضَوْءِ الْقَمَرِ. میں رات کی چاندنی میں کتابوں کا مطالعہ کرتا۔ پھر تفسیر روح المعانی لکھی اور اس وقت کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کی اور بادشاہ بھی عَش عَش کر اٹھا کہ ایسے علماء بھی دنیا میں موجود ہیں چاند کی چاندنی میں بیٹھ کر مطالعہ کرتے ہیں اور تفسیر قرآن کی خدمت کرتے ہیں۔

خدا کے موجود ہونے پر عقلی دلیل:

اس کتاب "روح المعانی" میں مفتی بغداد علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
ایک دیہاتی آدمی تھا، بدو تھا، اعرابی تھا وہ جنگل سے گزر رہا تھا وہاں اونٹ کی مینگنیاں پڑی تھیں ان کو دیکھ کر اس پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے ایک ایسا فصیح و بلیغ جملہ کہا شاید دنیا والے اتنا بڑا جملہ نہ کہہ سکیں۔ اس دیہاتی آدمی نے وہیں کھڑے ہو کر فی البدیہہ کہا:

- اَلْبَعْرَةُ تَدُلُّ عَلَى الْبَعِيرِ یہ مینگنیاں بتاتی ہیں یہاں سے اونٹ گزرا ہے۔
- وَآثَرُ الْأَقْدَامِ عَلَى الْمَسِيرِ نشانات قدم بتاتے ہیں کوئی بندہ یہاں سے گزرا ہے۔

- أَفَسَمَآءٌ ذَاتُ أَبْرَاجٍ آسمان کو دیکھو جو برجوں والا ہے۔
- وَأَرْضٌ ذَاتُ فِجَاجٍ اور زمین کو دیکھو جو بڑے بڑے خزانوں والی ہے۔

لَا تَدُلُّ عَلَى اللَّطِيفِ الْخَبِيرِ کیا اس سے پتا نہیں چلتا کہ دنیا میں خدا موجود ہے؟[13]

اس نے کہا کہ مینگنیوں سے پتا چلتا ہے کہ اونٹ گزرا ہے قدم بتاتے ہیں کہ انسان گزرا ہے۔ یہ سمندر اور زمین بتاتی کہ دنیا میں خدا موجود ہے یہ ایک دیہاتی کا استدلال ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم اور عقل عطا فرمائے تو دیہات کے سادے کو بھی دے دے اور نہ دے تو PhD ڈاکٹر کو بھی گمراہ کر دے۔ یہ جو بڑے بڑے ڈاکٹروں نے گمراہی کا بازار گرم کیا ہے الامان و الحفیظ اللہ تعالیٰ ان سے محفوظ رکھے۔

اپنے ایمان کی حفاظت کریں:

میں یہ بات بڑی کھلی کھلی کہتا ہوں کہ پروفیسروں اور ڈاکٹروں کے درس فلاں اور درس فلاں سے خدارا خود کو بچالو ورنہ ایمان کو برباد کر بیٹھو گے۔ ڈاکٹر کا کام ہے بھئی:

- نبض دیکھو!
- پیشاب چیک کرو!
- مثانے چیک کرو!
- دماغ چیک کرو!
- جسم چیک کرو!

مسائل چیک کرنا تمہارے بس میں نہیں۔ اس سے خود کو بچاؤ۔ اپنے ایمان

13۔ روح المعانی: ج 19 ص 62

محفوظ کرو! ہمارے ذمہ بتانا ہے ہم بتاتے رہیں گے آپ مانیں گے تو بچ جائیں گے نہیں مانیں گے تو پھر بعد میں نہ کہنا کہ اے اللہ! ہمیں بتانے والا کوئی نہیں تھا۔ ہم نے مسئلہ آپ کے سامنے عرض کر دیا ہے۔

رحمٰن ور حیم میں فرق:

﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ اللہ تعالیٰ "رحمٰن" بھی ہے، اللہ تعالیٰ "رحیم" بھی ہے۔ توجہ رکھنا رحمٰن اور رحیم میں کیا فرق ہے؟ آپ کوئی بھی ترجمہ اٹھائیں، اس میں دو لفظ لکھے ہوتے ہیں۔ ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا یہ لکھا ہوتا ہے۔ بے حد مہربان، نہایت رحم کرنے والا کبھی آپ نے غور کیا دونوں میں فرق کیا ہے؟ بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا۔ ان میں کیا فرق ہے؟ ذرا سمجھنا:

- رحمٰن کہتے ہیں عام الرحمۃ۔
- رحیم کہتے ہیں تام الرحمۃ۔
- رحمٰن کہتے ہیں جس کی رحمت ہر کسی کو ملے۔
- رحیم کہتے ہیں کہ جس کی رحمت مکمل ملے۔
- اَلرَّحْمٰنِ کا معنیٰ جس کی رحمت میں عموم ہو۔
- اَلرَّحِیْمِ کا معنیٰ جس کی رحمت میں کمال ہو۔
- اللہ تعالیٰ کی رحمت میں عموم بھی ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رحمت میں کمال بھی ہے۔

یہ نکتہ سمجھنا! اللہ تعالیٰ کی رحمت میں عموم بھی ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت میں کمال بھی ہے۔ اس لیے یہ بات کہتا ہوں دنیا میں خدا کی رحمت میں عموم ہے اور قیامت

کے دن عموم نہیں ہو گا بلکہ قیامت کے دن خدا کی رحمت میں کمال ہو گا۔ کیا مطلب؟ دنیا میں خدا کی رحمت کی وجہ سے

- مومن بھی کھاتا ہے۔
- کافر بھی کھاتا ہے۔
- انسان بھی کھاتا ہے۔
- جانور بھی کھاتا ہے۔

لیکن قیامت کے دن خدا کی رحمت صرف مومن کو ملے گی کافر کو نہیں مل سکتی۔ تو دنیا میں عموم ہے اور قیامت کے دن کمال ہے۔

اس لیے کہتے ہیں اللہ رحمٰن فی الدنیا ہے اللہ رحیم فی الاخرۃ ہے۔ اللہ تعالیٰ رحمٰن دنیا میں اور رحیم آخرت میں خدا کی رحمت سے دنیا میں تو ہر کوئی فائدہ اٹھاتا ہے لیکن موت کے بعد خدا کی رحمت سے کافر فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اگر اٹھائے گا تو کون اٹھائے گا؟ صرف اور صرف مومن اٹھائے گا۔

انسان کو "رحمٰن" نہیں کہہ سکتے، رحیم کہہ سکتے ہیں:

اب ذرا نکتہ سمجھیں! رحمٰن بندے کو نہیں کہہ سکتے، رحیم انسان کو کہہ سکتے ہیں۔ ہمارے ملک کے وزیر داخلہ (2012ء میں) ان کا نام عبد الرحمٰن ملک ہے لوگ ان کو "رحمٰن ملک" کہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں رحمٰن؛ انسان کو کہنا جائز نہیں لیکن انسان کو رحیم کہنا جائز ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ

عَلَيۡكُم بِالۡمُؤۡمِنِينَ رَءُوفٞ رَّحِيمٞ ﴿١٢٨﴾ [14]

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے نبی کو "رحیم" فرمایا ہے۔ ذرا نکتہ سمجھیں انسان کو رحمٰن نہیں کہہ سکتے، رحیم کہہ سکتے ہیں۔ عبد الرحیم کو آپ رحیم بھی کہہ لیں کچھ گناہ نہیں، لیکن عبد الرحمٰن کو رحمٰن کہنا گناہ ہے۔ اب آپ کہیں گے رحیم کہہ سکتے ہیں تو رحمٰن کیوں نہیں کہہ سکتے؟

عموم اور کمال میں فرق:

میں نے دونوں میں کیا فرق بیان کیا؟ رحمٰن کہتے ہیں جس کی رحمت میں عموم ہو، رحیم کہتے ہیں جس کی رحمت میں کمال ہو۔ کیا مطلب؟ ایک آدمی کے پاس جتنی محبت ہے وہ ساری ایک کو دے دے، ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا؟ ہو سکتا ہے لیکن کوئی بندہ اپنی شفقت ہر کسی کو دے، کیا یہ بھی ہو سکتا ہے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ ایک بندے کے پاس دس روپے ہوں دس کے دس ایک کو دے دے یہ تو ہو سکتا ہے۔ یہ رحیم ہے اور ایک بندہ ہر کسی کو دے، یہ تو نہیں ہو سکتا۔ تو جس بندے کے پاس جتنی دولت موجود ہے وہ ایک کو تو دے سکتا ہے۔ جس بندے کے پاس جتنی شفقت ہے وہ ایک کو دے سکتا ہے، لیکن اتنی شفقت کہ کائنات میں ہر کسی کو دے یہ بندے کی صفت نہیں ہو سکتی اس لیے بندے کو رحیم کہہ سکتے ہیں رحمٰن نہیں کہہ سکتے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے مالک ہیں:

﴿مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ﴿٣﴾﴾ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کا مالک ہے۔ یہاں ﴿مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ﴾ فرمایا۔ پہلے نکتہ سمجھا دوں، چونکہ بعض احباب نئے ہیں اس

14۔ سورۃ التوبۃ 9:128

لیے عرض کرتا ہوں۔ ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ فرمایا قاضی یوم الدین نہیں فرمایا، جج نہیں فرمایا۔ مالک کا کام اور ہوتا ہے، جج کا کام اور ہوتا ہے۔ جج قانون کا پابند ہوتا ہے، مالک قانون کا پابند نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اور آپ کو تسلی دی ہے قیامت کو میرے پاس آؤ تو مجھے مالک سمجھ کر آنا جج یا قاضی سمجھ کر نہ آنا۔ میں قانون کا پابند نہیں ہوں۔ قانون کہے گا سزا دو میں اپنی مالک والی شان کو استعمال کروں گا رحمت کے دروازے کھول دوں گا۔

شاہی اختیارات کا استعمال:

میں سمجھانے کے لیے کہتا ہوں بندہ قتل ہو گیا F.I.R کٹ گئی اس کو S.H.O نے گرفتار کر لیا۔ اسپیشل کورٹ یا سیشن کورٹ میں لے کر گئے اور اس نے سزائے موت دے دی۔ آپ اس کے خلاف اپیل کریں گے ہائی کورٹ نے اس سزا کو بحال رکھا، اس کے خلاف اپیل کریں گے سپریم کورٹ میں، سپریم کورٹ نے سزائے موت کو بحال رکھا تو پھر کہاں جائیں گے؟ صدر مملکت کے پاس وہاں جاکر اس کے خلاف اپیل نہیں ہوتی۔ صدر مملکت سے کہتے ہیں ہمارے بیٹے نے قتل کیا ہے، اس کو سیشن کورٹ، ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ نے سزائے موت دے دی ہے۔ ہم جناب کے پاس آئے ہیں ہمارے بیٹے کو معاف کر دیا جائے۔ قانون میں معافی کی کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن کیونکہ آپ صدر ہیں، آپ ملک کے بادشاہ ہیں، آپ اپنے شاہی اختیارات استعمال کریں اور ہمارے بیٹے کو معاف کر دیں۔

سفارشی کی ضرورت:

اب ذرا توجہ رکھنا جب سیشن کورٹ گئے تھے وکیل کا سہارا ہے، ہائی کورٹ میں گئے وکیل کا سہارا ہے، سپریم کورٹ میں گئے ہیں وکیل کا سہارا اور صدر مملکت کے پاس گئے ہیں اب وکیل کا سہارا نہیں ہے۔ اب سفارشی تلاش کریں گے

کوئی M.N.A، کوئی M.P.A، کوئی داماد، کوئی سسر تلاش کرو گے۔

قاضی کی عدالت میں وکیل جاتا ہے اور مالک کی عدالت میں سفارشی جاتا ہے۔ قیامت کے دن کوئی وکیل کام نہیں آئے گا، قیامت کو سفارشی کام آئیں گے اور سفارشی کون ہیں؟ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةٌ: اَلْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ.[15]

کہ تین بندے شفاعت کریں گے، انبیاء بھی سفارش کریں گے، علماء سفارش کریں گے اور شہید بھی سفارش کریں گے۔ یہ وہ سفارشی ہیں جو قیامت میں کام آئیں گے۔ ایک حافظ ہے وہ 10 کو لے جائے گا، شہید 70 کو لے جائے گا اور حدیث مبارک میں ہے کہ ایک عالم اپنے تمام معتقدین کو لے کر جائے گا۔

شفاعتِ پیغمبر کا عقیدہ:

انبیاء علیہم السلام کا تو کیا کہنا۔ حدیث مبارک میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں گر کر کہیں گے: أُمَّتِي يَا رَبِّ أُمَّتِي يَا رَبِّ أُمَّتِي

اے اللہ! میری امت، اے اللہ! میری امت

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: "اِرْفَعْ رَأْسَكَ سَلْ تُعْطَهْ"[16]

میرے پیغمبر! سر اٹھا مانگنا تیرے ذمے ہے اور بخشنا ہمارے ذمے ہے۔ یہ قیامت کے دن کے سفارشی ہیں۔

مدرسہ سفارشی پیدا کرتا ہے:

قیامت کو وکیل کام نہیں آئے گا۔ کون کام آئیں گے؟ سفارشی۔ افسوس کہ

15۔ سنن ابن ماجۃ، رقم: 4313

16۔ صحیح البخاری، رقم: 4712

جن سے ہمیں آج بغض ہے، جن سے ہمیں نفرت ہے۔ میں اس لیے کہتا ہوں میں بھائی اشرف سے کہہ رہا تھا کہ یہ ابو بکر پانچویں میں ہے یہ پانچ پڑھے بس کرادو اور اس کو مدرسے میں داخل کرادو۔ میں کالج کا مخالف نہیں ہوں لیکن کالج سے وکیل پیدا ہوتے ہیں۔ میں یونیورسٹی کا مخالف نہیں ہوں لیکن وہاں ڈاکٹر پیدا ہوتے ہیں اور دینی مدرسے میں آپ کے سفارشی پیدا ہوتے ہیں۔

یہ سفارشی کب کام آتے ہیں؟ لوگ کہتے ہیں کہ مولانا صاحب! دعا فرمائیں مجھے آج بھی کہہ رہے تھے ہماری اس مسجد کے صدر صاحب ہیں جن کا بیٹا ہسپتال میں داخل ہے۔ دعا کریں اللہ تعالیٰ ان کو صحت عطا فرمائیں، اب ہمیں پتا ہے بندہ ہسپتال میں داخل ہے پھر ڈاکٹر کام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، جب مریض کی ڈیتھ (فوت ہو جائے) اسی ہسپتال میں مولوی صاحب دعا فرمائیں۔ تو جب ڈاکٹر کام چھوڑتا ہے پھر مولوی صاحب کا کام شروع ہو جاتا ہے۔

آدمی جیل میں تھا وکیل کیس لڑ رہا تھا، جیل سے سپریڈنٹ کا فون آگیا بھئی تمہارے ابو جی فوت ہو گئے ہیں، اب صبح وکیل کے پاس نہیں جائیں گے سیدھا مسجد میں آئیں گے جہاں وکالت کی انتہا ہے۔ اب عالم کی ابتدا ہے وکیل کا کام ختم ہو گیا مولوی صاحب شروع ہو گئے۔ لیکن عجیب بات ہے اس مولوی کی قدر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بات سمجھنے کو توفیق عطا فرمائے۔

اللہ کی رحمت اور بندے کا اقرار جرم:

اللہ تعالیٰ مالك يوم الدين ہے یا قاضی يوم الدين ہے بتاؤ؟ اللہ تعالیٰ مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کو جج نہیں ہوں گے۔ حدیث مبارک میں ہے اللہ تعالیٰ ایک بندے کو بلائیں گے اور کہیں گے تونے یہ گناہ کیا! تونے یہ گناہ کیا! وہ ڈر کے کہے گا: اے اللہ! میں نے کیا۔ اللہ میں نے کیا، کانپ رہا ہو گا میرے ساتھ کیا بنے گا؟ اللہ

تعالیٰ سارے گناہ گنوائیں گے اور پھر فرمائیں گے کہ ہم نے تیرا یہ گناہ بھی معاف کیا، تیرا یہ گناہ بھی معاف کیا۔

حدیث مبارک میں ہے جب اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف کریں گے اور پھر خاموش ہوں گے تو بندہ کہے گا: اے اللہ! میرا ایک گناہ وہ تو باقی ہے۔ آپ نے تو پوچھا ہی نہیں۔ ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْحَكُ" میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اتنا ہنسے "حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ" یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک نظر آنے لگے۔ فرمایا ابھی ڈر رہا تھا ابھی کہہ رہا ہے اللہ میرا اور گناہ بھی باقی ہے ابھی اور گناہ بھی ہے۔[17]

تو اللہ تعالیٰ مالک ہیں، اللہ تعالیٰ قاضی تو نہیں ہیں۔ مالک کا معاملہ الگ ہوتا ہے، جج کا معاملہ الگ ہوتا ہے۔ مالک کو تو کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ کیوں معاف کیا؟

جنتیوں اور جہنمیوں کے درمیان مکالمہ:

کتنی سفارشیں چلیں گی قیامت کے دن۔ میں صرف ایک حدیث سناتا ہوں مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "معارف الحدیث" میں حدیث نقل کرنے کے بعد بڑی عجیب بات فرمائی ہے کسی نیک عالم سے تعلق کتنا کام آتا ہے۔ ایک حدیث سنو! فرمایا قیامت کا دن ہو گا اہل جنت؛ اہل جہنم کے پاس سے گزریں گے، ایک جہنمی ایک جنتی سے کہے گا:

- "أَمَا تَعْرِفُنِي" تو نے مجھے پہچانا نہیں؟
- "أَنَا الَّذِي سَقَيْتُكَ شَرْبَةَ الْمَاءِ" میں وہ شخص ہوں جس نے تجھے پانی پلایا

17۔ سنن الترمذی، رقم: 2596

تھا۔

- ”أَمَا تَعْرِفُنِي“ تونے مجھے پہچانا نہیں؟
- ”أَنَا الَّذِي وَهَبْتُ لَكَ مَاءً تَوَضَّأْتَ بِهِ“ میں نے وضو کے لیے آپ کو پانی دیا تھا۔[18]

حدیث مبارک میں ہے کہ وہ سفارش کریں گے اور اس کو ساتھ لے کر جنت میں جائیں گے۔ آج اس کی قیمت نہیں ہے کسی عالم کو پانی کا گلاس دینے سے کیا ملتا ہے؟ تم سوچو گے مولانا صاحب ترغیب دینے لگے کہ ہمیں پانی پلایا کرو نہ بابا ہم تمہارا پانی پی کر کیا کریں گے تمہارا پانی تمہیں مبارک۔ یہ تمہاری دولت تمہیں مبارک ہو اللہ تعالیٰ آپ کو زیادہ عطا فرمائے۔ اللہ کی قسم! ہم کسی کی دولت دیکھ کر جلتے نہیں بلکہ خوش ہوتے ہیں کہ مسلمان کو خدا نے دولت دی ہے جلنے والے کا منہ کالا، جل کر ہم کیا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور عطا فرمائے، میں صرف بتا رہا ہوں کہ ان چھوٹی چھوٹی نیکیوں کا آخرت میں اللہ تعالیٰ اجر عطا فرمائیں گے۔

شرک اور توحید میں فرق:

﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾ اللہ ہم تیری ”ہی“ عبادت کرتے ہیں اور تجھ ”ہی“ سے مدد مانگتے ہیں شرک اور توحید میں کیا فرق ہے؟ مشرک ”بھی“ کی رٹ لگاتا ہے اور موحد ”ہی“ کی بات کرتا ہے۔ مشرک کہتا ہے ”بھی“ جبکہ موحد کہتا ہے ”ہی“ مشرک کہتا ہے کہ اللہ کو ”بھی“ مانتے ہیں، موحد کہتا ہے اللہ ”ہی“ کو مانتے ہیں۔

قرآن کریم کو اٹھائیں اللہ نے مشرک اور زانی کا مزاج بیان کیا ہے فرمایا:

18۔ شرح السنۃ للبغوی: ج7 ص520 رقم 4249

﴿وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنۡكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوۡ مُشۡرِكٌ ۚ﴾[19]

مشرک اور زانی ایک جیسے ہیں جس طرح مشرک ایک خدا پر بھروسہ نہیں رکھتا، قناعت نہیں کرتا۔ اسی طرح زانیہ عورت ایک مرد پر قناعت نہیں کرتی، مشرک ایک خدا پر بھروسہ نہیں کرتا۔ بدکار آدمی اپنی بیوی پر بھروسہ نہیں کرتا۔

میں کل مطالعہ کر رہا تھا ایک مفسر بڑی عجیب بات لکھتے ہیں: جو موحد ہے وہ کہتا ہے: "اللہ ہی" اور مشرک کہتا ہے کہ "اللہ بھی" اور پاک دامن عورت کہتی ہے: "میں تیری ہی ہوں" اور بدکار عورت کہتی ہے: "میں تجھ سے بھی پیار کرتی ہوں"، یہ مشرک اور بدکردار کا مزاج ایک جیسا ہے۔

لفظ نعبد پر عجیب نکتہ:

مومن کہتا ہے: ﴿اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ﴾ ذرا اس پر ایک نکتہ ذہن نشین فرمائیں! "نعبد" اور "نستعین" جمع کا صیغہ ہے یا واحد کا؟ جب امام نماز پڑھاتا ہے تو کہتا ہے کہ ﴿اِيَّاكَ نَعۡبُدُ﴾ تب تو سمجھ آتی ہے لیکن جب اکیلے سنتیں پڑھ رہے ہوں تو کہتے ہیں: ﴿اِيَّاكَ نَعۡبُدُ﴾ جب تہجد پڑھتے ہیں تو کہتے ہیں ﴿اِيَّاكَ نَعۡبُدُ﴾ اکیلے ہوتے ہیں یا جمع؟ اکیلے ہوتے ہیں، پھر "إِيَّاكَ أَعْبُدُ" کہنا چاہیے کہ میں تیری عبادت کرتا ہوں۔ ﴿اِيَّاكَ نَعۡبُدُ﴾ کیوں کہتے ہیں؟ ذرا نکتہ سمجھنا! جب ﴿اِيَّاكَ نَعۡبُدُ﴾ اکیلے کہیں تو ذہن میں تصور کیا کریں دنیا میں ایک لمحہ ایسا نہیں گزرتا جب اللہ کی عبادت کرنے والا کوئی بندہ نہ ہو ﴿اِيَّاكَ نَعۡبُدُ﴾ کہہ کے اپنی عبادت کو ملائکہ کے ساتھ شامل کرو اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ ملائکہ، صلحاء، نیک لوگوں کو شامل کرو۔ نتیجہ کیا نکلے گا

19۔ النور 3:24

جب "ہم" کہہ کر اپنی عبادت کو صلحاء کے ساتھ شریک کریں گے، اللہ ان کی عبادت کو قبول کرے گا تو ہماری عبادت کو بھی قبول فرمائے گا۔ یہ تنہائی میں "نَعۡبُدُ" کا فائدہ ہے۔

فضائل اعمال کے معترضین سے ایک سوال:

اس میں ایک چھوٹا سا سوال اور کر دیتا ہوں تاکہ بات سامنے آجائے۔ آج میں ساتھیوں کو بتا رہا تھا کہ جامعہ حسینیہ شہداد پور اندرون سندھ سب سے بڑا مدرسہ ہے اور تبلیغی جماعت کا مدرسہ ہے۔ میں جب سندھ جاتا ہوں اس مدرسے والے میرا بیان بڑے اہتمام سے کرواتے ہیں۔ میں ایک بار وہاں گیا تو مہتمم صاحب ایک حبشی کو لائے اور کہنے لگے کہ یہ لڑکا اہل حدیثوں سے بہت متاثر ہے۔ یہ لڑکا آیا تبلیغ کی وجہ سے تھا، اب فضائل اعمال پر اعتراض کرتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ آپ فضائل اعمال سے کیوں دور ہو گئے؟ اس نے کہا کہ فضائل اعمال پر ہمارے اعتراضات ہیں، اس لیے ہم فضائل اعمال سے کٹ گئے ہیں۔

میں نے کہا میرے کچھ قرآن پر اعتراضات ہیں آپ مجھے اس کا جواب دے سکتے ہیں؟ مجھے کہتا ہے کہ کون سا اعتراض ہے؟ میں نے کہا کہ ﴿اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ﴾ یہ اللہ کا کلام ہے؟ کہنے لگا: جی! اللہ کلام ہے۔ میں نے کہا کہ ﴿اِيَّاكَ نَعۡبُدُ﴾ کا کیا معنیٰ ہے؟ کہنے لگا کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ میں نے کہا یہ تب ہو گا جب میں اور آپ قرآن پڑھیں۔ جب اللہ تعالیٰ کہے گا: ﴿اِيَّاكَ نَعۡبُدُ﴾ اللہ کسے کہتا ہے میں تیری عبادت کرتا ہوں، اللہ کس سے کہتا ہے کہ میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں؟ خدا کا کلام کیسے ہے؟ خدا بندے سے مدد مانگتے ہیں؟ خدا بندے کی عبادت کرتے ہیں؟

مجھے کہتا نہیں۔ میں نے کہا کہ مجھے اس بات جوب دو! ورنہ قرآن کا انکار کرو!اس نے کہا: اعتراض تو بڑا مضبوط ہے، میں نے کہا جواب دو! اس نے کہا جواب نہیں آتا میں نے کہا تو پھر چھوڑ دو قرآن! کہتا ہے نہیں جی جواب تلاش کریں چھوڑیں کیوں؟ میں نے کہا فضائل اعمال پر اعتراض ہے جواب تلاش کر چھوڑ مت۔

تبلیغی جماعت کا مزاج:

کہتا ہے یہ تبلیغ والے جواب نہیں دیتے میں نے کہا جواب دینا ان کا کام ہی نہیں ہے، جواب ہمارا کام ہے، ہم سے پوچھیں، دیکھو! جواب ملتا ہے یا نہیں۔ ان کے ذمے فضائل ہیں اور ہمارے ذمے دلائل ہیں، فضائل ان سے لو دلائل ہم سے لو۔

فضائل اعمال کا علمی دفاع:

میں نے کہا لاؤ جو فضائل اعمال پر اعتراض ہے۔ میں تمہارے ایک ایک سوال کا جواب دیتا ہوں۔ مجھے ایک ساتھی نے بحرین سے فون کیا کہتا ہے کہ ایک مولوی آیا ہے فضائل اعمال میں فلاں فلاں جگہ اعتراض کرتا ہے، میں نے کہا میری اس موضوع پر دو گھنٹے کی مفصل گفتگو سی ڈی میں موجود ہے، انٹرنیٹ پر اپ لوڈ ہے، وہاں سے ڈاؤن لوڈ کر کے سی ڈی بنا کر اسے تقسیم کرو۔

اللہ کی شان ہے وہ بیان کرنے کے لیے گیا، لڑکوں نے میرے اس بیان کو ڈاؤن لوڈ کیا اس کی سی ڈیز بنا لیں بیان سننے والے جب باہر نکلے تو جو میری سی ڈیز فضائل اعمال کے دفاع میں ہیں وہ تقسیم ہو گئیں۔ آئندہ وہ حضرت جب دوبارہ تشریف لے گئے تو تبلیغی جماعت کے خلاف بولنے کی ہمت نہیں ہوئی کیونکہ جواب تو ہم نے دے دیے تھے۔ پھر انہوں نے کہا کہ آپ خود آئیں میرا ان دنوں وہیں کا سفر ہے میں نے کہا پہلے C.D آئی تھی اب ہم آئیں گے اب سارے اعتراضات اکٹھے کرو ہم دیکھتے ہیں کہ کون سا اعتراض ہے جس کا جواب نہیں بنتا۔ میں نے کہا جب اعتراض ہے تو

چھوڑ دو قرآن کو! کہتا ہے کہ جواب تلاش کریں گے میں نے کہا فضائل اعمال پر اعتراض ہے فضائل اعمال نہ چھوڑو جواب تلاش کرو۔

امام اہل السنت رحمہ اللہ کا جواب:

اب ذرا اس سوال کا جواب سمجھیے سوال سمجھ گئے؟ ﴿اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ﴾ یہ کلام کس کا ہے؟ ﴿اِیَّاكَ نَعۡبُدُ﴾ کا معنیٰ ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔ میں چھوٹا تھا وہاں حفظ کرتا تھا ہم نے اس وقت شیخ امام اہل السنت شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ سے جواب سنا تھا شیخ فرمارہے تھے جیسے ایک بچہ اسکول میں داخل ہوتا ہے اور ہیڈ ماسٹر بچے کو سمجھاتا ہے بچے جب تمہیں چھٹی چاہیے تو درخواست لکھنا:

بخدمت جناب ہیڈ ماسٹر صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ، میرے چچا کی شادی ہے مجھے دو دن کی رخصت عنایت فرمائیں۔ نیچے اپنا نام لکھ دو۔ اب کہتا ہے بخدمت جناب ہیڈ ماسٹر صاحب... لکھتا کون ہے؟ خود لکھ رہا ہے۔ استاذ فرماتے ہیں اس سے پوچھو بخدمت جناب ہیڈ ماسٹر صاحب کیوں لکھا ہے؟ یہ خود کیوں؟ چھٹی لینا چاہتا ہے؟ کیا چھٹی تو نہیں لینا چاہتا؟ پھر یہ کیوں کہہ رہا ہے بخدمت جناب ہیڈ ماسٹر صاحب میرے چچا کی شادی ہے مجھے دو دن کی چھٹی چاہیے؟ کس ہیڈ ماسٹر کے چچا کی شادی ہے؟

استاذ فرمانے لگے یہ اعتراض تب تھا جب ہیڈ ماسٹر یہ درخواست اپنے لیے لکھتا، ہیڈ ماسٹر نے لکھی ہے لیکن اپنے لیے نہیں بچے کے لیے لکھی ہے۔ اسی طرح ﴿اِیَّاكَ نَعۡبُدُ﴾ پر اعتراض تب تھا جب اللہ کا کلام اللہ کے لیے ہوتا، یہ اللہ کا کلام بندے کے لیے ہے کہ جب تم پڑھو تو ﴿اِیَّاكَ نَعۡبُدُ﴾ پڑھو۔ میں نے کہا کہ بتاؤ کون سا اعتراض باقی رہ گیا؟

صراط مستقیم کا معنٰی:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝﴾ اللہ ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔ ایک ہوتا ہے سیدھا راستہ دکھا دینا اور ایک ہوتا ہے سیدھے راستے پر چلا دینا۔ ہدایت کا ایک معنٰی دکھانا ہے جس کو عربی میں إِرَاءَةُ الطَّرِيْقِ کہتے ہیں راستہ دکھانا۔ ہدایت کا دوسرا معنٰی إيصال إلى المطلوب ہے یعنی سیدھے راستے پر چلا دے۔ ہم یہ نہیں کہتے اللہ ہمیں سیدھا راہ دکھادے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ ہم کو سیدھے راستے پر چلا دے۔

اہل السنت کی پہچان؛ راہِ اعتدال:

میں اکثر آپ کی خدمت میں اختصار کے ساتھ بات عرض کرتا ہوں کہ صراط مستقیم نام ہے راہِ اعتدال کا۔ نہ افراط، نہ تفریط، نہ تجاوز، نہ کمی۔ درمیانے راستے کا نام اعتدال ہے۔ بعض حد سے گزر جاتے ہیں بعض حد سے اتر جاتے ہیں۔ اھل السنۃ والجماعۃ حد سے گزرتے بھی نہیں اور حد سے اترتے بھی نہیں بلکہ حد پر رہتے ہیں اس کا نام صراط مستقیم ہے۔ میں دو چار مثالیں دیتا ہوں۔

◆ ایک بندہ کہتا ہے کہ خدا عرش پر ہے، ہر جگہ حاضر نہیں، ایک بندہ کہتا ہے اللہ بھی ہر جگہ پر اللہ کے نبی بھی ہر جگہ پر۔ صراط مستقیم کیا ہے اللہ ہر جگہ پر نبی مدینے میں اور نبی کا فیض ہر جگہ پر ہے۔

◆ ایک بندہ کہتا ہے کہ ننگے سر پھرو! دوسرا کہتا ہے کہ نہیں سر پر پگڑی باندھنی ہے اور سبز ہی باندھنی ہے جو انکار کرے وہ بھی غلط اور سبز کی شرط لگائے وہ بھی غلط۔ صراط مستقیم کیا ہے: پگڑی باندھو! سفید باندھ لو، سبز باندھ لو، کالی باندھ لو، جو میسر ہو وہ باندھ لو یہ صراط مستقیم ہے۔

◆ ایک بندہ کہتا ہے کہ دو ہاتھ سے مصافحہ نہ کرو ایک ہاتھ سے کرو اس نے دو ہاتھ کو چھوڑ دیا۔ ایک کہتا ہے کہ نہیں مصافحہ بھی کرو اور ساتھ گھٹنے بھی ٹیکو۔ یہ دونوں

غلط ہیں۔ صراط مستقیم کیا ہے دو ہاتھ سے مصافحہ کرو مگر گھٹنے مت ٹیکو۔

- ایک بندہ کہتا ہے کہ تراویح 20 نہیں 8 پڑھو وہ پوری بارہ تراویح کھا گیا۔ ایک کہتا ہے کہ نہیں 20 رکعات تراویح بھی پڑھو اور بعد میں اجتماعی دعا بھی ضرور کرو۔ ہم کہتے ہیں تراویح 20 پڑھو دعا اپنی مانگ لو یا امام کے ساتھ مانگ لو یہ آپ کی مرضی ہے۔ یہ صراط مستقیم ہے۔
- ایک بندہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پر جاؤ اور سلام عرض کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تب بھی نہیں سنتے اور دوسرا کہتا ہے نہیں یہاں سے پکارو تب بھی سنتے ہیں، یہ دونوں غلط کہتے ہیں۔ صراط مستقیم کیا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پر جاؤ تو وہ خود سنتے ہیں اور یہاں سے پڑھو تو ان کی خدمت میں فرشتے پہنچا دیتے ہیں یہ صراط مستقیم ہے۔

انعام یافتہ لوگوں کا طبقہ:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵﴾ اللہ ہم کو صراط مستقیم پر چلا دے۔

﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ اللہ نے فرمایا: یہ صراط مستقیم کن کا راستہ ہے؟ ان لوگوں کا راستہ جن پر خدا نے انعام کیا۔ آپ حضرات پڑھے لکھے ہیں ہمیں تعجب ہے کہ لوگ اتنے ان پڑھ قرآن کے بارے میں کیوں بن جاتے ہیں؟ بتاؤ خدا نے صراط القرآن فرمایا؟ صراط الحدیث فرمایا؟ مجھے قرآن و حدیث کے راستے پر چلا۔ نہیں بلکہ فرمایا: ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ مجھے انعام یافتہ لوگوں کے راستے پر چلا۔

بزرگوں والا راستہ:

مجھے ایک ساتھی کہنے لگا: یہ جو رائیونڈ والے (تبلیغی جماعت والے) کہتے ہیں

کہ ہم نے بزرگوں سے سنا ہے، ہمارے بزرگ یوں فرماتے ہیں، بزرگوں کے نقش قدم پر چلو۔ یہ کیا بزرگ؛ بزرگ لگا رکھا ہے یہ کہاں لکھا ہے؟ میں نے کہا کہ قرآن کریم میں لکھا ہے: کہتا ہے جی کہاں؟ میں نے کہا کہ سورۃ فاتحہ میں لکھا ہے۔ کہتا ہے جی کدھر؟ میں نے کہا: ﴿اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝۵﴾ آگے کیا ہے؟ ﴿صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ﴾ اے اللہ! ہمیں صراط مستقیم پر چلا۔ کیا مطلب؟ ان کے راستے پر چلا جن پر تو نے انعام فرمایا اور بزرگ اسے کہتے ہیں جس پر خدا نے انعام کیا ہو۔ بزرگوں والا راستہ تو خدا نے قرآن میں بتایا ہے۔

انعام یافتہ چار طبقات:

اور یہ کتنے طبقات ہیں؟ چار۔

1. انبیاء کرام
2. صدیقین
3. شہداء
4. صالحین اور اولیاء

یہ چار طبقے ہیں جن پر خدا نے انعام نے فرمایا۔

ہم سنی چاروں کو مانتے ہیں:

اب ذرا نکتہ سمجھنا میں کہتا ہوں ان چاروں طبقات کو ہم سنی مانتے ہیں ہم دیوبند والے مانتے ہیں۔ باقی کوئی بھی ان چاروں کو نہیں مانتا۔ کیوں؟ مرزائیوں کو دیکھو وہ انبیاء سے نکل گئے ہیں، انہوں نے اس بے ایمان کو مانا جو نبی ہی نہیں۔ جن پر خدا نے انعام کیا پہلا طبقہ کون سا ہے انبیاء کا مرزائی نکل گئے کیوں؟ وہ تو نبی کو نبی نہیں مانتے غیر نبی کے پیچھے پڑے ہیں۔

صدیقین سے رافضی نکل گئے کیونکہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہیں مانتے وہ بھی نکل گئے۔ شہداء، اس سے اہل بدعت نکل گئے۔ شہادت سے ڈرتے ہیں۔ صالحین، اس سے وہ دوڑ گئے جو اولیاء کو نہیں مانتے۔

- ◎ انبیاء سے مرزائی نکل گئے۔
- ◎ صدیقین سے رافضی نکل گئے۔
- ◎ شہداء سے بدعتی نکل گئے۔
- ◎ اور اولیاء سے غیر مقلد نکل گئے۔

اور ہم سنی سب کو مانتے ہیں ہم دیوبند والے سب کو مانتے ہیں۔

- ✪ انبیاء کو بھی مانتے ہیں۔
- ✪ صحابہ کو بھی مانتے ہیں۔
- ✪ شہداء کو بھی مانتے ہیں۔
- ✪ اور اولیاء کو بھی مانتے ہیں۔

دیکھو سیدھا راستہ خدا نے ہمیں عطا فرمایا ہے پھر تم دل چھوٹا کیوں کرتے ہو؟ دل چھوٹا نہ کرو دل بڑا رکھا کرو۔ خدا نے تمہیں صراط مستقیم پر رکھا ہے۔

گمراہ اور مغضوب طبقہ:

﴿غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا الضَّآلِّيۡنَ ۝﴾ اے اللہ! ان کے راستے پر چلا جن پر تو نے انعام فرمایا اللہ ان سے بچالے جن پر تیرا غضب ہے اور اللہ جو گمراہ ہوئے، ان سے بھی ہماری حفاظت فرما۔ "مغضوب" سے مراد یہودی ہیں اور "ضالین" سے مراد نصرانی عیسائی ہیں۔ کیوں؟

مغضوب اسے کہتے ہیں جس کے پاس علم ہو لیکن ضد کی وجہ سے نہ مانے۔

گمراہ اور ضال اسے کہتے ہیں جو بے چارہ جہالت کی وجہ سے نہ جانے۔

ضد اور جہالت سے حفاظت:

یہودیوں کے پاس علم تھا لیکن ساتھ ضد شامل تھی اور نصاریٰ کے پاس علم نہیں تھا جہالت تھی۔ اللہ ہمیں مغضوب سے بھی بچائے اور ضال سے بھی۔ اللہ ہمیں ضد سے بھی محفوظ رکھے اور جہالت سے بھی محفوظ رکھے۔

امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کا مسئلہ:

آخر میں دو مسئلے ہیں: سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے۔

اس پر دلیل قرآن کریم میں ہے:

﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٢٠٤﴾﴾[20]

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ النَّاسُ عَلٰى أَنَّهَا نَزَلَتْ فِي الصَّلَاةِ.[21]

امت کا اجماع ہے یہ آیت نماز کے بارے میں اتری کہ جب نماز کے لیے امام قرآن پڑھے تو تم قرآن سنا بھی کرو اور تم چپ بھی رہا کرو۔

سننا اور چپ رہنا دو حکم ہیں:

سنو بھی اور چپ بھی رہو۔ اللہ نے کتنے حکم دیے؟ دو۔

- سنا بھی کرو۔
- چپ بھی رہا کرو۔

سنا کرو، چپ رہا کرو یہ دو حکم کیوں دیے ہیں؟ کیونکہ نمازیں دو قسم کی ہیں۔

20۔ الاعراف 204:7

21۔ مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ: ج22 ص150

نمبر 1: جہری نمبر 2: سری

جہری اور سری نماز:

جس میں امام اونچی آواز سے قرأت کرے یہ "جہری" نماز ہے۔ جیسے فجر، مغرب اور عشاء اور جس میں امام قرأت آہستہ کرے یہ "سری" نماز ہے۔ جیسے: ظہر، عصر۔

کیونکہ نمازیں دو قسم کی ہیں اللہ نے بھی دو حکم دیے۔ اب بتاؤ جو آدمی سامنے سے بولے اس کو سننے والا تو نہیں کہتے، سننے والا اسے کہتے ہیں جو چپ رہے۔ تو جب امام کی آواز آئے ﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ﴾ سنا کرو اور ظہر، عصر میں جب آواز نہ آئے اب تم سن نہیں سکتے لیکن چپ تم نے اب بھی رہنا ہے۔ یہ سننے کا حکم جہری نمازوں کے لیے ہے ان جہری نمازوں میں چپ تو رہنا ہی ہے۔ اور چپ رہنے کا حکم سری نمازوں کے لیے ہے۔ نمازیں دو قسم کی تھیں خدا نے دونوں حکم عطا فرما دیے۔ جہری میں ﴿فَاسْتَمِعُوْا﴾ اور سری نماز میں ﴿اَنْصِتُوْا﴾ آواز نہیں آسکتی چپ تم نے اب بھی رہنا ہے۔ اس بارے میں ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو سورۃ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے۔

آمین آہستہ کہنے کا مسئلہ:

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب امام ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝﴾ کہے تو مقتدی کو آمین کہنی چاہیے مقتدی اونچی آواز میں آمین نہ کہے۔

آمین؛ دعا ہے یا اللہ کا نام ہے:

اس پر میں دلیل حنفیوں کے عالم کی نہیں دیتا۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ جو شافعی المسلک ہیں، فرماتے ہیں یہ جو آمین ہے یا تو "اللہ کا نام" ہے یا آمین "دعا" ہے،

دونوں پر دلیلیں پیش کیں ہیں۔

[1]: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"آمِيْنَ" اِسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ" [22]

آمین اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

[2]: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی۔ قرآن کہتا ہے:﴿قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا﴾ [23]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو بھی دعا کہا ہے اور ہارون علیہ السلام کی آمین کو بھی دعا کہا ہے۔ اس سے پتا چلا کہ آمین دعا ہے۔

صحیح بخاری میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَقَالَ عَطَاءٌ: آمِينَ دُعَاءٌ" [24]

امام عطاء رحمہ اللہ جلیل القدر تابعی ہیں، انہوں نے فرمایا: آمین دعا ہے۔

آمین آہستہ کہنے کا استدلال:

معلوم ہوا کہ آمین اللہ کا نام ہے یا دعا ہے۔ اگر اللہ کا نام ہو تو قرآن کریم میں ہے:﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً﴾ [25] اللہ کا نام لو تو آہستہ لیا کرو۔

اگر یہ آمین دعا ہے تو قرآن کریم کہتا ہے:

22۔ مصنف عبد الرزاق: ج2 ص64 رقم الحدیث 2653

23۔ یونس 89:10

24۔ صحیح البخاری: کتاب الاذان، تحت باب جہر الامام بالتامین

25۔ الاعراف 205:7

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾[26]

اللہ سے دعا آہستہ مانگو۔

امام رازی رحمہ اللہ نے بڑی عجیب بات کہی ہے، فرماتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ میں شافعی ہوں لیکن اس مسئلے پر قرآن، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ ہے۔ اگر آمین دعا ہے تب بھی اصل آہستہ ہے، اگر آمین اللہ کا نام ہے تب بھی ذکر آہستہ ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ کہتے ہیں شافعی ہونے کے باوجود کہ اس مسئلہ پر میں کہتا ہوں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا موقف بالکل درست ہے۔[27]

اس لیے ہم حنفی کہتے ہیں جب امام ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہے تو مقتدی کو آمین آہستہ کہنی چاہیے، مقتدی کو آمین اونچی آواز سے نہیں کہنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو شریعت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

26۔ الاعراف 7:55

27۔ التفسیر الکبیر للرازی: ج14 ص107

سورۃ البقرۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿الٓـمّٓ ۚ﴿۱﴾ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚۖ فِیۡہِ ۚ ہُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ۙ﴿۳﴾﴾

تمہید:

آپ حضرات کے علم میں ہے کہ گزشتہ درسِ قرآن کا عنوان تھاسورۃ الفاتحہ۔ ہم اس پر مسلسل مشورہ کرتے رہے کہ درسِ قرآن کی ترتیب کیا بنائیں؟ اگر ایک ایک رکوع کو لے کر چلتے ہیں تو سورۃ البقرہ میں ہی کئی سال گزر جانے ہیں اور سورۃ البقرہ نے ختم نہیں ہونا۔ اس لیے سب سے بہتر اور مناسب حل یہ تجویز کیا کہ ہم ماہانہ درسِ قرآن میں پوری سورۃ کا خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کریں۔

سورۃ الفاتحہ کی سات آیات میں نے آپ کے سامنے پیش کی تھیں۔ سورۃ البقرہ کا آج پورے اڑھائی پارے کا خلاصہ میں آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اس لیے کہ سورۃ البقرہ میں 286 آیات اور 40 رکوع ہیں۔ اب اگر ایک ایک رکوع کو بیان کریں تو 40 مہینے اس کے لیے چاہییں۔ آپ خود اندازہ فرمائیں مزید کتنے سال لگیں گے۔ اس لیے پھر یہ مناسب سمجھا کہ پوری سورۃ کا خلاصہ اختصار کے ساتھ ایک گھنٹے میں بیان کر دیں۔

عقائد و نظریات......اہم پہلو:

آپ سمجھتے ہیں میرا خاص موضوع ہے عقائد اور نظریات پر کام کرنا، میں عقائد اور نظریات کے حوالے سے جتنے مسائل ہیں اس پر عرض کروں گا باقی سارے مسائل کو بیان کرنا تو بہت مشکل ہے، ایک گھنٹے میں آدمی سورۃ البقرہ کی تلاوت کرے تو وہ پوری نہیں ہوتی، اس میں پورے مضامین کیسے بیان کیے جاسکتے ہیں؟

سورۃ البقرہ کی بنیادی معلومات:

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے الجامع لاحکام القران میں ابن عربی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ سورۃ البقرۃ میں:

- 1000 اوامر ہیں۔
- 1000 نواہی ہیں۔
- 1000 حکمتیں ہیں
- 1000 اخبار اور قصص ہیں۔[28]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سورۃ البقرہ:

سورۃ البقرہ کتنی اہم سورۃ ہے؟ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سورۃ البقرہ کو بارہ سال میں حفظ کیا ہے اور ان کے بیٹے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو آٹھ سال لگے۔[29]

وہ سورۃ البقرہ جتنی سمجھتے تھے اتنی یاد کر لیتے تھے سمجھتے بھی تھے اور یاد بھی کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سورۃ البقرہ کے حفظ سے فارغ ہوئے تو ایک

28۔ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ج1 ص80

29۔ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ج1 ص80

اونٹ ذبح کر کے دعوت کی تھی۔[30]

ختم قرآن پر چندہ کی رسم:

مجھے بعض ساتھی کہنے لگے: ادھر آپ منع کرتے ہیں کہ قرآن مجید ختم کریں تو مٹھائی تقسیم نہ کریں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مثال بھی دیتے ہیں؟ میں نے کہا ہم منع کرتے ہیں کہ ان سے چندہ جمع نہ کریں خود تقسیم کریں تو کون منع کرتا ہے؟ یہ دس دس روپے جمع نہ کریں کہ قرآن کا ختم ہے، دس دس روپے دے کر یوں قرآن کی توہین، بے عزتی اور تذلیل نہ کریں۔ ہاں کسی کو اللہ توفیق عطا کرے وہ کہے جی میں قرآن ختم کرتا ہوں اور اس پر مٹھائی کھلائے کون منع کرتا ہے؟

ختم قرآن کی خوشی:

میں الحمد للہ ہر سال قرآن مجید ختم کرتا ہوں اور کہیں سے بھی شروع کروں میرا 29ویں رات کو ختم قرآن اپنے مرکز اھل السنۃ والجماعۃ سرگودھا میں ہوتا ہے میں اپنی جیب سے تمام آنے والے حضرات کی مٹھائی کے ساتھ خاطر تواضع کرتا ہوں، مجھے خوشی ہوتی ہے اور میں خوشی کا اظہار بھی کرتا ہوں۔ کبھی اس پر نہ ہم نے چندہ کیا ہے اور نہ ہی اپنے ختم قرآن کے لیے اللہ کبھی چندہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اپنی جیب سے لگانے کی عادت ڈالنی چاہیے، اس کا بہت فائدہ ہوتا ہے۔

درسِ قرآن کے لیے محنت:

خیر میں عرض کر رہا تھا کہ سورۃ البقرہ مضامین کے حوالے سے اتنی اہم سورۃ ہے اس میں تین چار باتیں میں نے آپ لوگوں کو سمجھانی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے صحیح سمجھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ میں صرف توجہ دلانے کے لیے عرض کرتا ہوں اس پر

30۔ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ج1 ص25

کتنی محنت کرنی پڑتی ہے؟ یقین فرمائیں آپ کو اندازہ نہیں ہے۔ اس کی تیاری کے لیے میں رات چار بجے تک جاگا ہوں، چار بجے کے بعد کتنا وقت بچتا ہے؟ ڈیڑھ گھنٹا سویا، ساڑھے پانچ بجے پھر اٹھ گیا، پھر آدھا گھنٹا سویا، پھر کام شروع کیا، آپ کا ایک درس ہے میں نے صبح ساڑھے نو بجے الگ بیان کیا ہے، جمعہ کا الگ بیان کیا ہے، پھر چناب نگر کانفرنس کا آخری بیان الگ کیا ہے یہ چوتھی جگہ میرا درس قرآن ہے۔

درسِ قرآن کا انداز:

یہ درسِ قرآن میں بڑا دھیما دھیما دیتا ہوں اس لیے کہ میں نے خطابت والا درس دیا تو تمہاری مسجد کے نمازی کہیں گے یہ عید گاہ تو نہیں ہے یہ مسجد عثمانیہ ہے۔ مولانا صاحب کو سمجھاؤ! سیدھی سیدھی تقریر کرے تو اس لیے میں آپ حضرات کی بہت رعایت کرتا ہوں۔ لیکن مجھے اتنا دکھ ہوتا ہے کہ بعض حضرات اس رعایت کو بھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ بندے کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی؟ خیر ہمیں اللہ بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دکھ برداشت کرنے پر نصرت خداوندی:

جب آدمی کو دکھ ہوتا ہے اور پھر دکھ کا جواب نہ دے تو اس پر اللہ کی مدد اور نصرت بہت زیادہ آتی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ کی کسی بات پر آپس میں ناخوشگوار بات ہوئی اور تکرار شروع ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے مسکرا رہے تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ نے تھوڑی دیر بعد تکرار کا جواب دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑا سا ناراضگی کا اپنے چہرے مبارک سے اظہار فرمایا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ عرض کیا: حضور! پہلے آپ مسکرا رہے تھے، پھر آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِنَّهٗ كَانَ مَعَكَ مَلَكٌ يَرُدُّ عَنْكَ فَلَمَّا رَدَدْتَ عَلَيْهِ بَعْضَ قَوْلِهٖ وَقَعَ الشَّيْطَانُ." [31]

جب تو چپ تھا تو فرشتہ تیری بات کا جواب دے رہا تھا اور جب تو نے جواب دینا شروع کیا تو شیطان پڑ گیا۔ کیا مطلب؟ کہ اب فرشتہ چلا گیا اور اب شیطان خوش ہو رہا ہے۔

تو میں مسکرا اس لیے رہا تھا کہ تیرا دفاع فرشتے کرتے ہیں اور تجھے اپنا دفاع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

مخالفین کے پروپیگنڈے:

یہ اتنی انوکھی بات نہیں کہ میں تمہیں نہ بتاؤں ابھی چند دن پہلے میں گرفتار ہوا، پھر لوگوں نے احتجاج کیا تو تین دن بعد رہا ہوا۔ اب مجھے اتنا دکھ ہوا کہ بتا نہیں سکتا سرگودھا میں ایک مستقل طبقہ لگا ہوا ہے کہتا ہے کہ جی لیڈر بننے کی خاطر تین دن جیل میں رہا۔ میں نے کہا ایک دن تو بھی ادھر چلا جاتا کہ تجھے پتا چلے یہ کتنا مشکل کام ہے۔ میں نے کہا میں تو شہرت کا بھوکا تھا یہ جو روڈ پر نکلے تھے ان کو کیا ہوا تھا؟ ان کو کون سی شہرت چاہیے تھی؟

یقین کرو! بندے کو اتنا دکھ ہوتا ہے۔ تین سال قبل رات کو میں سندھ سے آ رہا تھا، فائرنگ ہوئی، میرے ڈرائیور کو گولیاں لگیں، دونوں بازوؤں سے کراس کر گئیں، اللہ نے مجھے بچا لیا میں اپنی سیٹ پر سویا ہوا تھا۔ اور پروپیگنڈا دیکھیں۔ میں جدہ گیا، مجھے وہاں کے ایک ساتھی نے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ مولوی صاحب نے ڈرائیور کو گولیاں مروائی ہیں لیڈر بننے کے لیے میں نے کہا حاشا وکلّا اللہ معاف فرمائے، کوئی حد

31۔ مسند احمد: ج9 ص264 رقم الحدیث 9590

ہوتی ہے پروپیگنڈے کی!

عقائد کی محنت جاری رہے گی:

خیر میں صرف یہ گزارش کرتا ہوں کہ جب صحیح عقیدے پر محنت ہو تو یہ پروپیگنڈا ہوتا ہے اور اس پروپیگنڈے کو ہم نے برداشت کرنا ہے اور عقیدے کی محنت جاری رکھنی ہے ان شاء اللہ، عقیدے کی محنت ہم چھوڑ نہیں سکتے۔ خیر میں مضمون آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں، اللہ ہمیں سمجھانے کی توفیق عطا فرمائے، سمجھ آئے تو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

سورۃ البقرہ نام رکھنے کی وجہ؟:

پہلی بات یہ سمجھیں کہ سورۃ البقرۃ کا نام ”البقرۃ“ کیوں ہے؟ ”بقرۃ“ عربی زبان میں کہتے ہیں ”گائے“ کو، کیونکہ اللہ رب العزت نے اس سورۃ میں گائے کا ایک بہت اہم واقعہ بیان فرمایا ہے، اس ذکر کی وجہ سے اس سورۃ کا نام ”سورۃ البقرۃ“ ہے یعنی گائے والی سورۃ ہے۔ اب عید آرہی ہے نا اور اس کو بعض لوگ عید الاضحیٰ بھی کہتے ہیں اور بعض بڑی عید بھی کہتے ہیں چونکہ تین دن کی ہے نا، اور بعض لوگ بقرہ عید بھی کہتے ہیں، کیونکہ گائے ذبح ہوتی ہے، تو بقرہ کا معنی گائے ہے، چونکہ اس سورۃ میں گائے کا ذکر ہے، اس لیے اس کو ”سورۃ البقرۃ“ کہتے ہیں۔

سورۃ الفاتحہ کے مضامین سے ربط:

دوسری بات سمجھیں۔ سورۃ البقرہ کا پچھلی سورۃ سے ربط کیا ہے؟ کوئی بھی آدمی جب فصاحت کے ساتھ گفتگو کرتا ہے اس کے کلام میں ربط ہوتا ہے بے ربط گفتگو نہیں ہوتی تو اللہ کا کلام کیسے بے ربط ہو سکتا ہے؟ سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ البقرہ کیوں ہے اور ان کا آپس میں تعلق کیا ہے؟ سورۃ الفاتحہ اس پر ختم ہے ہم نے اللہ سے

دعا مانگی تھی ﴿اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ﴾ اللہ ہمیں صراط مستقیم پر چلا دے، ہدایت کی دعا مانگی تھی اس کا آگے جواب آیا ﴿لَا رَيۡبَ فِيۡهِ هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ﴾

جو تم نے ہدایت کی دعا مانگی تھی ہم تمہیں ہدایت کے مضمون دے دیتے ہیں ان مضامین پر عمل کرو گے تو تمہیں صراط مستقیم یعنی ہدایت مل جائے گی، ان مضامین کو چھوڑ دو گے تو تمہیں صراط مستقیم نہیں ملے گی۔ یہ سورۃ الفاتحہ کا سورۃ البقرہ کے ساتھ ربط ہے۔

سورۃ البقرہ کے فضائل:

تیسری بات سمجھیں سورۃ البقرہ کے فضائل کیا ہیں؟ ہر سورۃ کے اپنے فضائل ہیں قرآن کریم کے فضائل تو ہیں ہی لیکن ہر سورۃ کے الگ الگ فضائل ہیں۔ اس وقت دو فضیلتیں ذہن نشین فرمالیں۔

پہلی فضیلت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لَا تَجۡعَلُوۡا بُيُوۡتَكُمۡ مَقَابِرَ."

لوگو! گھروں کو قبرستان مت بناؤ!

کیا مطلب کہ اپنے گھروں میں قرآن کی تلاوت کیا کرو! مردے قرآن کی تلاوت نہیں کرتے، تم قرآن کی تلاوت کیا کرو!

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِنَّ الشَّيۡطَانَ يَنۡفِرُ مِنَ الۡبَيۡتِ الَّذِىۡ تُقۡرَأُ فِيۡهِ سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ." [32]

جس گھر میں سورۃ البقرہ کی تلاوت ہو اس گھر سے شیطان دوڑ جاتا ہے۔ اب

32۔ صحیح مسلم، رقم 780

بتاؤ! اس سے بڑی فضلیت کیا ہو سکتی ہے ؟

◎ خاوند اور بیوی کی لڑائی کیوں ہے ؟ شیطان کی وجہ سے۔

◎ داماد اور سسر میں لڑائی کیوں ہے ؟ شیطان کی وجہ سے۔

◎ والدین اور اولاد میں لڑائی کیوں ہے ؟ شیطان کی وجہ سے۔

◎ بھائیوں کی آپس میں لڑائی کیوں ہے ؟ شیطان کی وجہ سے۔

جب شیطان گھر سے دوڑ جائے گا پھر ظاہر ہے یہ لڑائیاں ختم ہو جائیں گی۔ اگر شیطان گھر میں رہے گا تو لڑائیاں کیسے ختم ہو سکتی ہیں ؟

تصویر اور ٹی وی کی نحوست:

لاہور میں ہمارے رشتے دار تھے، میں ان کے گھر گیا تو انہوں نے مجھے کہا الیاس! تو چیک شیک وی کر لینداں ایں ؟ یعنی تعویذ دھاگہ کر لیتے ہو ؟ میں نے کہا: کوئی ضرورت ہو تو دیکھ لیتے ہیں۔ میرا یہ پیشہ اور مزاج نہیں ہے جیسے میں خواب کی تعبیر بتاتا ہوں لیکن مستقل یہ کام نہیں کرتا کیونکہ لوگ خوابوں کی تعبیر پوچھتے ہیں اور مسئلہ پوچھنا چھوڑ دیتے ہیں اور میں تعویذ بہت کم دیتا ہوں کیونکہ لوگ جب بھی آتے ہیں تو تعویذ ہی لیتے ہیں مسائل نہیں پوچھتے۔ ہماری خواہش ہوتی ہے کہ عقیدے اور مسائل کی باتیں کریں۔ میں نے کہا چلیں ٹھیک ہے کوئی وجہ تو بتائیں ؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے گھر میں کچھ اثرات ہیں، ہمیں بعض لوگوں نے بتایا۔ میں نے کہا کہ دیکھو تم نے سامنے گھر میں تصویریں لٹکا رکھی ہیں اور جس گھر میں تصویریں ہوں اس میں رحمت کا فرشتہ نہیں آئے گا تو اس میں شیطانی اثرات تو ہوں گے۔ آپ سب سے پہلے تصویریں نکالیں اور گھر سے ٹی وی کو خیر باد کہیں۔

گناہوں سے پرہیز:

اب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ میٹھی چیز چھوڑنی ہی نہیں ہم نے، چینی بھی نہیں

چھوڑنی، رس گلے، گلاب جامن بھی نہیں چھوڑنے اور کہتے ہیں کہ میری شوگر کا علاج کرو۔ اب ایسے کون علاج کرے گا؟ بلکہ کہا جائے گا کہ پرہیز کرو پھر علاج ہو گا اس لیے لوگ ہم سے علاج نہیں کرواتے کہ ہمارا پرہیز بہت سخت ہوتا ہے۔ آپ سخت پرہیز کا اہتمام کریں تو اللہ پاک گھروں میں محبتیں پیدا کر دیں گے۔

گھریلو نظام زندگی اور تعدد ازواج:

میں آپ سے کئی باتیں بڑی بے تکلفی سے کہہ دیتا ہوں کہ دیکھو آپ سے ایک بیوی نہیں سنبھلتی، میری تین ہیں اور کوئی لڑائی نہیں ہے۔ میں نے چھپ کے اور چوری نکاح نہیں کیا۔ جب بھی نکاح کیا ہے تو آپ کو مٹھائی کھلائی ہے، اب دعا کرو چوتھی ہو جائے ہم پھر آپ کو مٹھائی کھلائیں گے۔

ہندوانہ مزاج اور دوسری شادی:

آپ مذاق سمجھتے ہیں، میں مذاق نہیں سمجھتا، میری مذاق کرنے کی عادت نہیں آپ میرے ہزاروں بیانات سنیں ان میں آپ کو کہیں لطیفے، مذاق اور بے ہودگی نہیں ملے گی۔ میں اس لیے اس پر زور دیتا ہوں کہ یہ ہندوؤں کا مزاج ہے دوسری شادی کے نام پہ چڑنا، آپ نہ کر سکیں مگر کم از کم اس کو اچھی نگاہ سے تو دیکھیں۔

نکاح عبادت ہے، عیاشی نہیں:

کفار کے ہاں نکاح عیاشی کا نام ہے اور مسلمان کے ہاں نکاح عبادت کا نام ہے۔ کیونکہ ہم اس کو عیاشی سمجھتے ہیں۔ اس لیے کہتے ہیں کہ جی فلاں بندے نے دو زنانیاں رکھی ہوئی ہیں، بھائی یہ عبادت ہے عیاشی تھوڑی ہے۔ ایک آدمی تہجد پڑھتا ہے، نوافل، اشراق، اوابین بھی پڑھتا ہے آپ اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یا ذلت کی نگاہ سے؟ لیکن جو دوسرا نکاح کرے تو اس کو عیاشی کی نگاہ سے کیوں دیکھتے ہو؟

رسوم ورواج کا خاتمہ... علماء کے عمل سے:

میں گزارش کرتا ہوں کہ وہ کام جس کو عوام عیب دار سمجھے عالم اور مقتدا کے ذمے ہے کہ وہ کام کرے اور اپنے عمل سے عیب کو توڑے یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ میں نے تیسرا نکاح کیا ہے۔ میری بیوی مجھ سے پانچ سال بڑی ہے، بیٹی اس کی شادی شدہ ہے، بچے اس کے جوان ہیں، اب بتاؤ! اپنے سے بڑی عمر والی بیوہ سے کوئی شادی کرتا ہے؟ لیکن ہم نے کی ہے۔ امت کے رسم کو عمل کے ساتھ مٹاؤ، کیوں؟ جو دین دار ہوں گے وہ خوش ہوں گے اور جو بے دین ہوں گے وہ ناراض ہوں گے۔

بے دین لوگوں کی ناراضگی:

بے دین ناراض ہو جائیں تو کیا فرق پڑتا ہے؟ کبھی بھی احوال کی پرواہ نہ کریں اور جب قوم کا مقتدا حالات کی وجہ سے شریعت پر عمل نہ کرے تو اس قوم کا اللہ ہی حافظ ہے۔ اس لیے علماء کی ذمہ داری ہے عمل کے ساتھ قوم کو سمجھائیں۔

دل جیتنے کے گُر:

میں یہ بات کہہ رہا تھا یہ مسائل مشکل نہیں ہیں۔ میں ابھی یہاں کھانا کھا کر پہنچا ہوں، بھائی اشرف کے گھر سے انہوں نے کباب بنائے تھے۔ میں نے کہا: ہمیں مت کھلاؤ، اسے پیک کرو۔ کہتا ہے: کیوں؟ میں نے کہا: وہ جو خوش ہوتی ہیں نا! ان کی خوشی یہی راز ہوتا ہے وہ کہیں گی کہ ہمارا خاوند کتنا اچھا ہے؟ خود نہیں کھائے ہمارے لیے لے کر آ گیا ہے۔ کچھ جملے ایسے ہوتے ہیں جو بیوی کا دل جیت لیتے ہیں اور بعض بیوی کے چھوٹے جملے خاوند کا دل جیت لیتے ہیں اور بعض جملے استاذ کا دل جیت لیتے ہیں اور بعض چھوٹے جملے شاگرد کا دل جیت لیتے ہیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے جملے بھی کہنا سیکھا کرو۔ اللہ ہمیں بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جنات اور آسیب سے حفاظت:

چلو خیر میں بات کر رہا تھا سورۃ البقرہ کے فضائل کیا ہیں؟ ایک فضیلت میں نے عرض کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس گھر میں سورۃ البقرہ کی تلاوت ہو اس گھر سے شیطان دوڑ جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سورۃ البقرہ میں دس آیات ایسی ہیں اگر آدمی سوتے وقت پڑھ لے تو نہ اس گھر میں شیطان آ سکتا ہے نہ اس گھر میں جن آ سکتا ہے نہ اس گھر میں رات کو مصیبت آ سکتی ہے۔ اگر مجنوں پر بھی یہ آیتیں پڑھ کر دم کر دی جائیں تو اللہ شفا دیتے ہیں۔ بتاؤ اس سے بڑی فضیلت کیا ہو سکتی ہے؟

سورۃ البقرہ کی دس منتخب آیات:

لیکن افسوس کہ آج کے مسلمان کو قرآن پر اعتماد نہیں رہا، خود پڑھو اور دم کرو لیکن اعتماد کے ساتھ۔ یہ آیتیں کون سی ہیں؟ چار آیتیں بالکل شروع میں اور تین درمیان میں ہیں۔ ایک آیت الکرسی اور آیت الکرسی کے بعد والی دو آیتیں، کتنی ہو گئیں؟ چار اور تین سات، اور تین سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں، یہ دس ہو گئیں۔

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے بعض اکابر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ بڑا ہی بد بخت آدمی ہو گا جو سوتے وقت سورۃ البقرہ کی دس آیتوں کی تلاوت نہ کرے۔ تو آج سے اہتمام کرو جن کو زبانی یاد ہے وہ زبانی پڑھ لیا کرو اور جن کو یاد نہیں ہے وہ سوتے وقت گھر میں پڑھ لیا کرو۔ اہتمام کر لو گے؟ یاد رکھو یہ چار آیتیں شروع میں ہیں، تین آیتیں درمیان میں ہیں یعنی ایک آیت الکرسی اور اس کے بعد کی دو آیتیں اور تین آیتیں بالکل آخر میں ہیں اس کو تلاش کرنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ اللہ ہمیں ان کو اہتمام کے ساتھ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اہتمام کر کے دیکھیں پھر دیکھیں نتیجہ کیسے نکلتا ہے اللہ ضرور نتیجہ عطا فرمائیں گے۔

سورۃ البقرہ کے اہم واقعات:

سورۃ البقرہ میں بعض واقعات اللہ نے اہمیت سے بیان فرمائے ہیں۔ میں ان میں سے صرف چار واقعات آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں تو چار واقعات کو ذہن نشین فرمالیں۔ قرآن کریم نے قصے اور واقعات ہمارا ایمان بچانے کے لیے بیان فرمائے ہیں اور عبرت کے لیے بیان فرمائے ہیں۔

بنی اسرائیل کے ایک مقتول کا واقعہ:

بنی اسرائیل میں ایک آدمی تھا، اس کا نام تھا عامیل۔ یہ بندہ قتل ہو گیا اور اس کا قاتل نہیں ملتا تھا اور قتل کی دو وجوہ لکھی ہیں۔ ایک وجہ یہ لکھی ہے کہ قاتل بھتیجا تھا اس نے اپنے چچا کو قتل کیا ہے اس کے پاس دولت تھی بھتیجے کو دیتا نہیں تھا اس وجہ سے اس کو قتل کیا ہے۔ دولت کو لوٹنے کے لیے اپنے چچا کو قتل کیا اور بعض کہتے ہیں رشتے کا مسئلہ تھا اس کو بیٹی نہیں دی اس وجہ سے قتل کیا ہے۔

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ ہم چاہتے ہیں قاتل کو تلاش کریں لیکن ہمیں قاتل ملتا نہیں ہے آپ اللہ سے پوچھ کر بتا دو تاکہ ہمیں قاتل کا پتا چلے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے گزارش کی کہ اے اللہ عامیل کے قاتل کا بتا دے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ان سے کہہ دو اگر تمہیں عامیل کا قاتل چاہیے تو ایک گائے لے لو اور اسے ذبح کرو، گائے کا ایک ٹکڑا کاٹو اور مقتول کے جسم کو لگالو تو اللہ مقتول کو زندہ کر دے گا اور یہ خود بتائے گا کہ میرا قاتل کون ہے؟

بے تکے سوالات اور خدائی مزاج:

اب بنی اسرئیل یہ سمجھتے تھے اگر ایسا کیا تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔ وہ چاہتے تھے یہ ڈرامہ بازی چلتی رہے۔ وہ اللہ کے نبی کو دھوکہ دیتے تھے وہ لوگ کہتے تھے اللہ

سے پوچھ کر بتاؤ وہ گائے کیسی ہو؟ چھوٹی ہو، بڑی ہو، جوان ہو، کس قسم کی ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے پوچھا اللہ نے کہا وہ گائے نہ بالکل بوڑھی ہو نہ بالکل جوان ہو اس کے درمیان ہو۔ پھر کہنے لگے اللہ سے پوچھو اس کا رنگ کس قسم کا ہو؟ اگر بنی اسرائیل گائے کو ذبح کرنا چاہتے ہیں تو زرد رنگ کی گائے ہو جو دلوں کو خوش کر دے، ایسی گائے تم لاؤ۔ پھر کہنے لگے ہمیں تھوڑا سا شبہ ہے کہ وہ گائے ہل چلاتی ہو یا نہ چلاتی ہو؟ وہ گائے کنویں سے پانی نکالتی ہو نہ نکالتی ہو کیسی گائے ہو؟ مزید وضاحت کریں۔

گائے کی تلاش اور قاتل کی پہچان:

پھر اللہ کی طرف سے وحی آ گئی کہ وہ گائے نہ زمین میں ہل چلاتی ہو اور نہ کھیتوں کو پانی دیتی ہو، ایسی گائے لاؤ۔ پھر گائے تلاش کی تو وہ گائے مل گئی۔ اور جس بندے کی گائے تھی اس نے کہا کہ ایک شرط پہ گائے دیتا ہوں گائے ذبح کرو اور چمڑے سے گوشت نکالو اور چمڑے کو سونے سے بھرو۔ اگر اتنا سونا مجھے دو گے تو میں گائے دوں گا ورنہ میں گائے نہیں دیتا۔ شرط لگ گئی پھر انہوں نے اس گائے کو خریدا اور اس کو ذبح کیا، اس کے چمڑے میں سونا بھر دیا، پھر اس بندے کو دیا۔ مقتول کے ساتھ ایک ٹکڑا لگایا پھر مقتول زندہ ہو گیا، اس نے کہا میرا قاتل یہ ہے اور پھر مر گیا۔

ماں کی خدمت کا صلہ:

اس کی بعض حضرات، علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے اور بعض مفسرین کرام رحمہ اللہ نے بڑی عجیب وجہ بیان کی ہے کہ یہ ایسے کیوں ہوا؟ یہ ایسے انہوں نے کیا نہیں تھا مگر یہ اللہ کی طرف سے کروایا جا رہا تھا۔ اصل میں ایک بہت غریب آدمی تھا جس نے اپنی ماں کی خدمت بہت کی تھی اس کی ماں نے اس کو دعا دی کہ اللہ تیرے مال میں وسعت دے اور برکتیں عطا فرمائے۔ اور وہ گائے کسی کے پاس نہیں ملتی تھی سوائے اس غریب کے جس نے ماں کی خدمت کی۔ اللہ نے اس کو ماں کی خدمت کا صلہ جوانی

اور زندگی میں دیا اور اتنی اہم گائے دی کہ ان سے سوالات ہوتے رہے اور گائے ان کی شرطوں کے مطابق یہی نکلی تو یہ اس کو ماں کی خدمت کا صلہ ملا۔

برکات کیسے حاصل ہو سکتی ہیں؟:

میں ایک بات عرض کرتا ہوں جو یہ چاہے کہ میری دولت میں برکت ہو وہ ماں باپ کی خدمت کرے اور جو چاہے میرے علم میں برکت ہو تو وہ اپنے استاذ کی خدمت کرے۔ استاذ کی خدمت کرنے سے علوم میں برکت آتی ہے اور ماں باپ کی خدمت کرنے سے دولت میں برکت آتی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ بندہ اپنے ماں باپ کو سہارا دے اور اللہ اس کو رسوا کر دے۔ اگر علم چاہتے ہیں تو استاذ کو سنبھال لیں اور اگر دولت چاہتے ہیں تو والدین کو سنبھال لیں دونوں کو چاہتے ہیں تو استاذ کو بھی سنبھال لیں اور والدین کو بھی۔ اللہ علم بھی عطا فرمادیں گے اور دولت بھی۔

میں تحدیث بالنعمۃ کے طور پر ایک بات عرض کرتا ہوں کہ میرے تمام اساتذہ میں سے کوئی ایک بھی استاذ ایسا نہیں ہے جو مجھ سے ناراض ہو یا ناراض ہو کر دنیا سے گیا ہو یا زندہ ہو اور اس وقت مجھ سے ناراض ہو۔ اگر کبھی طالب علمی میں کسی استاذ سے غلط فہمی تھی تو خدا گواہ ہے مسجد میں بیٹھا ہوں میں نے عالم بننے کے بعد جا کر اساتذہ کے پاؤں پکڑ پکڑ کر معافیاں مانگی ہیں کہ استاذ جی میں نے دین کا کام شروع کر دیا ہے بچپن میں کچھ غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ آپ شفقت فرمائیں اور دل سے ہمیں معاف کریں اور دعا دے کر میدان میں نکال دیں۔ آج ان اساتذہ کی دعاؤں کی برکت ہے ہم بیٹھے ہوئے دیہات میں ہیں اللہ کام پورے عالم میں پھیلا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے:

میرا بحرین کا سفر تھا آپ یقین کریں مجھے اتنا تعجب ہوا میں بتا نہیں سکتا۔ کبھی بنگلہ دیش کے علماء آرہے ہیں، کبھی انڈیا کے اور کبھی پاکستان کے آرہے ہیں۔ میں نے

کہا آپ مجھے کیسے جانتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ انٹرنیٹ پر آپ کے بیانات اور لٹریچر کو دیکھ کر اپنا عقیدہ محفوظ کر کے بیٹھے ہیں۔ آخری دن مجھے وہاں کمانڈو کا ایک انسٹرکٹر ملا تو کہنے لگا مولانا آپ میرا موبائل دیکھیں، اس موبائل میں آپ کی ویڈیو ہے۔ میرے جتنے کمانڈو شاگرد ہیں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس کے پاس آپ کے بیان نہ ہوں۔ اب افسوس ہے کہ ہمیں پتا اس وقت چلا جب آپ واپس جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے کام لیتے ہیں کہ بندہ تصور بھی نہیں کر سکتا اللہ تعالیٰ آپ کے علم اور آپ کی دولت میں برکتیں عطا فرمائیں۔

ہم برکت کی بات کرتے ہیں کثرت کی بات نہیں کرتے۔ یہ نہیں کہتے کہ اللہ تمہیں دو گاڑیاں دے ہم کہتے ہیں اللہ ایک دے لیکن اچھی دے۔ برکت اور کثرت تو میں آپ کو سمجھاتا رہتا ہوں۔ ایک روٹی ہو اور دس کو پوری ہو جائے اس کو برکت کہتے ہیں۔ اور دس روٹیاں ہوں ایک کو پوری نہ ہوں اس کو کثرت کہتے ہیں۔ تو مال کثرت والا چاہیے یا برکت والا چاہیے؟ برکت والا۔

بادشاہ طالوت کی نشانی:

دوسرا واقعہ حضرت طالوت کا ہے یہ واقعہ بڑا اہم ہے مسئلہ کیا تھا؟ حضرت شموئیل علیہ السلام اللہ کے نبی تھے۔ بنی اسرائیل پر بڑا ظلم ہوا ان کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے وہ غلامی میں گئے، تو انہوں نے اپنے نبی حضرت شموئیل علیہ السلام سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہمارا کوئی ایک بادشاہ مقرر کریں ہم اس بادشاہ کے ساتھ ملیں اور جہاد کریں اور قوم سے آزادی حاصل کریں۔ حضرت شموئیل علیہ السلام نے کہا اللہ نے فیصلہ فرمایا ہے کہ بادشاہ ہم تمہیں دیتے ہیں اور بادشاہ کا نام طالوت ہو گا۔ اس کو بادشاہ بناؤ اور اس کی کمان میں آپ جہاد شروع کرو۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے طالوت غریب آدمی تھے قوم نے اس کو بادشاہ ماننے سے انکار کر دیا۔

یہ غریب آدمی ہے ہم اس کو کیسے مانیں؟ ہمیں ایسا بندہ چاہیے جس کے پاس دولت ہو وہ بڑا آدمی ہو۔ اس غریب اور فقیر کو کون مانتا ہے؟ شموئیل علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے اس کو علم بھی عطا فرمایا ہے اور جسمانی وجاہت بھی عطا فرمائی ہے۔ اس کا حق ہے کہ تم اس کو باشاہ مان لو۔ وہ قوم بڑی عجیب تھی، پھر انہوں نے کہا چلو ہم اس کو بادشاہ مانتے ہیں لیکن ایسا کریں اس کی بادشاہت کی نشانی یا علامت بتا دیں دیکھو عجیب سوال ہے نبی بات کہہ رہا اور قوم کہہ رہی ہے اللہ کی طرف سے نشانی بھی دے دو۔ شموئیل علیہ السلام نے کہا کہ چلو ہم نشانی بتا دیتے ہیں۔

نشانی یہ تھی کہ گزشتہ بنی اسرائیل کے انبیاء کے تبرکات پر مشتمل ایک صندوق تھا کسی نبی کا عصا ہے، کسی نبی کی پگڑی ہے اور کسی کا کوئی اور سامان۔ جب بھی بنی اسرائیل والے اس صندوق کو لے کر جہاد میں جاتے تو اللہ اس صندوق کی برکت کی وجہ سے ان کو فتح عطا فرماتے۔

وسیلہ کا ثبوت اور جائز ہونا:

اس صندوق کی برکت کی وجہ سے اللہ فتح عطا فرماتے مگر آج لوگ کہتے ہیں کہ ولی کا وسیلہ جائز نہیں ہے اور قرآن میں تو صندوق کا وسیلہ بھی ثابت ہے۔ لوگ کہتے ہیں ولی کا وسیلہ جائز نہیں ہے۔ ارے ان کے تبرک دیکھیے صندوق کی برکت سے اللہ ان کو فتح دیتے ہیں۔ بتائیں وسیلہ کہتے کس کو ہیں؟ ہمیں سمجھ نہیں آتی۔

میرے پاس ایک ساتھی آیا کہ بڑا اہم مسئلہ ہے مولانا! مجھے وہ کہنے لگا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی کا وسیلہ بھی جائز ہے، زندہ ولی کا وسیلہ بھی جائز ہے اور جو فوت ہو گیا اس کا وسیلہ جائز نہیں ہے۔ میں نے کہا آپ مجھے یہ بتائیے جو زندہ ہے اس کا وسیلہ کیوں جائز ہے؟ کہتا ہے بہت نیک آدمی ہے۔ میں نے کہا جو فوت ہو گیا وہ برا ہو گیا؟ جو زندہ ہے اس پر تو شک ہے اس کا خاتمہ ایمان پر ہو گا یا نہیں ہو گا؟ اور جس ولی

کا ایمان پر خاتمہ ہو گیا اس کا ولی ہونا تو یقینی ہے۔ جس کا ایمان پر مرنا مشکوک ہے اس کا وسیلہ جائز ہے جس کا ایمان پر مرنا یقینی تھا اس کا وسیلہ کیسے ناجائز ہے؟ میں نے کہا کہ بتاؤ کوئی مشکل بات ہے؟ تو کہنے لگا نہیں۔ میں نے کہا اتنی سی بات ہے لوگوں نے آپ کو دھوکے میں ڈالا ہوا ہے۔

برکت والا صندوق:

خیر میں بات کر رہا تھا کہ اس وقت کا بادشاہ جو ان پر ظلم کرتا تھا اس کے پاس یہ صندوق تھا لیکن وہ بادشاہ ظالم تھا۔ لیکن ہوا یہ کہ وہ جہاں رکھتے وہاں وبا پھیلتی۔ جس بستی میں رکھتے وہاں بیماری پھیل جاتی انہوں نے وہ صندوق ایک بیل گاڑی میں رکھا اور جنگل کی طرف ہانک دیا اور بیل ان کے صندوق کو لے کر چلے گئے۔ اور جو ظالم بادشاہ تھا اس کی بستیاں وبا سے محفوظ رہیں۔ اصل میں تو اللہ نے ان کو دینی تھی۔

توجب وہ بیل اس صندوق کو لے کر دوڑے اور حضرت طالوت کے گھر کے سامنے کھڑے ہو گئے تو اللہ کے نبی نے کہا:

﴿وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾﴾

تم نے نشانی مانگی تھی اللہ نے یہ نشانی عطا فرمادی یہ دیکھو اس کو فرشتے اٹھا کر پھرتے ہیں اور یہ تمہارے گھر پہنچ گیا ہے۔ یہ طالوت کی نشانی ہے وہ برکت والا صندوق تمہیں اس کے پاس ملے گا وہ طالوت کے پاس ملا۔

جالوت سے مقابلہ اور خدائی امتحان:

وہ جہاد کے لیے نکلے مقابلے کے لیے جو بادشاہ تھا اس کا نام جالوت تھا بہت

ظالم تھا اور طالوت بہت نیک تھے ان کے ساتھ اسی ہزار آدمی جہاد کے لیے نکلے۔ لیکن اللہ نے امتحان لینا تھا کہ ان میں کھرے کتنے ہیں اور کھوٹے کتنے ہیں؟ راستے میں نہر آگئی طالوت نے فرمایا دیکھو اللہ تمہارا امتحان لے گا جس آدمی نے اس نہر سے پانی پیا وہ ہمارے ساتھ نہیں چل سکتا۔ اس کو پیاس لگے گی کمزور ہو جائے گا۔ حالانکہ پانی پینے سے پیاس بجھتی ہے لیکن تم پانی پیو گے تو پیاس بڑھ جائے گی۔ اگر چُلو بھر تھوڑا بہت پی لو پھر خیر ہے، گنجائش ہے۔

مان کر چلنے والے غالب رہتے ہیں:

اسی ہزار آدمیوں میں سے سب نے پانی پی لیا سب کو پیاس لگ گئی۔ کوئی جہاد کے قابل نہ رہا صرف تین سو تیرہ بچے طالوت اور نبی شموئیل علیہ السلام تین سو تیرہ کو لے کر چل پڑے اور ساتھ یہ اعلان کیا: ﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ زیادہ کو نہیں دیکھتے اللہ ایمان کو دیکھتے ہیں ایمان والے تھوڑے بھی ہوں تو زیادہ پر غالب آجاتے ہیں۔

داؤد علیہ السلام کی جہاد میں شمولیت:

یہ تین سو تیرہ جالوت کے مقابلے میں نکلے جالوت ظالم بھی تھا اور بہادر بھی۔ وہ ایسا آدمی تھا جو مقابلے میں اکیلا نکلا۔ اس نے کہا کہ پہلے میں اکیلا تم سب سے لڑوں گا، پھر میری فوج آئے گی۔ شموئیل علیہ السلام اللہ کے نبی تھے انہوں نے داؤد علیہ السلام کے والد سے کہا، داؤد کے والد بھی جہاد میں تھے اور داؤد علیہ السلام چھوٹے بچے تھے یہ بھی جہاد میں تھے۔ شموئیل علیہ السلام نے کہا تم اپنے بیٹے لاؤ تو داود علیہ السلام کے والد اپنے چھ بیٹے لائے۔ شموئیل علیہ السلام نے پوچھا کہ ساتواں بیٹا کیوں نہیں لائے؟ والد نے کہا کہ ان کی عمر ابھی تھوڑی تھی اور قد بھی چھوٹا تھا۔ انہوں نے

کہا کہ نہیں تم ساتواں بیٹا بھی لاؤ بہر حال داؤد علیہ السلام آئے۔ شموئیل علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا تم جہاد میں جاؤ گے؟ انہوں نے کہا جی ہاں جاؤں گا شموئیل علیہ السلام نے کہا چلو تم یہ تلوار لو اور جہاد میں نکلو۔

جالوت کی شکست:

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جب داؤد علیہ السلام گزرے تو ابھی بچے تھے راستے میں تین پتھر ملے ان پتھروں نے بول کر کہا آپ ہمیں لے جاؤ جالوت کو ہم ماریں گے۔ اللہ نے پتھروں کو گویائی عطا فرمائی۔ داؤد علیہ السلام نے ان کو لیا اور سامنے جالوت نکلا پورا جسم لوہے میں چھپا ہوا تھا صرف اس کا ماتھا خالی تھا۔ داؤد علیہ السلام نے فلافن کو گھما کر جب پتھر مارے تو وہ اس کے ماتھے پر لگے اور اور پیچھے سے نکل گئے۔ جالوت گر گیا۔ خدا نے ان کو فتوحات عطا فرمائیں۔ [33]

اللہ جب فتح دینے پر آئیں تو اللہ اسباب کا پابند نہیں ہے بغیر اسباب کے فتوحات عطا فرما دیتے ہیں۔

مناظرے کا ثبوت:

تیسرا واقعہ حضرت ابرہیم علیہ السلام کا ہے۔ یہ بالکل تیسرے پارے کے شروع میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا

33۔ تفسیر عثمانی: ج1 ص156

يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۵۸﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ ہوا۔ اس مناظرے کو اللہ پاک نے قرآن پاک میں ذکر فرمادیا۔ میں ان حضرات سے کہتا ہوں کہ جو مناظروں کی مخالفت کرتے ہیں کہ وہ قرآن کی اس آیت کو سنیں، کیا تم قرآن کی اس آیت کو قرآن سے نکال دوگے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مناظرانہ گرفت:

ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کی گفتگو اس پر ہوئی کہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا دیکھو میں تمہیں خدا نہیں مانتا نمرود کا مزاج یہ تھا جو بھی اس کے دربار میں آتا تو سجدہ کرتا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میں تجھے سجدہ نہیں کرتا، نمرود نے پوچھا کیوں نہیں کرتے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہیں خدا مانوں تو سجدہ کروں میں نہ تمہیں خدا مانتا ہوں نہ تمہیں سجدہ کرتا ہوں۔

نمرود نے پوچھا کہ کیوں نہیں مانتے؟ تو ابراہیم علیہ السلام نے دلیل دی کہ خدا وہ ہوتا ہے جو زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے تو نہ زندہ کرسکتا ہے نہ مار سکتا ہے۔ نمرود بد دماغ آدمی تھا اس نے دو قیدی لیے ایک جس کے لیے بری ہونے کا فیصلہ تھا بے قصور تھا اس کو قتل کردیا اور جو قصوروار تھا اس کو آزاد کردیا۔ اس نے کہا کہ دیکھو میں نے زندہ کردیا اور ماردیا ہے نمرود بد دماغ تھا وہ موت اور حیات کا معنیٰ نہیں سمجھتا تھا۔ اگر اس کو موت اور حیات کا معنی سمجھ آتا تو کیا وہ اس دھوکے میں پڑتا؟ ایک کو مارنا اور دوسرے کو آزاد کردینا اس کا نام موت اور حیات نہیں ہوتا۔

مخاطب کی عقل کے مطابق گفتگو:

عدم سے وجود اس کا نام حیات ہے اور وجود سے عدم اس کا نام موت ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دلیل نہیں بدلی بلکہ دلیل کا رخ بدل دیا کیونکہ نمرود نے

بات ایسی کی کہ جیسے آدمی عوام کے اعصاب پر چھا جائے۔ بعض لوگ ایسی بات مجمع میں کہتے ہیں کہ عوام اس بات سے بہت متاثر ہوتی ہے پھر بات کو سمجھانے کے لیے مناظر کو ایسا رخ اختیار کرنا پڑتا ہے کہ لوگ اس کے دھوکے میں نہ آئیں۔ میں اس کی چھوٹی سے مثال دیتا ہوں۔

مناظرے میں بیدار مغزی:

علامہ خالد محمود دامت برکاتہم جو مسلک دیوبند کے بہت بڑے عالم ہیں ان کا مناظرہ ہوا مرزائیوں سے اور مناظرہ ہوا لاہور میں بریلویوں کی مسجد میں جس کے ساتھ اصل مناظرہ تھا وہ مناظر موقع پر تشریف نہ لا سکے بیمار ہونگے یا کوئی اور وجہ بن گئی ہوگی۔ تو ایمرجنسی میں علامہ خالد محمود صاحب کو مناظرے کے لیے بلایا گیا اور علامہ صاحب تشریف لے آئے جب مناظرہ شروع ہوا تو علامہ خالد محمود صاحب نے مرزا غلام احمد قادیانی کی کتاب "ازالۃ الاوھام" کے حوالے دے کر مرزا کے خلاف دلیل پیش کی مرزائی مناظر بہت چالاک تھا وہ مناظر کہنے لگا کہ علامہ صاحب آپ نے شرطیں نہیں پڑھیں؟ علامہ صاحب نے شرطیں پڑھی بھی نہیں تھیں وہ تو اچانک آئے تھے۔ لیکن اگر مناظر کہہ دے کہ نہیں پڑھیں تو اس کے پلے کیا رہ جائے گا۔ وہ کہنے لگا کہ علامہ صاحب آپ نے شرطیں نہیں پڑھیں۔

اب اگر علامہ صاحب کہیں کہ میں نے پڑھی ہیں تو جھوٹ تھا اور اگر کہتے ہیں کہ میں نے نہیں پڑھیں تو وہ کہتا کہ مولوی صاحب پہلے آپ شرطیں پڑھو پھر مناظرہ کرو، پھر بے عزتی ہونی تھی۔ اس لیے علامہ صاحب نے جواب دیا کہ کون سی شرط ہے جس کی میں نے مخالفت کی ہے؟ نہ تو یہ کہا کہ میں نے نہیں پڑھی اور نہ یہ کہا کہ میں نے پڑھی ہیں۔ مرزائی مناظر کہنے لگا کہ شرائط میں لکھا ہوا ہے کہ بات قرآن وحدیث سے کریں گے اور آپ نے حوالہ "ازالۃ الاوھام" کا دیا ہے جو غلام احمد

قادیانی کی ہے نہ آپ نے قرآن پیش کیا اور نہ آپ نے حدیث پیش کی ہے، آپ نے شرط کو چھوڑ دیا ہے۔ علامہ صاحب فرمانے لگے اگر مرزا نبی ہے تو یہ حدیث کی کتاب ہے اور اگر یہ حدیث نہیں تو مرزا نبی نہیں، میں نے تو شرط کی مخالفت نہیں کی۔ مناظر چپ ہو گیا لیکن تھا تو مناظر اس سے جواب نہیں بنا خاموش تو اس نے نہیں ہونا تھا۔

یا اللہ...یا محمد:

اس نے پینترا بدلہ علامہ صاحب آپ ہمیں کافر کہتے ہو یہ دیکھو اوپر کیا لکھا ہوا ہے ہمیں کافر کہتے ہو اور کن کی مسجد میں ہم سے مناظرہ کرتے ہو۔ علامہ صاحب نے کہا کیا لکھا ہوا ہے کہتا ہے یا اللہ یا محمد یہ شرک نہیں؟" مشرکاں دی مسیت وچ ساڈے نال مناظرہ کر دے او" (مشرکوں کی مسجد میں ہمارے ساتھ مناظرہ کرتے ہو؟) اب بتائیں کیسا وار تھا؟ دیوبندی بریلوی کی لڑائی شروع ہو جانی تھی جنگ مرزائی کی ہے اور اس نے بریلویوں اور دیوبندیوں والی جنگ شروع کروادی۔ علامہ صاحب نے سوچا کہ دیوبندی بریلوی کی جنگ نہیں ہونے دینی۔ علامہ صاحب فوراً فرمانے لگے تم یہ بتاؤ کہ اس مجمع میں کتنے لوگ ہیں جو حج پر گئے ہیں؟ پانچ سات آدمی کھڑے ہو گئے کہا کہ کتنے لوگ ہیں جو عمرے پر گئے ہیں اب دس بارہ اور بھی کھڑے ہو گئے۔ پوچھا کہ کیا آپ نے جدہ میں "یا اللہ یا محمد" لکھا دیکھا ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں، آپ نے مکہ مکرمہ میں دیکھا ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ مدینہ منورہ میں دیکھا ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔

مناظر سمجھ دار ہونا چاہیے:

علامہ صاحب فرمانے لگے اگر یہ "یا" عربی کا ہوتا تو جدہ میں لکھا ہوتا عربی کا ہوتا تو مکہ میں لکھا ہوتا عربی کا ہوتا تو مدینہ میں لکھا ہوتا، او کافر یہ "یا" عربی کا نہیں ہے پنجابی کا ہے۔ انہاں نے لکھیا اے یا اللہ نوں مندے آں یا محمد نوں مندے آں مرزا

قادیانی نوں نہیں مندے، اے تیرے پیو تے انہاں نے کفر دی مہر لائی اے۔ (انہوں نے لکھا ہے ہم اللہ کو مانتے ہیں یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں۔ مرزا ملعون کو نہیں مانتے۔ یہ تو انہوں نے تیرے باپ مرزا ملعون کے کفر پر مہر لگائی ہے) اب دیکھو اپنی لڑائی کو بچا لیا اور اصل لڑائی پر کھڑے ہیں۔ یہ مناظر کا کام ہوتا ہے کہ میں نے بات کیسے سمجھانی ہے؟

نمرود کی شکست اور حق کی فتح:

ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ تھا ابرہیم علیہ السلام نے فرمایا اللہ وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تو اس نے کہا کہ یہ کام تو میں بھی کرتا ہوں اب دیکھو عوام پر رعب پڑ گیا؟ اب ابراہیم علیہ السلام نے دلیل نہیں بدلی بلکہ دلیل کا رخ بدلا دلیل یہ تھی کہ اللہ وہ ہوتا ہے جو عدم سے وجود میں لائے اور جو وجود کو عدم دے یہ خدا ہے اس کی مثال دی کہ میرا خدا زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فوراً رخ بدلا اور فرمایا:

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ﴾

خدا وہ ہے جو سورج مشرق سے لاتا ہے اگر تو خدا ہے تو مغرب سے لا!، ﴿فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ؕ﴾ اب وہ بالکل خاموش ہو گیا اور اس دلیل کا کوئی جواب نہ دے سکا۔

غیر اللہ کے نام کی منت:

ایک بات اور سمجھیں کہ غیر اللہ کے نام کی منت ماننا ٹھیک نہیں ہے، میں کراچی پڑھتا تھا وہاں ہمارے ایک استاذ تھے مولانا عالم خان صاحب، پٹھان تھے اللہ ان کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ پٹھان کا علم پٹھانوں والا ہوتا ہے ہمیں سبق

پڑھا رہے تھے سبق میں کہتے ہیں: اگر تم دیکھو کوئی قبر کو پوجتا ہے، بتوں کو پوجتا ہے، اپنے بیٹے کا نام رکھتا ہے پیراں دِتہ۔ پوچھو کہ پیراں دتہ نام کیوں رکھا؟ تو کہتا ہے بیس سال ہوگئے شادی کو نماز پڑھی ہے، عمرے کیے ہیں، منتیں مانی ہیں، بیٹا نہیں ملا۔ مٹھے شاہ معصوم دی منت مانی ہے تو بیٹا مل گیا ہے اس لیے میں نے نام اللہ دتہ نہیں رکھا بلکہ پیراں دتہ رکھا ہے۔

پیراں دتہ یا اللہ دتہ؟

استاذ عالم خان صاحب عجیب بات فرمانے لگے کہ اس مشرک کو وہ دلیل دو جو ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو دی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: دیکھو دو راستے ہیں ایک مشرق اور ایک مغرب کا خدا مشرق سے لاتا ہے اگر تو خدا ہے تو تو مغرب سے لا۔ اس مشرک سے کہو کہ دو راستے ہیں؛ ایک پاخانے کا اور ایک اولاد کا اللہ نے اولاد کا راستہ بنایا ہے۔ اگر خدا نے نہیں دیا تو پھر پیر سے کہو تو راستہ بدل کے دے۔ اگر بچہ راستہ بدل کے آئے تو پیراں دتہ، اگر اسی راستے سے آئے تو اللہ دتہ ہے۔ آپ کہیں گے کہ مولوی صاحب نے یہ کیسی دلیل دی ہے؟ لیکن ہم نے آپ کو مسئلہ سمجھانا ہے یہ وہ دلیل ہے جس کا کوئی جواب نہیں ہے۔

موت کے بعد زندہ ہونا:

ابراہیم علیہ السلام کا ایک واقعہ اللہ نے یہ بیان فرمایا۔ ایک آیت چھوڑ کر پھر دوسرا واقعہ بیان کیا ہے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اللہ سے عرض کیا اے اللہ میں جانتا ہوں آپ زندہ بھی کرتے ہیں اور مارتے بھی ہیں۔ زندگی بھی آپ دیں گے اور موت بھی آپ دیں گے۔ لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں کہ آپ قیامت کو بندے کیسے زندہ کریں گے؟ اللہ نے پوچھا: ﴿اَوَ لَمۡ تُؤۡمِنۡ﴾ تجھے یقین

نہیں؟ تو فرمایا: ﴿بَلٰی﴾ کیوں نہیں یقین تو ہے، ﴿وَلٰکِنۡ لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ﴾ لیکن آنکھوں سے دیکھ لوں گا تو میرا دل مطمئن ہو گا کہ اللہ آپ کیسے زندہ فرمائیں گے؟ فرمایا کہ چار پرندے لے لو کبوتر، کوا، مرغ، مور یہ چار پرندے تھے ان چار پرندوں کا چمڑا اتارو سر الگ کرو دھڑ الگ کرو ٹانگیں الگ کرو ان کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دو اور یہ چار پہاڑ ہیں ایک پر ان کے سر رکھو، اور ایک پر ان کی ٹانگیں رکھو اور ایک پر ان کے پر رکھو۔ لیکن ذبح کرنے سے پہلے چند دن پرندوں کو اپنے پاس رکھنا ان کو مانوس کر لینا ابراہیم علیہ السلام نے رکھ دیا اب فرمایا ذرا درمیان میں کھڑے ہو کر پکارو پھر دیکھو کیسے آتے ہیں۔ انہوں نے ایک کو آواز دی مثلاً کبوتر کو۔ پہلے اس کا سر اٹھا پھر اس کا دھڑ اٹھا پھر اس کی ٹانگیں آئیں پھر اڑتا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا۔ فرمایا کہ ہم اسی طرح قیامت کو لے آئیں گے۔

قبر کا مفہوم کیا ہے؟

اس سے یہ بات سمجھیں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جہاں مردہ دفن ہو وہ قبر ہے۔ اچھا یہ بتائیں جو آدمی سمندر میں جائے اور جسم گل جائے اس کی قبر کون سی ہے؟ اگر کسی کو جلادیں اور جلا کر راکھ کر دیں اس کی قبر کون سی ہے؟ اگر کسی کو جانور کھا لے تو اس کی قبر کون سی ہے؟ ہم نے کہا کہ قبر اس کو کہتے ہیں جہاں میت یا میت کے اجزاء ہوں یہ ساری ان کی قبر ہے۔ اب دیکھو سر، دھڑ، ٹانگیں الگ الگ پڑے تھے اللہ نے ان کو جمع کیا کہ نہیں؟ چاروں اجزاء کا آپس میں رابطہ موجود ہے۔ ایک کو آواز دی ہے تو چاروں جگہ سے جسم کے اعضاء جمع ہونا شروع ہو گئے بالکل اسی طرح جہاں آدمی کی میت کے اجزاء تحلیل ہو کر پورے پانی میں بکھر گئے ہیں یہ ساری اس کی قبر ہے۔ اللہ تمام اجزاء سے روح کا تعلق جوڑ دیتے ہیں نیک ہیں تو جنت کا مزہ دیتے ہیں اور بد کردار ہے تو جہنم کا عذاب دیتے ہیں۔ اللہ قادر ہیں یا نہیں؟ (بے شک قادر ہے)

توحیدی کون ہو سکتا ہے؟

ایک آدمی کہنے لگا کہ اس طرح نہیں ہو سکتا تو میں نے کہا کہ تُو توحیدی کیسے ہے؟ میں نے کہا کہ توحیدی تو ہم ہیں اجزاء دنیا میں پھیل گئے ہیں ہم کہتے ہیں خدا ہر جز سے روح کا تعلق جوڑ کر عذاب، ثواب دیتا ہے۔ توحیدی ہم ہیں یا تو ہے؟ جو خدا کی قدرت نہ مانیں کیا وہ کبھی توحیدی ہو سکتا ہے؟ قدرت بھی نہیں مانتا اور کہتا ہے کہ توحید۔ یہ کیسی توحید ہے؟ تم کیسی توحید لیے پھرتے ہو؟

اللہ کیسے زندہ کریں گے؟

چوتھا واقعہ حضرت عزیر علیہ السلام کا تیسرے پارے میں ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام بخت نصر بادشاہ کے دور میں تھے۔ وہ بہت ظالم بادشاہ تھا اس نے بنی اسرائیل کو قید کیا، توراۃ کو جلا دیا اور عزیر علیہ السلام اس کی قید میں تھے۔ عزیر علیہ السلام اس کی قید سے رہا ہوئے اور رہا ہو کر جا رہے تھے ایک جگہ بستی سے گزرے اور پوری بستی تباہ شدہ تھی۔ عزیر علیہ السلام نے دیکھا تو پوچھا:

﴿اَنّٰى يُحۡىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعۡدَ مَوۡتِهَا﴾

اللہ یہ بستی تباہ و برباد ہے آپ اس کو زندہ کیسے کریں گے؟ یہ مسئلہ سمجھنے کے لیے اللہ سے سوال کیا۔

100 سال کی موت اور پھر زندگی:

حضرت عزیر علیہ السلام گدھے پر سوار تھے روٹی ان کے پاس تھی۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ خشک روٹی تھی اور اوپر انگور لیے انگور کا شیرہ ان پر نچوڑا اور اس کو کھانے لگے اس حالت میں اللہ سے سوال کیا وہیں پر اللہ نے موت دے دی۔ روٹی بھی پڑی ہے ساتھ گدھا بھی ہے اور عزیر علیہ السلام خود بھی ہیں۔

سو سال اسی طرح گزر گئے پھر اللہ نے اٹھایا، ﴿فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ﴾ اللہ نے پوچھا عزیر علیہ السلام بتاؤ کتنا عرصہ ٹھہرے؟ انہوں نے کہا: ﴿لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ اللہ ایک دن یا دن کا بعض حصہ ہے ٹھہرا ہوں اس لیے کہ جس وقت وہ فوت ہوئے تو صبح تھی اور جب اٹھے تو شام تھی۔

100 سال بعد کھانے پینے کی اشیاء:

اب ان کے ذہن میں تھا کہ اگر آج ہی اٹھا ہوں تو دن کا بعض حصہ ہے اگر کل سویا آج اٹھا ہوں تو پورا دن گزر گیا ہے۔ اللہ نے فرمایا: ﴿بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ﴾ آپ سو سال تک اس حالت میں ٹھہرے، ﴿فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ﴾ عزیر آپ اپنے کھانے کو دیکھو بغیر فریج کے صحیح پڑا ہوا ہے اور سو سال گزر گئے تم اپنا مشروب دیکھو اسی طرح پڑا ہے۔

مردوں کو بھی اللہ زندہ کریں گے:

اب ذرا اپنے گدھے کو دیکھو، ﴿وَ انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ﴾ فرمایا دیکھو اب گدھے کی ہڈی آئی ہے پھر گدھے کی ہڈی پر گوشت چڑھا پھر اس پر کھال چڑھی ہے گدھا بالکل آواز دیتا ہوا۔ شاہ عبد القادر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ گدھا ہنہناتا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا۔ پھر فرمایا: جیسے ہم نے گدھے کو زندہ کیا ہے اسی طرح کل قیامت کے دن مردوں کو اٹھائیں گے۔

قوم نے عزیر علیہ السلام کی پہچان کیسے کی؟

عزیر علیہ السلام اٹھے اور اپنے علاقے میں گئے تو لوگوں نے ان کو پہچانا

نہیں۔ سو سال پورا گزر گیا بابا اب کون پہچانے؟ نسل ہی بدل گئی کہا میں عزیر ہوں تمہارا آدمی ہوں تو انہوں نے کہا کیا نشانی ہے؟ کیونکہ ساری تورات کی کتابیں جلا دیں تھیں اور عزیر علیہ السلام تورات کے حافظ تھے کہا لو میں تمہیں تورات سناتا ہوں۔ جب پوری تورات زبانی سنائی تو لوگوں کو یقین آگیا کہ یہ وہی عزیر نبی ہے جو سو سال پہلے تھا تورات تو اب ہے ہی نہیں تو یہ تورات کا حافظ آخر کہاں سے آگیا؟

وفات کے بعد زندگی اور سننا:

اس سے ایک چھوٹی سی بات ذرا سمجھیے جو لوگ بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں۔ میں مسئلہ صاف کرتا ہوں بعض لوگ کہتے ہیں نبی قبر میں ہو اور نبی کو قبر میں آواز دو، درود سلام پڑھو تو نبی نہیں سنتا۔ دلیل کیا ہے؟ ہم کہتے ہیں اللہ کے نبی قبر میں زندہ ہیں وہ کہتے ہیں نبی قبر میں زندہ نہیں۔ توجہ رکھو وہ دلیل میں اس واقعہ کو پیش کرتے ہیں کہ عزیر علیہ السلام سو سال تک اس حالت میں رہے جب سو سال بعد اللہ نے کھڑا کیا تو اللہ نے پوچھا: ﴿كَمْ لَبِثْتَ﴾ کتنا عرصہ ٹھہرے ہو؟ انہوں نے جواب دیا ﴿لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ اگر زندہ ہوتے تو ان کو پتا نہ ہوتا؟ سوال سمجھ گئے؟ زندہ ہوتے تو ان کو پتا ہوتا ان کو پتا نہ چلنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ زندہ نہیں ہیں۔ اب اس پر لوگ پریشان ہوتے ہیں کہ جی علامہ صاحب نے تو بڑی دلیل دی ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی موت پر۔ میں نے کہا اچھا یہ بتاؤ قرآن پاک میں اصحاب کہف کا واقعہ ہے وہ کتنے سال سوئے رہے؟ تین سو نو سال۔ کتنے سال؟ تین سو نو سال۔ جب اٹھے نا تو اللہ نے فرمایا: ﴿كَمْ لَبِثْتُمْ﴾ ہاں بھئی کتنا عرصہ سوئے ہو؟ انہوں نے کہا: ﴿لَبِثْنَا

يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ﴾[34]

دن یا دن کا بعض حصہ وہ سوئے تھے یا موئے؟ بولو نا! (سوئے)۔ قرآن کہتا ہے: ﴿وَتَحۡسَبُهُمۡ اَيۡقَاظًا وَّهُمۡ رُقُوۡدٌ﴾[35]

وہ تو سوئے پڑے تھے وہ تو مردہ نہیں تھے اان کو پتا کیوں نہیں چلا۔ سمجھیے کہتے ہیں عزیر علیہ السلام زندہ نہیں تھے اگر زندہ ہوتے پتا چل جاتا تو اصحاب کہف تو زندہ تھے نا۔ جب اٹھے تھے ان کو پتا نہ چلا اگر پتا نہ چلنا دلیل موت ہوتی تو اصحاب کہف کو سویا نہ کہتے اصحاب کہف کو مویا کہتے۔

عدمِ علم کا عقلی جواب:

میں آپ میں سے کسی بندے سے پوچھوں اچھا آپ بتائیں درس قرآن شروع ہوئے کتنے منٹ ہوئے ہیں؟ تو آپ کو پتا نہ ہو تو کیا یہ مردہ ہونے کی دلیل ہے؟ میں ایک اور جواب دیتا ہوں سنیں، آپ کو لطف آئے گا۔ ایک یہ عالم ہے ایک وہ عالم ہے بات سمجھنا، دونوں میں فرق کیا ہے: ﴿كَاَلۡفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ﴾[36]

ایک وہ جہاں ایک یہ جہاں:

قرآن میں ہے کہ اس عالم کا ایک دن ہو تو یہاں کے ہزار دن بنتے ہیں۔ بات سمجھیں اس عالم کا ایک دن اس عالم کے ہزار دن کے برابر ہے۔ اِس جہان کا ایک دن تو اُس جہان کے ہزار دن بنتے ہیں۔ عزیر علیہ السلام کتنا عرصہ ٹھہرے؟ 100 سال۔ کتنا بنا؟ ایک تو نہیں بنا، اللہ پوچھتا ہے: ﴿كَمۡ لَبِثۡتَ﴾ عزیر علیہ السلام کتنا عرصہ ٹھہرے

34۔ الکہف 19:18

35۔ الکہف 18:18

36۔ الحج 47:22

ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ﴿لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ اللہ! میں دن کا کچھ حصہ ٹھہرا ہوں۔ فرمایا نہیں نہیں! وہاں کی بات نہیں ہے ہم یہاں کی پوچھتے ہیں یہاں کا 100 بنتا ہے وہاں کا بعض بنتا ہے۔ نہیں سمجھے یہ جواب ٹھیک ہے یا غلط ہے؟ ﴿بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ﴾ یہاں کا 100 وہاں کا بعض ہے۔ پتا کیسے نہیں چلا بتا تو دیا ہے۔ سمجھ آئی آپ کو؟ میں اس لیے کہتا ہوں کہ ان دلائل کی آپ قیمت جانا کرو پھر ان کو سنبھال کر رکھا کرو۔ یہ حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ ہے۔

خلاصہ واقعات:

تو کتنے واقعات ہیں؟ چار

1. بقرہ کا
2. طالوت علیہ السلام کا۔
3. سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا۔
4. حضرت عزیر علیہ السلام کا۔

اب میں کچھ مسائل عرض کرتا ہوں بڑے اختصار کے ساتھ

اللہ کا قادر ہونا اور بندے کا عاجز ہونا:

بندے کا عاجز ہونا اور خدا کا قادر ہونا ہے۔ یہ کہاں پر ہے؟ ﴿الٓـمّٓ﴾ میں۔

قرآن کریم کا متن سورۃ الفاتحہ ہے اور سورۃ البقرہ سے لے کر آخر سورۃ الناس تک ایک سو تیرہ سورتیں پورے قرآن کریم کی شرح ہے۔ جب شرح ہوئی ہے تو فرمایا ﴿الٓـمّٓ﴾ سے شروع کرو اس کا معنیٰ کسی کو بھی نہیں پتا سوائے اللہ کی ذات کے۔ اللہ نے بتا دیا دیکھو تمہارا علم اتنا ہے تمہیں الف کا معنیٰ بھی نہیں آتا۔ تمہارا علم اتنا ہے تمہیں لام کا معنیٰ بھی نہیں آتا۔ کس بات پر اکڑتے ہو؟ اور تمہیں میم کا معنیٰ نہیں

آتا اگر قرآن سمجھنا ہے تو پہلے یہ بات مانو کہ ہم عاجز ہیں اور تو قادر ہے، پھر تمہیں دین سمجھ آئے گا۔ ﴿الٓمٓ﴾ یہ قرآن کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس میں بندے کا عاجز ہونا اور خدا کا قادر ہونا سمجھایا ہے۔

دفاع صحابہ پر دلیل:

اس میں دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم ہے آپ بیانات سنو دفاع صحابہ پہ یہ دلیل شاید کوئی پیش کرے گا۔ ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾

میں کبھی احباب سے کہتا ہوں کہ بھائی ہم سے لڑائی مول نہ لو، ہم سے دفاع صحابہ سنو، دفاع صحابہ کے دلائل ہم سے لو، پھر دیکھو صحابہ رضی اللہ عنہم کی وکالت کیسے ہوتی ہے؟ ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ﴾ توجہ کرو! عربی زبان میں دو لفظ ہیں ایک لفظ ہے "هٰذَا" ایک لفظ ہے "ذٰلِكَ" اگر کوئی چیز سامنے ہو اور قریب ہو اس کو کہتے ہیں "هٰذَا" جس کا اردو معنٰی ہے "یہ" اگر کوئی چیز دور ہو یا غائب ہو اس کو کہتے ہیں "ذٰلِكَ" اردو میں معنٰی ہے "وہ" اللہ فرماتے ہیں: ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ اس کتاب میں کوئی شک نہیں اس پر اعتراض ہوتا ہے یا اللہ آپ کو "ذٰلِكَ" نہیں کہنا چاہیے "هٰذَا" فرمانا چاہیے تھا کیونکہ قرآن تو یہ ہے قرآن وہ تو نہیں ہے قرآن تو سامنے موجود ہے۔ آپ فرماتے "هٰذَا الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ" کہ اس کتاب میں کوئی شک نہیں لیکن "هٰذَا" نہیں فرمایا بلکہ "ذٰلِكَ" فرمایا۔ وجہ یہ ہے کہ جو قرآن جبرائیل علیہ السلام نے حضور کو دیا اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔

صحابہ امانت دار تھے:

اور جو قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیا اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ لوگ اعتراض اس پر کرتے ہیں کہ جو قرآن صحابہ نے

ہمیں دیا ہے اس میں کمی بیشی کی گئی ہے۔ اللہ نے فرمایا نہیں! نہیں! "ذٰلِكَ" وہ قرآن جو جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا وہ لکھا ہوا نہیں تھا وہ بھی ﴿لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ ہے جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیا وہ لکھا ہوا نہیں تھا وہ بھی ﴿لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ ہے۔

جمع قرآن اور کاتبین وحی صحابہ:

اور یہ لکھا کب ہے؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فرمانے پر اور جمع کب ہے؟ حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے فرمانے پر۔ فرمایا جو جبرائیل علیہ السلام نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا وہ لکھا ہوا نہیں وہ بھی ﴿لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیا وہ بھی لکھا ہوا نہیں وہ بھی ﴿لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ ہے "ذٰلِكَ" یعنی وہ قرآن جو صدیق رضی اللہ عنہ لکھوائے گا وہ قرآن جو عمر رضی اللہ عنہ لکھوائے گا اور معاویہ رضی اللہ عنہ لکھے گا وہ ﴿لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ اس میں بھی شک نہ کرنا جس طرح وہ ﴿لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ ہے یہ بھی ﴿لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ ہے۔ اس میں بھی شک نہیں اُس میں بھی شک نہیں۔

کلام، کتاب اور قرآن:

اس کو "کلام" بھی کہتے ہیں، "کتاب" بھی کہتے ہیں اور اسے "قرآن" بھی کہتے ہیں۔

- جب اللہ تکلم کرے تو کلام پاک ہے۔
- جب نبی پڑھے تو قرآن پاک ہے۔
- اور جب معاویہ رضی اللہ عنہ لکھے تو کتاب پاک ہے۔

یہ کتاب تو بنتی ہی تب ہے جب صحابی رضی اللہ عنہ لکھے جب نہ لکھے تو کتاب بنی کیسے؟ کیسے اس میں شک کرے گا؟ ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ اس میں دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔

عقیدہ ختم نبوت پر اکابر دیوبند کی خدمات:

آگے چلیں اگلی آیت میں ختم نبوت کا بیان ہے۔ مفتی محمود رحمہ اللہ نے یہ آیت پیش کی تھی اسمبلی میں جب بعض ایم این ایز نے پوچھا تھا کہ قرآن میں کہاں لکھا ہے؟ تو مفتی محمود رحمہ اللہ نے کہا کہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 4 کے شروع میں لکھا ہے۔ پوچھا کیسے؟ تو کہا اللہ نے فرمایا کہ ایمان والے کون ہیں؟ ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ اے میرے پیغمبر! ایمان والے وہ ہیں جو اُس کتاب پر ایمان لائیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور اس وحی پر بھی ایمان لائیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسل م سے پہلے انبیاء پر آئی، اگر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی آنا ہوتا تو اللہ یوں فرماتے ایمان والے وہ ہیں جو اس کتاب پر ایمان لائیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور اُس وحی پر بھی ایمان لائیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر آئی اوراس پر بھی ایمان لائیں جو آپ کے بعد آئی۔ خدا نے بعد کا تذکرہ نہیں کیا۔ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کیا اور پہلی وحی کا تذکرہ کیا۔ اس سے پتا چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی بند ہے ہمارے نبی کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا ورنہ اس کو بھی ذکر فرما دیتے۔ سورۃ البقرہ کا آغاز ہے اور اللہ اس مسئلے کو بیان فرما دیا کہ ختم نبوت کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

قرآن کریم ایک معجزہ ہے:

آگے مسئلہ ہے اعجاز قرآن کا۔ اعجاز قرآن کا معنیٰ ہے کہ قرآن اللہ کے نبی کا

اعجاز ہے معجزہ ہے معجزہ کا معنٰی یہ ہے کہ جس دور میں جس فن کا چرچا تھا اللہ اپنے نبی کو اسی فن میں ایسی چیز عطا فرماتے کہ فن والے عاجز ہوتے۔

موسیٰ علیہ السلام کا پہلا معجزہ:

موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جادو کا چرچا تھا خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا یہ لاٹھی لیں اور جب وہ لاٹھیاں پھینکیں گے تو وہ سانپ بنیں گے نہیں سانپ نظر آئیں گے اور جو تو لاٹھی پھینکے گا سانپ نظر نہیں آئے گا بلکہ سانپ بنے گا ان کی لاٹھیاں سانپ بنتی نہیں تھیں، ﴿يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ﴾[37] محسوس ہوتا تھا سانپ بنے ہیں لیکن تم لاٹھی پھینکو گے تو سانپ بنے گا۔ اس دور میں لاٹھی کا سانپ بننا ایک جادو تھا موسی علیہ السلام کی لاٹھی کو خدا نے سانپ بنا دیا یہ معجزہ تھا جب یہ معجزہ آیا تو جادو گر عاجز ہو گئے۔

موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا معجزہ:

موسیٰ علیہ السلام کا دور جادو کا دور تھا۔ موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کے اپنے ہاتھ کو بغل کے نیچے رکھو اور نکالو وہ سورج کی طرح چمکے گا جادو گروں سے کہو کہ اس طرح تم بھی چمکا کر دکھاؤ، جادو گر تمہیں بڑے جادو دکھائیں گے مگر سمندر کو روک دیں یہ جادو گر نہیں کر سکتے۔ اے موسیٰ ذرا عصا کو مار ہم بارہ راستے دریا میں نہ بنا دیں تو پھر کہنا، پتھروں سے پانی نکالیں یہ جادو گر نہیں کر سکتے۔ پتھر پر عصا تو مار! ہم 12 چشمے جاری کر دیں گے یہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ:

عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں طب اور حکمت کا چرچا تھا۔ طبیب بڑے تھے

37۔ طٰہٰ 20:66

فرمایا ان کی کون سی طب ہے؟ تو ان سے کہہ کہ ذرا کوڑھی کو ٹھیک کریں انہوں نے کہا کہ ہم تو ٹھیک نہیں کرسکتے عیسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ پھیرا تو ٹھیک ہو گیا اور مادر زاد اندھے کو ٹھیک کرنا ان کے بس میں نہیں تو ہاتھ پھیر! ہم مادر زاد اندھے کو بھی ٹھیک کر دیں گے۔ بے جان میں جان ڈالیں یہ ان کے بس میں نہیں ہے تو چڑیا مٹی کی بنا کر پھونک مار، ہم اس میں جان ڈال دیں گے۔ کوئی مرے اور دنیا میں آئے یہ حکمت کے ساتھ نہیں ہو سکتا قبر پر کھڑے ہو کر تو "قُمْ بِإِذْنِ اللهِ" کہہ ہم مردے کو قبر سے نکال کر لے آئیں گے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے اس دور میں طب کا چرچا تھا تو طبیب کہتے تھے کہ یہ طب نہیں ہے یہ معجزہ ہے۔ جہاں طب جواب دیتی ہے وہاں سے معجزہ کا آغاز ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ علمی:

قریشیوں میں فصاحت، بلاغت، خطابت اور اشعار کی شہرت تھی۔ اتنی شہرت تھی کہ قصیدہ لکھ کے بیت اللہ پہ لٹکا دیتے اور کہتے کہ دنیا میں کوئی ہے جو اس کا جواب دے گا۔ اللہ فرماتے ہیں: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم شعر میں تو نہیں نثر میں قرآن پیش کرتے ہیں اور قرآن پیش کیا۔ لوگ کہتے ہیں کسی کا بنایا ہوا ہے، فرمایا: ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ﴾ [38] آپ ان سے فرمائیں کہ اگر سارے جن و انس اس بات پر جمع ہو جاؤ کہ اس قرآن جیسا بنا کر لاؤ تب بھی تم نہیں لا سکتے۔

پھر کہا چلو ایک چیلنج ہے ایسا کرو ﴿فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ﴾ [39]

38۔ الاسراء 88:17

39۔ ھود 13:11

دس سورتیں لے کر آؤ، نہیں لا سکے تو چیلنج تھوڑا سا کم ہو گیا۔

فرمایا: ﴿فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ﴾[40]

ایک سورۃ لے آؤ اور سارے جمع ہو جاؤ پھر بھی تم نہیں لا سکتے۔ تو پھر مان لو نا یہ بشر کا نہیں یہ خدا کا کلام ہے۔ اللہ نے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطابت، فصاحت وبلاغت دے کر تمام عربوں کو عاجز کر دیا۔

دیگر انبیاء کے معجزے اور ہمارے نبی کا معجزہ:

اس میں ایک بات میں نے عرض کی، ذرا آپ بھی سمجھنا یہ قرآن کریم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے باقی انبیاء کو معجزے عملی دیے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عملی بھی دیے اور علمی بھی دیا۔ عملی معجزہ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کو عصا والا دیا اور ہمارے نبی کو عملی بھی دیا اور علمی بھی دیا۔

آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو علمی معجزہ کیوں دیا گیا؟

پہلے انبیاء کو علمی معجزہ نہیں دیا کیونکہ جب عامل جاتا ہے تو عمل ساتھ چلا جاتا ہے۔

- مولانا صاحب نماز پڑھاتے ہیں ان کے پیچھے بابا جی نماز پڑھ رہے تھے فوت ہو گئے نمازیں ختم، ایک اور تھے وہ چلے گئے نمازیں ختم۔
- ہر سال حج کرتے تھے، فوت گئے تو حج ختم۔
- ہر سال زکوٰۃ دیتے تھے، فوت ہو گئے زکوٰۃ ختم۔
- ہر سال روزے رکھتے تھے فوت ہو گئے تو روزے ختم۔
- عامل جب جائے عمل ساتھ جاتا ہے

40۔ یونس 38:10

- اور جب عالم جائے تو علم چھوڑ کے جاتا ہے۔
- قاری صاحب پڑھا رہے ہیں دنیا سے چلے گئے ہیں دس بچے حافظ بنے ہیں۔
- حافظ صاحب چلے گئے پچاس کو قرآن سکھا دیا۔
- شیخ الحدیث چلے گئے پچاس محدّث پیدا کر دیے۔
- ایک عالم جائے تو علم چھوڑ کر جاتا ہے۔

عامل جائے تو عمل ساتھ جاتا ہے عالم چلا جائے علم کے نتیجے چھوڑ کے جاتا ہے۔پہلے انبیاء کی نبوت محدود تھی معجزہ عملی دیا۔ نبی گیا معجزہ ساتھ چلا گیا۔ ہمارے نبی کی نبوت قیامت تک کے لیے تھی معجزہ علمی دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے علم اب بھی باقی ہے۔ ان کی نبوت محدود تھی اس لیے معجزہ وہ دیا جو نبی (علیہ السلام) کے ساتھ ہی ختم ہو گیا نبوت کا زمانہ جو تھوڑا تھا۔ ان کی نبوت کا زمانہ محدود تھا تو معجزہ عملی نہیں بلکہ علمی دیا۔ اللہ گواہ ہے میں صرف اس علم و عمل پر گھنٹوں دلائل دوں کہ علم و عمل میں فرق کیا ہے۔

صاحب علم کی اجرت زیادہ ہوتی ہے:

ایک نکتہ ذہن میں رکھنا عمل بھی علم پر چلتا ہے عمل زیادہ ہوتا ہے اور اجرت کم ہوتی ہے علم میں تھوڑا کام کریں اجرت بہت زیادہ ہوتی ہے مزدور آٹھ گھنٹے کام کرتا ہے تنخواہ پانچ ہزار ہے انجینئر ایک گھنٹا دیتا ہے تنخواہ دو لاکھ ہوتی ہے کیونکہ مزدور کے پاس عمل ہے انجینئر کے پاس علم ہے۔

دیگر انبیاء کا عمل:

حضرت نوح علیہ السلام نے 950 سال تبلیغ کی ہے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے 23 سال کی ہے مقام اُن کا نہیں اِن کا بڑا ہے کیونکہ اُدھر عمل اِدھر علم ہے۔ اُدھر عمل تھا اور اِدھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کام کرتا ہے۔ عمل کا مدار

تو علم ہوتا ہے نا۔

نبوت کا اصل کمال علم میں ہوتا ہے:

ایک اور بات ذہن میں رکھیں نبی میں اصل کمال علم ہوتا ہے نبی کا اصل کمال عمل نہیں ہوتا۔ کوئی بندہ نبی سے علم میں بڑھ جائے ایسا نہیں ہو سکتا۔ لیکن بظاہر دیکھنے میں عمل امتی کے زیادہ ہو سکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حج کیا تھا تمہاری مسجد میں ایسے کئی حاجی ہوں گے جنہوں نے تین حج کیے ہوں گے۔ بظاہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی عمر 23 سال ہے اور 23 سال ہی نماز پڑھی ہے نا ایک آدمی کی اسی سال عمر ہے اس کی کتنی زیادہ نمازیں ہوگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ قرآن پوری زندگی میں پڑھا کیونکہ جب مکمل ہوا تب ہی مکمل پڑھیں گے نا جب مکمل نازل ہی نہیں تھا تو مکمل پڑھیں گے کیسے؟ اور آپ کتنے قرآن پڑھتے ہیں؟ مجھ جیسا نالائق آدمی بھی رمضان میں 4 مرتبہ قرآن پڑھ لیتا ہے۔ پہلے ایک مرتبہ قرآن پڑھا، پھر اس کے بعد سنا دیا، پھر ایک مرتبہ پھیرا دیا، پھر رات کو مصلّے پر پڑھا تو مجھ جیسا نکما حافظ بھی رمضان میں کم از کم چار قرآن پڑھتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی میں ایک مرتبہ پورا قرآن پڑھا ہے۔

امتی کا عمل کیفیت میں نبی سے نہیں بڑھ سکتا:

اب دیکھیے! بظاہر امتی عمل میں آگے نکل گیا لیکن علم میں آگے نہیں نکل سکتا لیکن امتی کروڑ مرتبہ قرآن پڑھے اور نبی ایک مرتبہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہہ دے اس کا کروڑ مرتبہ قرآن پڑھنا نبی کی ایک مرتبہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہنے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کیوں نہیں ہو سکتا؟ اس کی کئی وجوہ ہیں، پھر عرض کروں گا۔ میں عرض کر رہا تھا کہ قرآن کا اعجاز ہے اور قرآن نے چیلنج کیا پہلے کہا کہ پورا قرآن لاؤ یہ نہیں لا سکتے پھر کہا

کہ دس سورتیں لاؤ پھر آخر میں چیلنج کیا کہ ایک سورۃ لاؤ۔

مسئلہ تین طلاق:

ایک اور مسئلہ قرآن میں ہے تین طلاق کا، ﴿فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ﴾[41]

پوری امت کا اجماع ہے، قرآن کا مسئلہ ہے، احادیث کا مسئلہ کہ اگر تین طلاق دو تو تین طلاق ہوتی ہیں تین طلاق دو تو ایک ہر گز نہیں ہوتی۔

تین طلاقوں کو ایک کہنا کس کا مذہب ہے؟:

تین طلاقوں کو ایک طلاق کہنا یا تو مرزائیوں کا مذہب ہے یا شیعوں کا مذہب ہے اور تین طلاقوں کو تین کہنا اھل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے۔ یہ اچھی طرح ذہن نشین فرمالیں: ﴿فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ﴾

یہ قرآن میں ہے، سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 230 نکال لیں اور کوئی بھی تفسیر اٹھا کر دیکھ لیں وہاں یہ لکھا ہو گا کہ تین طلاقیں دینے سے تین ہوتی ہیں تین طلاقیں دینے سے ایک کبھی نہیں ہوتی۔

تین طلاق مناظرے کی دلچسپ روداد:

میں اس پر آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔ مولانا امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ کا مناظرہ تھا اور مناظرہ تین طلاق پہ تھا ادھر سے مناظرہ رکھا اور ساتھ تھانیدار کو فون کر دیا تھانیدار آگیا اور کہا کہ مولوی صاحب تمہارا مناظرہ نہیں ہو گا مولانا فرمانے لگے کہ مناظرہ کیوں نہیں ہو گا مناظرہ تو ہو گا، اس نے کہا کہ میں نہیں ہونے دوں گا مولانا

41۔ البقرۃ 230:2

فرمانے لگے تُو مناظرہ ہونے دے تو تھانیدار ہے طاقتور ہے ثالث بن جا فیصلہ کر دے۔ اس نے کہا کہ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں جوتے ماروں گا اور مناظرہ نہیں ہونے دوں گا۔ مولانا اوکاڑوی رحمہ اللہ فرمانے لگے میں بڑا خوش ہوں تیری بات سن کے۔ تو ابھی جوتا اتار مجھے بھی مار اور اس مولوی کو بھی مار اس کو تین مار کے ایک گننا اور مجھے تین مار کے پورے تین گننا۔ مجھے تین مار اور اس کو نومار، اس نے پوچھا کہ وہ کیوں؟ مولانا اوکاڑوی رحمہ اللہ فرمانے لگے کہ میں کہتا ہوں تین تین ہوتے ہیں اور یہ کہتا ہے تین ایک ہوتا ہے۔ یہ کہتا ہے تین طلاقیں ایک طلاق ہے اور میں کہتا ہوں کہ تین طلاقیں تین ہوتی ہیں۔ میں اس کو سمجھا رہا ہوں لیکن یہ نہیں مانتا پھر یہ تیرے جوتوں سے مسئلہ سمجھے گا میری دلیل سے اس کو مسئلہ سمجھ نہیں آئے گا۔ کیا صرف طلاق میں تین ایک ہے باقی ہر جگہ تین تین ہوتے ہیں؟

زنا کو نکاح کا نام دینے کی جسارت:

عجیب بات ہے اللہ پاک محفوظ رکھے۔ میں تمہیں ہاتھ جوڑ کر اور دیانت داری سے کہتا ہوں کہ کوئی لڑکا رنڈی خانے سے لڑکی گھر میں لے کر آئے اور زنا کرے اتنا بڑا گناہ نہیں ہے جتنا تین طلاقوں کے بعد بیوی کو گھر میں رکھے تو گناہ ہے۔ میں بڑے اعتماد کے ساتھ بات کہتا ہوں، میں نے خدا کو جواب دینا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس نے زنا کے لیے لڑکی رکھی ہے اس کو باپ بھی کہتا ہے کہ زنا ہے ماں بھی کہتی ہے کہ زنا ہے خاندان بھی کہتا ہے کہ تُو کنجر ہے۔ تُو لڑکی لے کر آیا ہے لیکن جو تین طلاقوں کے بعد رکھتا ہے اس کو کوئی نہیں کہتا کہ یہ زنا ہے اس کے زنا کو بھی نکاح کہتے ہیں اور زنا کو نکاح سمجھ کر قبول کرنا اس میں کفر کا خطرہ ہے۔ یہ کتنا بڑا جرم ہے!

سوشل بائیکاٹ کرنا چاہیے:

اگر تمہارے خاندان میں کوئی بندہ یہ جرم کرے تو اس سے بائیکاٹ کرو۔

اس کو خاندان سے فارغ کر دو۔ اس جرم میں کبھی شریک نہ ہونا۔ ہمارے ذمہ مسئلہ بتانا تھا ہم نے بتا دیا عمل کرو تمہارا بھلا نہ عمل کرو تو قیامت میں ہم سرخرو ہیں۔ ہم نے مسئلہ کھول کر بتایا ہے بغیر ڈر کے، بغیر جھجک کے مسئلہ کھولا ہے مانو تو آپ کی مرضی اور نہ مانو تو بھی آپ کی مرضی۔ تو تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔

مسئلہ حیاتِ انبیاء علیہم السلام:

ایک بات اور سمجھیں اسی طرح قرآن میں سورۃ البقرہ میں ایک مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے فرمایا:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾﴾

قرآن کریم کی کوئی بھی اھل السنۃ والجماعۃ کی تفسیر اٹھانا اہل بدعت کی مت اٹھانا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ مومن آدمی جو اللہ کے راستے میں قتل ہو وہ زندہ ہے اور نبی کا کلمہ پڑھا ہے تو اس کو یہ سعادت ملی ہے تو نبی اس سے بڑھ کر زندہ ہے۔

نبوت کا مقام شہادت کے رتبے سے اعلیٰ ہے:

جب یہ شہید زندہ ہے تو نبی زندہ کیوں نہیں؟ نبوت کا مقام تو شہادت سے اوپر ہے شہادت کا مرتبہ تو نبی کے صدقے ملا ہے صدقے والا تو زندہ ہے تو نبی خود قبر میں زندہ کیوں نہیں ہو گا؟۔

حکیم الامت مولانا تھانوی کا مسلک:

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ نبی کی حیات شہید سے بڑھ کر ہوتی ہے کیوں؟ شہید کی حیات کے ساتھ جنازہ ہے اور نبی دنیا سے گئے ہیں ان کا جنازہ ایسے نہیں تھا جیسے شہید کا جنازہ ہے۔ روضے پر جاؤ درود پڑھو۔ یہ صحابہ کا جنازہ تھا

اس طرح جنازہ نہیں تھا جیسے شہید کا ہوتا ہے۔

دعائے جنازہ کے الفاظ سے دھوکے کی کوشش:

ہمارے سرگودھا کے ایک مولوی صاحب ہیں ایک جگہ تقریر کی اور مسئلہ بیان کر رہے تھے کہ شہید زندہ نہیں ہوتا مجھے اتنا دکھ ہوا کہ بتا نہیں سکتا۔ کہتے ہیں کہ جب شہید مر جائے تو کیا دعا پڑھتے ہو؟ بندہ قتل ہو جائے تو کیا دعا پڑھتے ہو؟ "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا."

مولوی صاحب تقریر کر رہے تھے کہتا ہے کیا پڑھتے ہو؟ "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا" مولوی صاحب کہتا ہے: "مَیِّتِنَا" کیوں پڑھتے ہو؟ "حَیِّنَا وَحَیِّنَا" کیوں نہیں پڑھتے؟ پھر مان نا کہ زندہ نہیں۔ آپ سمجھ گئے؟ یہ بہت بڑی دلیل پیش کی ہے۔ شہید کو قرآن نے زندہ کہا ہے یا ہم نے کہا؟ اشکال ہم پر ہے یا قرآن پر ہے؟ پھر اللہ سے کہو کہ جب یہ زندہ ہے تو ہمیں یہ دعا کیوں سکھائی ہے یہ اعتراض ہمارے اوپر کیوں کرتے ہو؟ یہ تو بد دماغی ہے۔

دھوکے کا الزامی جواب:

جب میں اس علاقے میں گیا تو مجھے سب ساتھیوں نے کہا کہ تمہارے سرگودھا کے مولوی صاحب یہ دلیل دے کر گئے ہیں اور جواب بھی سرگودھا سے اچھا لگتا ہے۔ میں نے کہا جی پھر سرگودھا کا جواب سنیں میں نے کہا: "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا." یہ کیوں؟ یہ سامنے ہے یا غائب ہے؟ پھر کہونا "شَاهِدِنَا وشَاهِدِنَا" جواب آیا کہ نہیں؟ آگے "وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا" کیوں؟ یہ بچہ تو نہیں ہے پھر کہونا "وَكَبِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا" میں نے کہا یہ صغیر نہیں ہے، کبیر ہے۔ آگے "وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا" کیوں؟ آپ کا باپ مرا ہے وہ عورت تو نہیں ہے نا تو پھر کہو

"وَذَكَرِنَا وَذَكَرِنَا"، "وَأُنْثَانَا" کیوں کہا؟

دعائے جنازہ کے الفاظ کی حکمت:

میں نے کہا کہ اب جواب سمجھو! جنازہ اس کا ہے جو سامنے ہے تو کہا "وَشَاهِدِنَا" اور "وَغَائِبِنَا" کہہ کر اس کو شامل کیا ہے جو غائب ہے۔ جنازہ اس کا ہے جو کبیر ہے "وَصَغِيْرِنَا" کہہ کر بچوں کو دعا میں شامل کیا ہے۔ اگر جنازہ باپ کا ہے تو "وَأُنْثَانَا" کہہ کر عورتوں کو شامل کیا ہے۔ اگر جنازہ ماں کا ہے تو "وَذَكَرِنَا" کہہ کر مَردوں کو شامل کیا ہے۔ اگر جنازہ شہید کا ہے تو کہا "حَيِّنَا" اور "وَمَيِّتِنَا" کہہ کر مُردوں کو شامل کیا۔ اگر جنازہ غیر شہید کا ہے تو کہا "وَمَيِّتِنَا" اور "حَيِّنَا" کہہ کر شہید کو شامل کیا ہے۔

علمائے حق اور ملحدین کی سازشیں:

اب اگلا جواب سنو! اب دوبارہ اعتراض نہیں ہو گا۔ کل میرے پاس ساتھی آئے تھے قصور کے تھے ایک اہل حدیث تھا اور کہا: مولانا! میں تو ان پڑھ ہوں مجھے تو بات کا پتا نہیں میں نے کہا پھر آئے کیوں ہو؟ اگر ان پڑھ ہو کہنے لگا ایک بات پوچھنی ہے مولانا آپ بھی عالم ہو مولوی توصیف الرحمٰن بھی عالم ہے میں نے کہا توصیف الرحمٰن مولانا طارق جمیل صاحب پر اعتراض کرتا ہے دو گھنٹے وڈیو سی ڈی بنائی ہے میں نے دو گھنٹے میں اس کا جواب دیا ہے چار سال گزر گئے آپ مولانا صاحب سے کہو نا کہ جواب دو، نہیں سمجھے؟ انہیں کہو جواب دو یہ ان سے پوچھو مجھ سے کیوں پوچھتے ہو؟ وہ جواب دے تا کہ پتا چلے دونوں عالم ہیں مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟ ایک مولوی ہے ایک جاہل ہے انہوں نے فضائل اعمال پر اعتراض کیا ہے میں نے جواب دیا ہے انہیں کہو نا کہ جواب دو۔ بات سمجھ آ رہی ہے؟

اپنے عقائد کا پرچار کرتے رہیں:

میں سمجھا رہا تھا کہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی سورۃ بقرہ میں ہے آپ مانتے ہیں کہ نہیں مانتے؟ اھل السنۃ والجماعۃ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ اللہ کا نبی اپنی قبر میں زندہ ہے یہاں سے درود پڑھو تو فرشتے پہنچاتے ہیں اور قبر پر پڑھو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔ یہ ہمارا عقیدہ ہے ہم اپنا عقیدہ اپنی مساجد میں بیان کرتے رہیں گے۔

سورۃ البقرہ میں اختتامی بیان:

میں آخری بات عرض کرتا ہوں۔ سورۃ البقرہ کا آغاز ہے ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲﴾ اور اختتام ہے ﴿سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا﴾ یعنی تم نے غیب کو مانا ہے نظر آئے تو بھی مانو نہ نظر آئے تو بھی مانو، ﴿سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا﴾ سمجھ آئے تب بھی مانو نہ سمجھ آئے تب بھی مانو۔ قرآن کی آیت اتری: ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ﴾[42]

اگر تم اپنے اندر کی بات چھپاؤ گے یا بیان کرو گے اللہ سب جانتا ہے۔

غیر اختیاری وساوس کا کیا کریں؟:

صحابہ رضی اللہ عنہم بہت پریشان ہو گئے یا رسول اللہ کبھی ایسے خیالات آتے ہیں جو مناسب نہیں ہوتے کیا اللہ تعالیٰ اس پر ہمارا محاسبہ کریں گے؟ غیر اختیاری وسوسے آتے ہیں ہم اس میں بے بس ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ تو اختیاری پر مواخذہ ہے غیر اختیاری پر نہیں ہے۔ جواب تو یہی تھا لیکن یہ جواب

42۔ البقرۃ 284:2

نہیں دیا بلکہ کہا کہ اے صحابہ! تم یہ کہو ﴿سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا﴾ اللہ نے آگے دوسری آیت اتار کر جواب دے دیا کہ غیر اختیاری پر مواخذہ نہیں ہو گا بلکہ اختیاری پر ہو گا۔ لیکن مسئلہ بعد میں سمجھایا، ﴿سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا﴾ پہلے سمجھایا تا کہ مزاج بن جائے کہ نظر آئے تب بھی مانیں گے اور نہ نظر آئے تب بھی مانیں گے۔ اہل السنت کا عقیدہ ہے کہ نبی کا فیصلہ سمجھ آئے تب بھی مانیں گے اور نہ سمجھ آئے تب بھی مانیں گے۔

نبی کا غلام اور عقل کا پجاری:

حضور مکہ سے چلے، عرش تک گئے ہیں واپس آئے ابو جہل آیا اور کہا کہ میں نہیں مانتا کیونکہ میری عقل میں نہیں آتا اور صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں تو مانتا ہوں ابو جہل نے کہا کہ جب عقل میں نہیں آتا تو پھر کیوں مانتے ہو؟ انہوں نے فرمایا عقل کا کلمہ نہیں پڑھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھا ہے۔

صدیق کا بیٹا اور ابو جہل کا بیٹا:

میں کہتا ہوں ہاں خدا کی قسم! جو نبی کے فرمان پر عقل قربان کر دے وہ صدیق کا بیٹا ہے اور جو عقل کی وجہ سے نبی کے فرمان کو چھوڑ دے وہ ابو جہل کا بیٹا ہے۔ ہم ابو جہل والے نہیں ہیں ہم صدیق رضی اللہ عنہ والے ہیں۔ سمجھ آئے تب بھی مانتے ہیں اور نہ سمجھ آئے تب بھی مانتے ہیں، نظر آئے تب بھی مانتے ہیں نہ نظر آئے تب بھی مانتے ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرما دیا وہ برحق ہے۔ اس کے سامنے ہماری عقل کی حیثیت کیا ہے۔ اللہ ہم سب کو بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

سورۃ آل عمران

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

﴿الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الۡحَىُّ الۡقَيُّوۡمُ ؕ﴿۲﴾ نَزَّلَ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَ اَنۡزَلَ التَّوۡرٰىةَ وَ الۡاِنۡجِيۡلَ ۙ﴿۳﴾ مِنۡ قَبۡلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ اَنۡزَلَ الۡفُرۡقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ ﴿۴﴾﴾

تمہید:

آپ تمام حضرات کے علم میں ہے کہ درسِ قرآن کا عنوان "مضامین سورۃ آل عمران" ہے۔ گزشتہ درسِ قرآن میں سورۃ البقرہ کے مضامین کا خلاصہ میں نے پیش کیا تھا اور آج کے درسِ قرآن و سنت میں سورۃ آل عمران کے مضامین کا خلاصہ بیان ہو گا ان شاء اللہ۔ سورۃ آل عمران مدنی سورۃ ہے۔ اس میں 200 سو آیتیں اور 20 رکوع ہیں۔ میں نے آپ سے گزارش کی تھی کہ اگر سورۃ آل عمران یا کسی بھی سورۃ کے تمام مضامین کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے تو بہت زیادہ وقت لگتا ہے۔ اس لیے ہم نے یہ طے کیا کہ ہر سورۃ کے اہم مضامین کو اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ درسِ قرآن کریم کا تسلسل بھی باقی رہے اور بہت سارے اہم مسائل

بھی آپ کی خدمت میں پیش کیے جا سکیں۔

عقائد و نظریات کا تحفظ:

میں ہر دفعہ اس کی وضاحت اس لیے کرتا ہوں تاکہ آپ حضرات کے دماغ میں بیٹھ جائے۔ بعض لوگ کہیں گے کہ فلاں مسئلہ بھی تھا، فلاں بھی تھا، مولانا صاحب نے فلاں مسئلہ بیان نہیں کیا۔ میں نے اس لیے وضاحت کی تھی کہ ہر بندہ اپنے عنوان پر کام کرتا ہے۔ اھل السنۃ والجماعۃ کے عقائد و نظریات کا تحفظ یہ بنیادی طور پر میرا مشن اور میرا کام ہے۔

انتخاب آیات کا پہلو:

اس لیے میں سورۃ کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے کوشش کرتا ہوں کہ ان آیات کا تذکرہ تفصیل سے کیا جائے جس میں ہمارے ان نظریات کا بیان ہو جس پر عموماً آج موجودہ دور میں لوگ حملہ آور ہوتے ہیں۔ اس لیے ہم اس کا تذکرہ اہمیت کے ساتھ کرتے ہیں۔ باقی تذکرہ اور مضامین بھی درمیان میں آجاتے ہیں۔

شان نزول اور شان ورود:

پہلی بات یہ سمجھیں کہ سورۃ اٰل عمران کا شان نزول کیا ہے؟ دو لفظ آپ نے کتابوں میں پڑھے ہیں اور علماء سے سنے ہیں۔

1) شان نزول۔

2) شان ورود۔

یہ دو لفظ یاد رکھیں جو واقعہ کسی آیت کے نازل ہونے کا سبب بنے اس واقعہ کو "شان نزول" کہتے ہیں اور جو واقعہ حدیث مبارک کے فرمانے کا سبب بنے اسے "شان ورود" کہتے ہیں۔ بعض واقعات وہ ہیں جو قرآن کی آیت اترنے کا سبب بنتے ہیں اور بعض واقعات وہ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمانے کا سبب ہیں۔ تو جو

واقعہ قرآن کی آیت اترنے کا سبب بنے اسے کہتے ہیں فلاں آیت یا سورۃ کا "شان نزول" اور جو واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمانے کا سبب بنے اسے کہتے ہیں کہ یہ واقعہ اس حدیث کا "شان ورود" ہے۔ نزول کا معنیٰ ہوتا ہے اترنا اور وُرود کا معنیٰ ہوتا ہے آنا، لغوی معنیٰ اگر ایک بھی ہو تو لیکن اصطلاح میں "شان نزول" کا مطلب الگ ہے اور "شان ورود" کا مطلب الگ ہے۔

سورۃ آل عمران کا شانِ نزول:

سورۃ "آل عمران" کا شان نزول کیا ہے؟ نجران کے علاقے کے عیسائیوں کا وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اس وفد میں اور آدمی بھی تھے لیکن تین آدمی اس میں بڑے اہم تھے۔ ان میں سے ایک کا نام سید اَیْہَم تھا، یہ ان کا سردار تھا۔ دوسرے کا نام العاقب عبد المسیح تھا، یہ مدبر اور سیاست دان تھا۔ تیسرے آدمی کا نام ابو حارثہ بن علقمہ تھا، یہ ان کا پادری اور بہت بڑا عالم تھا۔[43]

تو یہ وہ لوگ تھے جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کے لیے آئے اور بڑی اہمیت کے ساتھ آئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مقام بھی دیا اور جگہ بھی دی، رہائش کا انتظام بھی کیا اور ان کے ساتھ خوب کھل کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گفتگو بھی کی۔

اہل باطل سے گفتگو کا طریقہ کیا ہونا چاہیے؟:

جو تمہارے پاس دلائل ہیں تم پیش کرو اور جو میرے پاس ہیں وہ میں پیش کروں گا۔ تم اپنا مذہب سمجھاؤ! میں اپنا مذہب سمجھاؤں گا اور بات دلیل سے کرو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دلیل کے ساتھ ان سے بات کی اور رعایت کتنی فرمائی

43۔ تفسیر البحر المحیط لابی حیان: ج2 ص389

ہے؟ یہ مدینہ منورہ میں ٹھہرے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم مسجد نبوی میں نماز پڑھیں گے تو منہ کعبہ کی طرف نہیں کریں گے بلکہ بیت المقدس کی طرف کریں گے جو مشرق کی جانب بنتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تم رخ ادھر کرو! مگر جب ہمارے ساتھ بات کرو تو دلائل کے ساتھ کرو۔ اس طرح بہت فائدہ ہوتا ہے۔

نظریاتی اختلافات اور مہمان نوازی:

میرے پاس ایک دفعہ گوجرانوالہ سے بریلوی علماء کا وفد آیا، ایک خاص موضوع پر مشاورت کے لیے۔ وہ آئے بیٹھے ہم نے کھانا کھلایا بات چلتی رہی۔ جب نماز کا وقت ہوا تو میں نے ان سے کہا کہ ہماری نماز کا وقت ہو گیا ہے، آپ حضرات مہمان خانے میں نماز پڑھیں۔ اس لیے کہ آپ کا اور ہمارے نظریات کا اختلاف ہے۔ آپ کی نماز ہمارے پیچھے ہوتی نہیں ہے اور ہماری آپ کی پیچھے نہیں ہوتی؟ ہم آپ کو مجبور نہیں کریں گے، مہمان خانے میں آپ نماز پڑھیں۔ آپ یقین فرمائیں کہ وہ میرے اس جملے سے بے حد خوش ہوئے۔ انہوں نے کہا: مولوی صاحب! ہوتی ہے یا نہیں ہوتی یہ الگ بات ہے مگر آج ہم تیرے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ ہم نے پہلی بار ایسا مولوی دیکھا جو اپنے مدرسے میں بھی کہتا ہے کہ تم اپنی نماز پڑھو۔ کیونکہ نظریات کا اختلاف ہے، پھر انہوں نے ہمارے پیچھے نماز پڑھی۔ حالانکہ وہ اپنے مسلک کے مناظر تھے۔

نبوت کی تعلیم... مہمان کا اکرام:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اکرام فرمایا۔ آنے والا مہمان اگر کافر بھی ہو تو اکرام اس کا حق ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنۡ كَانَ يُؤۡمِنُ بِاللهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ فَلۡيُكۡرِمۡ ضَيۡفَهُ." [44]

جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ مہمان کا اکرام فرمائے۔ یہ نہیں فرمایا کہ "مسلمان" کا اکرام فرمائے، مسلمان کا اکرام الگ چیز ہے۔ لیکن کافر اگر مہمان بن جائے تو بحیثیت مہمان اس کی میزبانی اور اکرام مسلمان کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ مہمان؛ مہمان ہوتا ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔

گفتگو کرنے میں مراتب کی پاسداری:

بہر حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے گفتگو فرمائی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ان کو اپنی شاعری پر بہت ناز تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے شاعر کو کھڑا کرو۔ ان کے شاعر نے شاعری کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے حسان! اٹھو ذرا مقابلہ کرو حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے جب شعر پڑھے تو عیسائیوں کے دانت کھٹے ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کا شاعر ہمارے شاعر سے بڑا ہے۔

اپنی خطابت پر بھی بڑا ناز تھا انہوں نے کہا کہ ہم بہت بڑے خطیب ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ آجاؤ۔ انہوں نے اپنا خطیب کھڑا کیا، اس نے تقریر کی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا اٹھو ذرا اپنی خطابت کے جوہر دکھاؤ۔ انہوں نے کہا کہ جی آپ کا خطیب بھی ہم سے تگڑا ہے۔

قوت دلیل سے گفتگو سنت ہے:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دلائل کی بات مجھ سے کرو، میں تو شاعر اور خطیب نہیں، میں تو اللہ کا نبی ہوں۔ اس لیے اگر دشمن شاعر لائے تو شاعروں

44۔ صحیح البخاری، رقم:6136

کو پیش کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اگر دشمن خطیب لائے تو خطیب پیش کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنت ہے۔

خطابت کا مذاق نہ اڑایا جائے:

اس لیے خطابت کا مذاق نہ اڑایا کرو! ہاں خطابت کو پیشہ بنانا جرم ہے لیکن جب ضرورت ہو تو خطابت کا جوہر دکھانا ایمان ہے اور خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا." [45]

بعض خطابت ایسے اثر کرتی ہے جیسے بندے پر جادو اثر کرتا ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خطابت کی ترغیب دی ہے۔

الوہیت عیسیٰ پر عقلی جواب:

خیر! دلائل شروع ہوئے، ان کا مسئلہ چلتا رہا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دلائل کو توڑا اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دلائل دیے۔ ایک بہت بڑی دلیل یہ بیان فرمائی:

"اِنَّ عِيْسىٰ يَاْتِيْ عَلَيْهِ الْفَنَا." [46]

کہ عیسیٰ پر تو موت آئے گی، کیا خدا پر بھی موت آیا کرتی ہے؟ فرمایا کہ عیسیٰ پر موت آئے گی حالانکہ عیسائیوں کا عقیدہ بالکل الگ ہے۔

عیسائیوں کا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نظریہ:

عیسائیوں کا عقیدہ کیا ہے؟ عیسیٰ علیہ السلام پر موت آئی ہے، سولی پر چڑھے

45۔ صحیح البخاری، رقم: 5146

46۔ تفسیر الدر المنثور للسیوطی: ج2 ص5

ہیں پھر ان کو زندہ کیا گیا ہے پھر آسمان پر گئے ہیں۔ مسلمان کا نظریہ کیا ہے؟ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر نہیں لٹکایا گیا، ان پر موت نہیں آئی تو ان کے عقیدے کے مطابق یہ فرمانا چاہیے تھا "اِنَّ عِیۡسٰی اَتٰی عَلَیۡهِ الۡفَنَا" کہ عیسیٰ علیہ السلام پر تو موت آچکی ہے۔

جواب دینے کا انداز:

لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر بھی اپنا عقیدہ بیان فرمایا کہ "اِنَّ عِیۡسٰی یَاۡتِیۡ عَلَیۡهِ الۡفَنَا" اگر تمہارے بقول عیسیٰ علیہ السلام پر موت آئی ہے تو جس پر موت آجائے وہ خدا نہیں ہوا کرتا ادھر موت بھی مانتے ہو اور خدا بھی مانتے ہو؟ اس کا ان کے پاس کوئی جواب موجود نہ تھا۔ تو پہلے قرآن نے عقلی دلیل بیان فرمائی ہے: ﴿الٓمّٓ ﴿۱﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ ﴿۲﴾﴾

اللہ وہ ہے جو خود بھی زندہ ہے اور دوسروں کو بھی زندہ رکھتا ہے وہ جو خود ہی زندہ نہ رہے اسے تم نے خدا کیسے مان لیا؟ کچھ عقل سے کام لو۔ یہ عقلی دلیل دی ہے۔

الوہیت عیسیٰ کی تردید پر نقلی دلیل:

آگے ﴿نَزَّلَ عَلَیۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ﴾ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نقلی دلیل دی ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے انجیل نازل کی ہے، تورات نازل فرمائی ہے، زبور نازل فرمائی ہے، کتابیں نازل کیں ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے کتاب نازل نہیں کی ان پر کتاب نازل ہوئی ہے۔ خدا وہ نہیں ہوتا جس پر کتاب اترے خدا وہ ہوتا ہے جو کتاب اتارے۔ تم نے کیسے ان کو خدا مان لیا؟ اب دیکھو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کیسے پیارے دلائل ہیں۔ اس کا ان سے جواب نہیں بن پڑا۔

مباہلے کی نوبت:

جب وہ دلائل میں ہار گئے، تھک گئے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ چلو تم دلائل سے ہمارا مقابلہ نہیں کرسکتے تو آؤ ہم مباہلہ کر لیتے ہیں۔ پھر حضور علیہ السلام نے ان سے مباہلے پر بات کی ہے۔ آگے بات آئے گی آیت ﴿فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ۗ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝۶۱﴾ کے تحت کہ اللہ کے نبی نے مباہلے پہ بات کی ہے۔

مباہلہ اور اس کا طریقہ:

مباہلہ اس وقت بھی تھا مباہلہ آج بھی ہے مباہلے کا مطلب کیا ہے؟ فریقین میں سے ہر ایک یہ دعا مانگے کہ جو جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت ہو، اس پر اللہ کا قہر ہو اور وہ برباد ہو جائے۔

عیسائیوں کی سمجھداری؛ مباہلہ سے انکار:

نجران کے عیسائیوں کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کرتے ہو مباہلہ؟ ان میں سے بعض کا خیال تھا کہ مباہلہ کریں۔ جب اللہ کے نبی اپنے گھر سے حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو لے کر نکلے اور بی بی زہرا رضی الہ عنہا ساتھ تھیں۔ عیسائیوں کے عالم نے کہا ان کے مبارک وجود کو دیکھ لو، کبھی یہ جرم نہ کرنا اور یہ حماقت کبھی نہ کرنا ان کے ہاتھ اٹھ گئے تو پوری وادی پر آگ برسے گی۔ بہتر ہے کہ ان سے صلح کرکے واپس ہو جاؤ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ٹھیک ہے صلح کرنا چاہو تو کر لو انہوں نے کہا کہ جی ہم کرتے ہیں۔ فرمایا کہ یوں صلح نہیں ہو گی کلمہ پڑھو یا جزیہ دو یا جاؤ جا کے جنگ کی تیاری کرو ہم آرہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جی ہم جزیہ دے کر صلح کے لیے تیار ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ قبول کیا اور صلح کرکے وفد واپس ہو گیا اس پر سورۃ آل عمران کی دوسو آیات نازل ہوئیں۔

"عمران" سے کون سا شخص مراد ہے؟:

میں بتا یہ رہا تھا کہ سورۃ کا "شان نزول" کیا ہے؟ اس میں لفظ ہے آلِ عمران۔ آل کا معنٰی ہوتا ہے اولاد۔ اور عمران کون ہے؟ ایک عمران حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام ہے اور ایک عمران حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا کا نام ہے حضرت مریم کے جو والد تھے ان کا نام بھی عمران تھا۔ لیکن اس میں جو "آل عمران" ہے اس کا تعلق موسیٰ علیہ السلام کے والد کے ساتھ نہیں اس کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا حضرت مریم کے والد کے ساتھ ہے۔

اولاد کو وقف کرنا:

حضرت مریم کے والد کا نام عمران تھا۔ اور یہ بیت المقدس مسجد اقصیٰ کے امام تھے۔ اس دور میں ان انبیاء میں ایک رواج چلتا تھا کہ اپنی اولاد میں سے ایک بیٹے کو دین کے لیے وقف کر دیا کرتے۔ یہ ان انبیاء علیہم السلام کی شریعت میں تھا کہ باقی بیٹے دنیا کے کام کریں اور ایک کو خالص دین کے لیے وقف کر دو یہ دین کا کام کرتا رہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کی منت:

ان کے دستور کے مطابق حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نے اللہ سے منت مانی اے اللہ! جو میرے پیٹ میں حمل ہے اور جس امید کے ساتھ میں ہوں اے مولا کریم اگر یہ بیٹا پیدا ہوا تو میں منت مانتی ہوں کہ تیری راہ میں وقف کر دوں گی میں اس کو دین کے لیے پیش کر دوں گی۔ حضرت مریم کی والدہ زندہ تھیں اور امید کے ساتھ تھیں تو والد فوت گئے۔ اب والد تو تھے نہیں۔ حضرت مریم جب پیدا ہوئیں تو ان کی والدہ نے اللہ رب العزت سے یہ کہا: ﴿رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی ؕ﴾[47]

47۔ آل عمران 36:3

حضرت مریم کی پریشانی پر خدائی دلاسہ:

اے اللہ! اگر بیٹا ہوتا تو میں تیری راہ میں وقف کر دیتی اب تو بیٹا نہیں، میں نے بیٹی کو جنا ہے اب میں کیا کروں؟ لیکن جس بیٹی کو جنا تھا اس بیٹی کو لے کر بیت المقدس پہنچ گئیں جب اس نے کہا: ﴿رَبِّ اِنِّیۡ وَضَعۡتُهَاۤ اُنۡثٰی ؕ﴾ اے اللہ میں نے بیٹی کو جنا ہے یہ حسرت کا جملہ تھا۔ اپنی بیٹی کو دین کے لیے کیسے پیش کروں؟ میں بیٹی کو کہاں لے کر جاؤں؟ اللہ نے جواب یہ دیا: ﴿وَلَیۡسَ الذَّکَرُ کَالۡاُنۡثٰی﴾

اے مریم کی ماں! جو بیٹا تو نے مانگا تھا اس بیٹی کی طرح نہیں ہے جو ہم نے دی ہے۔ تو نے بیٹا مانگا اپنی حیثیت کے مطابق اور خدا نے بیٹی دی ہے اپنی شان کے مطابق۔ اب تیری حیثیت کہاں اور خدا کی شان کہاں؟ بس تو اسی کو پیش کر دے۔ مریم کی والدہ نے مریم کو لیا، چھوٹی بچی ہے اس کو لے کر بیت المقدس میں آ گئی۔

حضرت مریم کی پرورش اور کفالت:

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے "بیان القرآن" میں لکھا ہے ان کو دودھ پلانے کے لیے دائی کا انتظام کیا گیا یا ان کو دودھ پلانے کی نوبت ہی نہیں آئی یہ بغیر دودھ پیے بچپن میں بڑھتی چلی گئیں۔ اس لیے قرآن کہتا ہے کہ اللہ نے ان کی بڑے اچھے طریقے سے پرورش کی یعنی بہت جلد جسم میں طاقت عطا فرمائی کہ اگر عام بچی کی ایک مہینے میں ایسی پرورش ہوتی ہے تو وہ ایک دن میں ایسی تھیں۔ مریم علیہا السلام کی والدہ اپنی بیٹی کو لے کر گئیں۔ بیت المقدس میں علماء تھے اور حضرت زکریا علیہ السلام بھی تھے۔ اگر مریم کے والد زندہ ہوتے جو بیت المقدس کے امام تھے اپنی بیٹی کی تربیت وہ کرتے۔ اب باپ تو تھا نہیں حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے دے دو کیونکہ حضرت زکریا کی بیوی حضرت مریم کی خالہ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مجھے

دے دو کیونکہ یہ ہماری بیٹی بھی ہے اور میری بیوی جو اس کی خالہ ہے وہ اس کی تربیت کرے گی۔

لیکن جو باقی علماء تھے انہوں نے کہا کہ نہیں ہم اس کی تربیت کریں گے۔ کیونکہ ہر بندے کی خواہش ہوتی ہے کہ بڑے خاندان کی بیٹی یا بیٹا میرا شاگرد بنے۔ بڑے خاندان سے میرا تعلق قائم ہو۔بڑے خاندان سے مراد دولت نہیں بلکہ علم وفضل ہے۔

ان کی خواہش یہ تھی کہ اس کی تربیت ہم کریں اب فیصلہ نہ ہوا کہ تربیت کون کرے گا حضرت مریم علیہا السلام کی تربیت کرنے پر اختلاف ہوا زکریا علیہ السلام نے اپنا حق جتایا باقی علماء نے اپنا حق جتایا۔

اختلاف کا آسان حل قرعہ اندازی:

اب اس میں طے یہ ہوا کہ یوں کرو قرعہ اندازی کرلو، جس کے نام کا قرعہ نکلے گا وہی اس کی تربیت کرے گا۔ اس آیت میں قرعہ کا مسئلہ موجود ہے۔ اللہ فرماتے ہیں: ﴿وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۖ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٤٤﴾﴾

اے میرے پیغمبر! آپ وہاں موجود نہیں تھے جب ان میں قرعہ اندازی ہو رہی تھی کہ کفالت کون کرے گا؟

قرعہ اندازی کا طریقہ:

اب قرعہ طے کیسے ہوا؟ انہوں نے کہا جو مریم کی کفالت کے امیدوار ہیں وہ اپنا اپنا قلم دریا میں ڈالیں اور جس کا قلم ادھر جائے جدھر دریا کا پانی جاتا ہے وہ اس مریم کو نہ لے جائے اور جس کا قلم پانی کے بہاؤ کے مخالف سمت میں چلے حضرت مریم

کی کفالت وہ کرے گا۔ قلم ڈالے گئے تو حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم ادھر چل دیا جدھر سے پانی آرہا تھا۔ نبی جو تھے۔

بچیوں کے مدارس کا ثبوت:

پھر مریم ان کی تربیت میں آگئیں۔ پھر زکریا علیہ السلام نے مریم کی تربیت شروع فرمادی مریم بہت چھوٹی عمر میں بلوغ تک پہنچی ہیں۔ مریم علیہا السلام کی تربیت کے لیے زکریا علیہ السلام نے بچیوں کا مدرسہ بنادیا۔ لوگ کہتے ہیں بچیوں کے مدرسے کا ثبوت کہاں ہے؟ میں نے کہا قرآن کریم میں ہے۔ آدمی قرآن پڑھے تو ثبوت مل جاتا ہے اور یہ مدرسہ ہی تھا زکریا علیہ السلام کا۔

کرامت کا ظہور:

ایک کمرہ تھا وہاں مریم کو رکھتے اور پھر دعوت و تبلیغ کے لیے چلے جاتے واپس آتے تو اس بیٹی کو کھانا پیش کر دیتے لیکن ایک بار حضرت مریم جس کمرے میں تھیں جب تالا کھولا تو سامنے تازہ بے موسمے پھل نظر آئے، حضرت زکریا علیہ السلام نے تعجب سے پوچھا: ﴿يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ﴾ اے مریم! تالا بند ہے دروازے پہ تالا لگا ہے یہ پھل کہاں سے آتا ہے؟ حضرت مریم نے کہا: ﴿هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ﴾

یہ اللہ کی طرف سے میرے پاس آیا ہے میں نے لفظ "عِنْدِ اللّٰهِ" پر آج بات کرنی ہے ان شاء اللہ۔ آپ دیکھنا عقیدہ کیسے سمجھ آتا ہے؟ اس کو یہاں چھوڑ دیں اس پہ بعد میں بات کروں گا۔

انبیاء کرام بھی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں:

حضرت زکریا علیہ السلام سجدے میں گر گئے، کیوں؟ اس لیے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر سو سال کے قریب ہے۔ بیوی کی عمر نوے سال کے لگ بھگ

ہے اولاد سے بالکل محروم ہیں۔ نبی کے گھر میں اولاد نہیں ہے حضرت زکریا علیہ السلام سجدے میں گر گئے اور اللہ سے دعا مانگی:

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝۳۸﴾

اے اللہ! اس مریم کو بغیر موسم کے میوے دے سکتا ہے تو مجھے بھی بغیر موسم کے اولاد دے سکتا ہے۔ اے مولا کریم! جس طرح اس کو پھل دیا ہے مجھے بھی اولاد عطا فرمادے۔

دعا کی قبولیت اور بچے کا نام:

حضرت زکریا علیہ السلام نے جب دعا مانگی قرآن میں ہے پھر فرشتوں نے آ کر بشارت دی کہ اللہ نے تمہاری دعا قبول کر لی ہے، ﴿اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۳۹﴾

اللہ تمہیں خوشخبری دیتا ہے تمہارے ہاں بیٹا پیدا ہو گا اور وہ سید اور سردار بھی ہو گا وہ نبی بھی ہو گا وہ نیک بھی ہو گا۔ ﴿وَّ حَصُوْرًا﴾ اور وہ نکاح نہیں کرے گا وہ دنیا کی خواہشات سے الگ تھلگ رہیں گے اور اللہ تمہیں بیٹا عطا فرمائے گا اور جس کا نام بھی اللہ نے یحییٰ رکھ دیا ہے۔ خدا نے خود نام رکھا ہے یحییٰ۔ بتاؤ یہ کتنا عجیب بیٹا ہو گا فرمایا "یحییٰ" یہ اللہ نے نام رکھا ہے۔ یہ بیٹا تمہارے ہاں پیدا ہو گا۔

فرطِ بشارت میں تعجب خیز سوال:

حضرت زکریا علیہ السلام کو جب بشارت ملی تو تعجب سے پوچھنے لگے میرے ہاں بیٹا کیسے پیدا ہو گا؟ ﴿رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَ امْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ﴾ میں بوڑھا ہوں میری بیوی بانجھ ہے۔ اب یہ اللہ کی قدرت سے اشکال نہیں تھا، اعتراض نہیں تھا وہ سمجھنا چاہ رہے تھے میں بوڑھا ہوں کیا میں جوان ہو جاؤں گا یا

بڑھاپے کی عمر میں خدا دے گا؟ اللہ کیسے بیٹا پیدا ہو گا؟ آپ سمجھ گئے؟ خدا کی قدرت پر اعتراض نہیں تھا وہ سمجھنا چاہ رہے تھے کہ آخر کیسے ہو گا؟

انسانی مزاج مزید اطمینان:

کبھی آدمی کو پورا یقین ہوتا ہے۔ پھر کہتے ہیں یار ہمیں سمجھاؤ آخر یہ ہو گا کس طرح؟ اب اگر آپ کی مسجد ہے، اللہ نہ کرے اس کے اے سی میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے ہم کہیں کہ یہ ہمارے پاس چھوڑ جاؤ! ہم ٹھیک کر دیں گے۔ آپ کہتے ہیں آپ ٹھیک کر دیں گے یہ ہم جانتے ہیں مگر پھر بھی آپ تھوڑا سا سمجھائیں تو سہی۔ تو اس طرح کی باتیں آدمی اطمینان کے لیے کرتا ہے۔

مناظرے میں پشتو زبان کی شرط:

ہمارا ایک دفعہ صوابی میں مناظرہ طے ہو گیا یہ آج سے چار پانچ سال پہلے کی بات ہے۔ جب مناظرہ طے ہوا مجھے وہاں کے ذمہ دار حضرات نے فون کیا انہوں نے کہا کہ مولانا صاحب مناظرہ ہے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان پر مگر ہمارے پاس کوئی پشتو مناظر نہیں ہے۔ تو پھر کیا کریں؟ میں نے کہا آپ مناظرہ طے کریں، پشتو والی شرط میں اڑا دوں گا یہ میری ذمہ داری ہے آپ بس طے کریں اگلا کام میرے ذمے ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری شوریٰ بیٹھی ہے وہ کہتے ہیں مولانا صاحب سے پوچھو وہ یہ شرط کیسے توڑیں گے؟ میں نے کہا یہ میرا مسئلہ ہے تمہارا نہیں، تم مناظرہ طے کرو! وہ کہتے ہیں ہمیں پورا یقین ہے آپ توڑ دیں گے، لیکن یہ تو بتائیں آپ شرط توڑیں گے کیسے؟ بس ہم قلبی اطمینان کے لیے چاہتے ہیں۔

مذکورہ شرط توڑنے کا اصولی قاعدہ:

میں نے کہا میں نے کہہ دیا توڑوں گا آپ تسلی رکھیں۔ انہوں نے کہا پھر بھی آپ ہمیں اشارہ دے دیں۔ میں نے کہا میں ان سے پوچھوں گا ایک میری جماعت ہے

ایک تمہاری جماعت ہے ان دونوں جماعتوں کا مناظرہ ہونا ہے۔ تمہاری یہ جماعت قومی ہے یا صوبائی ہے؟ اگر وہ کہیں گے صوبائی ہے تو میں کہوں گا کہ پنجاب میں گجرات کا رہنے والا تمہارا ناظم اعلیٰ کیسے ہے؟ اگر صوبائی ہے تو پنجاب کے عہدے ختم کرو اگر قومی ہے تو قومی زبان اردو ہے لہٰذا مناظرہ اردو میں کرو۔ یہ سن کر وہ بہت زیادہ خوش ہوئے۔

ازالۂ فکر اور بیٹے کی نشانی:

تو حضرت زکریا علیہ السلام نے پوچھا اے اللہ! یہ کیسے ہو گا؟ بیٹا تو ہونا ہے آپ نے فرمادیا، لیکن کیسے ہو گا؟ ہمیں اس بڑھاپے کے بعد جوانی ملے گی یا بڑھاپے میں آپ دیں گے؟ اللہ نے فرمایا: اسی طرح ہو گا تم فکر نہ کرو، بڑھاپا بھی رہے گا اور بیٹا بھی پیدا ہو گا، ہاں میں تمہیں ایک نشانی دیتا ہوں جب تمہاری اہلیہ امید کے ساتھ ہو جائے گی تو تم اپنی زبان سے بول نہیں سکو گے، یہ بولنا بند ہو جائے گا تم اشاروں سے بات کرو گے، تب سمجھنا کہ تمہارے ہاں امید لگ گئی ہے۔

عورت کو خدا نبی نہیں بناتا:

اب اس میں دوسرا مطلب سمجھیں! واقعہ تو آپ نے سن لیا ہے یہ خلاصہ تھا مریم علیہ السلام کے واقعے کا۔ اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹا ملا۔ ایک بات درمیان میں سمجھ لیں، حضرت مریم علیہا السلام ولیہ ہیں نبی نہیں ہیں۔ خدا نے کسی بھی عورت کے سر پہ تاج نبوت نہیں رکھا۔

فرشتہ اور جن بھی نبی نہیں ہو سکتا:

نہ کسی جن کو نبوت دی ہے، نہ ملائکہ کو نبوت دی ہے، اگر دی ہے تو بشر کو دی ہے اور بشر میں سے بشر کامل کو دی ہے بشر تو انسان ہوتا ہے نا پھر انسانوں میں کامل انسان مرد ہوتا ہے عورت نہیں ہوتی۔

عورت کی عقل اور دین ناقص کیسے ہوتا ہے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کا دین بھی ناقص ہے عورت کی عقل بھی ناقص ہے۔ پوچھا گیا کہ حضور وہ کیسے؟ فرمایا: دین ان کا اس طرح ناقص ہے کہ

- مرد پورا مہینا نماز پڑھتا ہے اور یہ مہینے میں کچھ دن نماز نہیں پڑھتی ہے۔
- مرد رمضان کا پورا مہینا روزے رکھتا ہے اور کچھ دن ان کو روزے چھوڑنے پڑتے ہیں۔

پوچھا گیا کہ عقل کیسے ناقص ہے؟ فرمایا: اگر کسی کیس میں دو مرد ہوں تو عدالت ان کی گواہی قبول کرتی ہے دو عورتیں ہوں تو عدالت گواہی قبول نہیں کرتی۔ دو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تو پھر گواہی قبول کی جائے گی۔ دو عورتوں کو ایک مرد کے قائم مقام رکھا گیا اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری یاد کرا دے۔[48]

پتا چلا کہ ان کی عقل بھی ناقص ہے۔ تو ان کی عقل بھی ناقص ہے اور دین بھی ناقص ہے۔ بتاؤ جو خود ناقص ہے وہ کامل بن کر نبی کیسے بنے گی؟ جو خود کمزور ہے وہ کامل بن کر نبی کیسے بنے گی؟

عورت ہے تو ناقص العقل لیکن......؟:

یہ تو ایک وجہ ہے بہت سی وجوہات ہیں کہ عورت نبی کیوں نہیں بنتی؟ نبی کے کندھے پہ جو نبوت کا بوجھ ہوتا ہے اس کو اٹھانا عورت کے بس میں نہیں ہے یہ مرد ہی اٹھا سکتا ہے عورتوں کے اختیار میں نہیں ہے۔ لیکن ایک بات رسول اکرم صلی اللہ علیہ

48۔ صحیح البخاری، رقم:304

وسلم نے فرمائی کہ یہ ہیں تو ناقص عقل والی لیکن بڑے بڑوں کی عقلیں اڑا کے رکھ دیتی ہیں۔ ان کی اپنی عقل تو ناقص ہے لیکن عقل والوں کی عقلیں اڑا دیتی ہے۔ اللہ فتنے سے حفاظت فرمائے۔

امت کا خطرناک فتنہ...... عورت:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد جتنے بھی فتنے آئیں گے مردوں کے لیے سب سے خطرناک فتنہ میری امت میں عورتوں کا فتنہ ہے، یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔ اس لیے ہم بار بار کہتے ہیں حدود کا خیال رکھو۔

عورت کا مساجد اور عید گاہ میں آنے کا مسئلہ:

اب یہ سلسلہ شروع ہو گیا ہے کہ عورتیں عید گاہ میں لے جاؤ، یہ مستقل فتنہ ہے۔ عورتوں کو مسجد میں نمازوں کے لیے لے آؤ یہ مستقل فتنہ ہے اور آئے دن یہ فتنے بڑھ رہے ہیں۔

عورت کا مسجد میں اعتکاف کرنا:

اب تھوڑے عرصے سے ایک نئی مصیبت شروع ہو گئی ہے کہ عورتوں کو مساجد میں اعتکاف بٹھاؤ! یہ مستقل فتنہ ہے۔ پھر اس میں جو معاشرتی مفاسد اور برائیاں ہیں وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ اس کی وجہ سے کئی ایک ایسے نازیبا اور ناگفتہ بہ واقعات رونما ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔

عورت کی بہترین عبادت گاہ:

عورت کی بہترین عبادت گاہ گھر ہے جس میں عورتیں الگ نماز پڑھیں۔ مسجد میں مت اعتکاف بیٹھیں، گھر میں بیٹھیں۔ عورت جنازہ گاہ میں مت جائے عورت گھر میں بیٹھے۔ آپ تو مسجد عثمانیہ کے اعتکاف کی بات کرتے ہیں" ام حمید الساعدیہ رضی

اللہ عنہا" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیہ ہیں انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میرا جی چاہتا ہے مسجد نبوی میں آپ کی امامت میں نماز پڑھوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سنا فرمایا: "قَدْ عَلِمْتُ أَنَّكِ تُحِبِّيْنَ الصَّلَاةَ." [49]

مجھے پورا یقین ہے کہ تیرا جی چاہتا ہے کہ میرے پیچھے نماز پڑھے لیکن ام حمید سن! عورت کا بند کمرے میں نماز پڑھنا بر آمدے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے جب کہ بر آمدے میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ صحن میں نماز پڑھنا اپنے محلے کی مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور محلے کی مسجد میں نماز پڑھنا مجھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز پڑھنے سے بھی افضل ہے۔

اور یہ آج کا دور...... اُف اللہ:

یہ کس دور کی بات ہے؟ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود مسجد نبوی میں نماز پڑھا رہے تھے۔ اس دور میں بھی عورت کی گھر میں نماز مسجد میں پڑھنے سے افضل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور میں ابتدائی طور پہ عورت کو اجازت دی ہے لیکن بعد میں عورتیں گھر میں نماز پڑھتی تھیں۔ مسجد میں جا کے نماز نہیں پڑھا کرتی تھیں۔

دین کے نام پر بڑے فتنوں کا مقابلہ:

کبھی فتنے دنیا کے نام پہ ہوتے ہیں اور کبھی فتنے دین کے نام پہ ہوتے ہیں۔ دنیا کے نام پہ فتنہ کو سمجھنا بہت آسان ہے اور مقابلہ بھی بہت آسان ہے۔ اور دین کے نام پہ فتنہ کو سمجھنا بھی ذرا مشکل ہے اور اس کا مقابلہ بھی بڑا مشکل ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ عورتوں کے دین کے دشمن ہیں۔ ان بے چاریوں کی اتنی رغبت ہے اور آپ کہتے

49۔ صحیح ابن خزیمۃ، رقم:1689

ہیں مسجد نہ آئیں۔ اس کے بعد جو فسادات کھڑے ہوتے ہیں وہ بیان بھی نہیں کیے جا سکتے۔ آپ حضرات کا ایک محلہ ہے۔ ہمارے پاس دنیا کے لوگ مسائل پوچھتے ہیں پھر رابطے کرتے ہیں پھر بعد میں جو حالات پیش آتے ہیں ان کو اسٹیج پہ بیان کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے۔ میں خدا کی قسم اٹھا کے کہہ رہا ہوں میرے علم میں وہ مسجدیں ہیں کہ عورت اعتکاف کے لیے آئی ہے اور اعتکاف ہی سے دوڑی ہے۔ میں تمہیں کیسے بتاؤں ادھر عورتیں اعتکاف میں ہیں ادھر مرد اعتکاف میں ہیں درمیان میں پتلا سا ایک کپڑا ہے۔ اب بتاؤ فتنہ پھیلے گا یا نہیں پھیلے گا؟ فتنہ پھیل جائے گا آپ کس کس فتنہ کا رونا روئیں گے؟ دین کے نام پہ آنے والے فتنے بڑے مشکل ہیں اور ان کا مقابلہ بھی بڑا مشکل ہے۔ اس پر انسان کو اپنوں کی ملامتیں سننا پڑتی ہیں کہ یہ کوئی مسئلہ بتانے والا تھا؟ یہ کوئی بات کرنے والی تھی؟ اور دنیا میں مسئلے تھوڑے ہیں؟

حضرت حذیفہ بن یمان کی خصوصیت:

میں سمجھتا ہوں ہمارا جو مزاج ہے نا یہ مزاج حذیفی ہے۔ کیا مزاج ہے؟ مزاج حذیفی (سامعین) کچھ آپ بھی سمجھ لیں مزاجِ حذیفی کیا ہے؟ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بن یمان، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور ان کی خصوصیت کیا ہے؟ "صَاحِبُ سِرِّ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدان ہیں۔

فضائلِ اعمال کا ایک واقعہ:

میرا جمعہ بھاگٹانوالہ[50] میں تھا تو تبلیغ والے ساتھی بڑی کثرت سے آتے ہیں میں نے کہا فضائل اعمال کو سمجھ لو الجھنیں ختم ہو جائیں گی اور کاز سمجھ آئے گا۔ شیخ

50۔ "بھاگٹانوالہ" سرگودھا میں ایک جگہ کا نام ہے۔

الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ نے فضائل اعمال میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ مدینہ منورہ میں جب کسی کا جنازہ اٹھتا تو پوچھتے کہ اس جنازے میں سیدنا حذیفہ ہیں یا نہیں؟ اگر بتایا جاتا کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ موجود ہیں تو عمر رضی اللہ عنہ جنازہ پڑھتے ورنہ جنازہ نہ پڑھتے۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دان ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا تھا کہ مدینہ میں کون کون منافق ہیں اور منافق کا جنازہ عمر نہیں پڑھ سکتا۔

قیامت کو اعلان ہو گا:

یہ مولانا الیاس گھمن کی دعوت نہیں ہے یہ فضائل اعمال کی دعوت ہے۔ فرق کیا ہے؟ ہم کھل کر بات کہتے ہیں اور وہ کھل کر بات نہیں کرتے مسئلہ سمجھا دیتے ہیں، اس سے عقل مند آدمی سمجھ سکتا ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مزاج ہے تو میں اور آپ کون ہوتے ہیں کہ ہر کسی کے جنازے میں گھسیں؟ یہ کیا مصیبت پڑی ہے؟ جی ہماری مجبوری ہے، میں نے کہا کہ تمہاری مجبوری ہے ہماری کوئی مجبوری نہیں۔ کل قیامت کو جو الگ کھڑا ہونا ہے تو دنیا میں الگ ہو جاؤ۔ قیامت کو علیحدگی ضروری ہو گی۔ اختیاری علیحدگی کا اجر ملتا ہے اضطراری کا اجر نہیں ملتا۔ قیامت کے دن اعلان ہو گا:﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٩﴾﴾[51]

مجرم الگ ہو جائیں اور نیک الگ ہو جائیں۔

فسادِ عقیدہ کا جرم اور سزا:

عمل کا جرم چھوٹا جرم ہوتا ہے عقیدے کا جرم بڑا جرم ہوتا ہے۔ عقیدے کے معاملے میں ہمارا کوئی سمجھوتہ نہیں ہے۔ ہم دنیا میں بھی کہتے ہیں اور قیامت میں

51۔ یٰسین 59:36

بھی کہ اللہ ہم کو جو ذمہ دے ہم نے گالیاں سن کر بھی اسے پورا کرنا ہے۔ آج مان لو تو کل قیامت کے دن مزے کرو گے نہیں مانو گے تو پھر بھگتنا پڑے گا۔

حکیم الامت تھانوی کا حکیمانہ جواب:

حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کو ایک بندے نے خط لکھا اس نے کہا میں نے ڈاڑھی رکھی ہے لوگ ہنستے ہیں حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے کہا ”آج لوگ ہنستے ہیں کل قیامت کے دن تجھے نہیں رونا پڑے گا آج رکھ لے قیامت میں یہ روئیں گے اور تو ہنسے گا“ اللہ ہمیں بات سمجھنے کی توفیق دے۔

کرامت دیکھ کر خدا سے مانگنا:

خیر جو بات میں سنا رہا تھا وہ یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام ولی ہیں نبی نہیں اور زکریا علیہ السلام نبی ہیں۔ حضرت مریم کو جو یہ کھانا ملا جو یہ پھل ملا اور بغیر موسم کے ملا یہ مریم علیہا السلام کی کرامت ہے اور اس کرامت کو قرآن نے بیان کیا ہے۔ اب جو بندہ کرامتِ اولیاء نہیں مانتا وہ ان کا انکار نہیں قرآن کا انکار کرتا ہے۔ اب قرآن بیان کرے تو کون بندہ کرامت اولیاء کا انکار کر سکتا ہے۔ کرامت کو ہم مانتے ہیں فرق کیا ہے؟ زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کی کرامت کو دیکھا تو مریم سے مانگا یا مریم کے خدا سے مانگا؟ مریم سے نہیں مریم کے خدا کے سے مانگا۔

کرامت کے انکار کا شرعی حکم:

آج جھگڑا ہی یہی ہے عیسائی مریم علیہا السلام سے مانگتا ہے، اب ہم مریم علیہا السلام سے نہیں مریم علیہا السلام کے خدا سے مانگتے ہیں۔ ولی کی کرامت کو دیکھ کر ولی سے مانگنا یہ ”عیسائیت“ ہے، ولی کی کرامت کو دیکھ کر ولی کے خدا سے مانگنا یہ ”اسلام“ ہے۔ ہم کرامت مانتے ہیں لیکن ولی کے خدا سے مانگتے ہیں۔ جھگڑا یہ نہیں ہے کہ کرامت کو نہیں مانتے، کرامت کا انکار تو کفر ہے۔

بہر حال مریم علیہا السلام کی تربیت مکمل ہوئی زکریا علیہ السلام کے ہاں سے چلی گئیں۔ پھر مریم علیہا السلام کے ہاں حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے مریم علیہا السلام نے پردہ کیا کہا تو کون ہے؟ انہوں نے کہا میں انسان نہیں ہوں فرشتہ ہوں۔

حضرت مریم نے کہا کیسے آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ بیٹے کی خوشخبری دینے آیا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ کیسا بیٹا؟ نہ تو میرے پاس کوئی بشر آیا نہ میرا نکاح ہے نہ میں ایسی کوئی گندی عورت ہوں میرے ہاں بیٹا کیسے ہو گا؟ انہوں نے کہا اسی طرح اللہ نے حکم دیا ہے میں خدا کے حکم سے آیا ہوں۔ حضرت جبرائیل امین نے مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک ماری، اسی سے امید لگی، اسی سے بچہ پیدا ہوا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش:

اب مریم علیہا السلام کے ہاں جب ولادت ہونے لگی پیٹ ظاہر ہوا تو مریم علیہا السلام نے کہا یا اللہ! کاش میں اس دن سے پہلے مر جاتی، لوگوں کو میں کیا جواب دوں گی؟ لوگوں کو میں کیا سمجھاؤں گی کہ یہ پیٹ اللہ کی طرف سے ہے، کون میری بات مانے گا؟ اللہ نے فرمایا مریم یہ تمہارے ذمے نہیں ہے بیٹا ہم نے دیا ہے تو گواہی بھی ہمارے ذمے ہے، جب بیٹا پیدا ہو جائے گا تو لوگ پوچھیں گے کہاں سے لائی ہو تو بچے کی طرف اشارہ کرنا کہ مجھ سے نہیں اس سے پوچھو۔

مریم تو نہ بول یہ خود بولے گا۔ مریم علیہا السلام کے پیٹ میں جو بیٹا تھا وہ آ گیا، گود میں ہے لوگوں نے پوچھا مریم یہ کیا؟ تو کس خاندان کی لڑکی ہے یہ کیا کیا؟ اس نے کہا جی میرا تو روزہ ہے چپ کا، چپ کا روزہ اس امت میں تھا اب نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ کی سب سے پہلی بات:

انہوں نے کہا اس سے پوچھو لوگوں نے کہا اس سے پوچھیں؟ یہ بچہ ہے۔ لیکن عیسیٰ علیہ السلام بول پڑے اور فرمایا:

﴿قَالَ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ ؕ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیۡ نَبِیًّا ﴿ۙ۳۰﴾﴾[52]

میں اللہ کا بندہ ہوں، خدا کا کلمہ ہوں اللہ کے حکم سے پیدا ہوا ہوں، اللہ نے مجھے نبوت عطا فرمائی ہے، اللہ تعالی مجھے کتاب دے گا۔ میری ماں تو پاک دامن ہے میری ماں پر کیا الزام لگاتے ہو؟

عیسیٰ علیہ السلام کا دفاع قرآن کی زبان سے:

دیکھو! عیسائیت سے ہم کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر جو الزام لگایا گیا اس کا دفاع بھی خدا کے قرآن نے کیا ہے اگر قرآن دفاع نہ کرتا تو دنیا کی کوئی کتاب موجود نہیں ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کا دفاع کر سکتی ہو۔ عیسائیوں کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو دفاع کرتی۔ ہمارے قرآن نے دفاع کیا۔

میں بات یہ کہہ رہا تھا کہ آل عمران میں عمران کون ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام بھی عمران تھا اور ایک حضرت مریم کے والد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا کا نام بھی عمران تھا اسی نسبت سے اللہ پاک نے اس سورۃ کا نام سورۃ آل عمران رکھا ہے۔ جس کی 200 آیتیں اور 20 رکوع ہیں چند ایک مسائل میں پیش کر رہا ہوں۔

آیات محکمات اور متشابہات کا مسئلہ:

﴿هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ مِنۡهُ اٰیٰتٌ مُّحۡکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡکِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ﴾[53]

محکمات اور مَتَشابہات کا مسئلہ، قرآن کریم نے خود بیان کیا ہے۔ قرآن کریم کی آیات دو قسم کی ہیں بعض آیات محکمات اور بعض مَتَشابہات۔ خوب سمجھ لیں

52۔ مریم 30:19

53۔ آل عمران 7:7

"محکمات" ان آیات کو کہتے ہیں جن کا معنیٰ بڑا واضح ہو اور "مَتشابہات" اسے کہتے ہیں جن کا معنیٰ واضح نہ ہو۔ اللہ پاک فرماتے ہیں:

﴿الٓمّٓ ﴿١﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ ﴿٢﴾ؕ﴾

اس میں ہے ﴿الٓمّٓ﴾ یہ مَتشابہات میں سے ہے اس کا معنیٰ کسی کو معلوم نہیں تو بعض آیات مَتشابہات ہیں کہ جس کا معنیٰ کسی کو معلوم نہ ہو "الم" کا معنیٰ اللہ کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَ ابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِهٖ﴾

جن کے دل میں کجی ہے، جو گمراہ ہیں وہ محکمات نہیں مَتشابہات کو پیش کرتے ہیں امت کو گمراہ کرنے کے لیے۔ مگر وہ لوگ جن کا علم مضبوط ہے وہ اس کا معنیٰ بیان نہیں کرتے، کہتے ہیں ہم ایمان لائے اس کا جو بھی معنیٰ ہے ہم اس کو مانتے ہیں۔ اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔

مَتشابہات میں بحث نہیں کرنی چاہیے:

اچھا عجیب بات ہے کہ پہلے علم والے بحث کرتے تھے اب جاہل بحث کرتے ہیں۔ اللہ پاک فرماتے ہیں علم والا ہو وہ مَتشابہات سے بحث نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے جو اللہ نے فرما دیا وہ حق ہے ہم ایمان لائے ہیں اور جو جاہل ہے جس کے دل میں کجی اور گمراہی ہے وہ مَتشابہات کے پیچھے پڑتا ہے۔ اس سے پتا چلا کہ اب آپ معاشرے میں دیکھتے رہنا جو محکمات کی بات کرے وہ راسخ فی العلم ہے اور جو مَتشابہات کی بات کرے وہ جاہل اور گمراہ آدمی ہے۔ اللہ ہم سب کو گمراہی سے محفوظ رکھے اور اللہ ہم سب کو محکمات پر عمل کرتے ہوئے ایمان کی نعمت عطا فرمائے۔ (آمین) محکمات کی بات کرنی

چاہیے اور متشابہات میں بحث نہیں کرنی چاہیے۔

ہمارا مذہبی تعارف:

ہمارے ہاں بہت سے لوگوں نے اپنے نام رکھے ہیں کوئی کہتا ہے میرا فلاں نام ہے، کوئی کہتا ہے میرا یہ نام ہے، کوئی کہتا ہے میرا یہ نام ہے۔ ہمارا نام ہے اهل السنة والجماعة۔ کیا نام ہے؟ اهل السنة والجماعة۔ تفسیر الدر المنثور میں ہے کہ جب یہ آیت اتری: ﴿يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ﴾[54] کہ قیامت کے دن بعض کے چہرے سفید ہوں گے اور بعض کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! جن کے چہرے سفید ہیں وہ کون ہیں اور جن کے چہرے سیاہ ہیں وہ کون ہیں؟ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن کے چہرے سفید ہیں وہ اهل السنة والجماعة ہیں اور جن کے چہرے سیاہ ہیں وہ اہل بدعت ہیں۔ اہل بدعت کا چہرہ سیاہ ہو گا اور اهل السنة والجماعة کا سفید ہو گا۔[55]

اہل السنۃ والجماعۃ کا معنیٰ؟:

اهل السنة والجماعة کا مطلب کیا ہے؟ اهل السنة والجماعة کا معنیٰ سمجھیں۔ سنت سے مراد پیغمبر کی ذات اور والجماعت سے مراد جماعتِ صحابہ۔ اب اهل السنة والجماعة کا مطلب یہ ہے کہ جو حدیث پیغمبر سے لے اور حدیث کا معنیٰ پیغمبر کے صحابی سے لے۔ یہ اهل السنة والجماعة ہے۔

لفظ اور معنیٰ دونوں صحابی سے:

اب جو لفظ صحابی سے لے اور معنیٰ وہابی سے لے وہ اهل السنة والجماعة میں

54۔ آل عمران 106:3

55۔ تفسیر الدر المنثور: ج2 ص111 ص112

نہیں۔ ہم لفظ صحابی سے لیتے ہیں اور معنیٰ بھی صحابی سے لیتے ہیں اس طرح ہم اہل سنت والجماعت ہیں۔ میں دو مثالیں دیتا ہوں تا کہ مسئلہ آپ پر کھل جائے۔

نماز جنازہ کے بعد دعا کا مسئلہ:

ایک شخص مجھے کہنے لگا کہ جنازے کے بعد دعا مانگنی چاہیے؟ میں نے کہا کہ آپ کا کیا خیال ہے؟ کہتا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں مانگ لینی چاہیے میں نے کہا دلیل کیا ہے؟ کہتا ہے کہ حدیث موجود ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلِصُوا لَهُ الدُّعَاءَ." [56]

جب تم میت پر جنازہ پڑھو تو دعا اخلاص سے مانگنا۔ دیکھو! جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب جنازہ پڑھو تو دعا اخلاص کے ساتھ مانگنا۔ جنازہ پہلے ہے اور دعا بعد میں ہے۔ دیکھو حدیث میں آگیا میں نے کہا بالکل آگیا۔ کہتا ہے کہ پھر کیوں نہیں مانگتے؟ میں نے کہا کہ اگلی حدیث پڑھ! حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود حدیث کے راوی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلّٰى عَلَى الْجَنَازَةِ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا. اَللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيْمَانِ. " [57]

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میت پر جنازہ پڑھتے تو دعا مانگتے۔ میں نے

56۔ مشکوۃ المصابیح، رقم:1674

57۔ مشکوۃ المصابیح، رقم:1675

کہا: آپ کا کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب جنازہ پڑھو تو دعا مانگو، اس کا معنیٰ بعد میں صحابی فرماتے ہیں" جب اللہ کے نبی میت پر جنازہ پڑھتے تو دعا مانگتے"۔ اب دعا جنازہ کے بعد ہے تو بات تیری ٹھیک اگر جنازہ میں ہے تو بات میری ٹھیک۔ ایک بات پر قائم رہو خود کیوں معنیٰ بیان کرتے ہو؟ معنیٰ صحابی سے لو۔ اھل السنۃ والجماعۃ کسے کہتے ہیں کہ حدیث صحابی سے لیں اور حدیث نبی کی ہو اور معنیٰ صحابی سے۔

ڈاڑھی کا مسئلہ:

اسی طرح ایک شخص کہنے لگا ڈاڑھی کتنی رکھتے ہو؟ میں نے کہا ایک مٹھی۔ لمبی کیوں نہیں رکھتے؟ میں نے کہا کہ تم بتا دو! آپ کبھی بھی اپنے ذمے دلیل نہ لیا کرو دلیل مخالف کے ذمے لگاؤ اور خود سوال کرو۔ آپ دلیل اپنے ذمے لیتے ہیں وہ اعتراض شروع کر دیتا ہے پھر آپ کو جواب دینا پڑتا ہے پھر ہمارا فون نمبر تلاش کرتے ہیں جب فون نہیں ملتا تو کہتے ہیں کہ اچھا عجیب بندہ ہے۔

چلیں میں مسئلہ سمجھاتا ہوں۔ میں نے کہا کہ جی آپ فرمائیں، کہتے ہیں حدیث پاک میں آیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَفِّرُوا اللُّحَى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ." [58]

مشرکین کی مخالفت کرو، ڈاڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹاؤ!

تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ڈاڑھی بڑھاؤ! میں نے کہا کہ آگے حدیث پڑھ۔ اس میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل یہ تھا:

58۔ صحیح البخاری، رقم:5892

"وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلَى لِحْيَتِهِ فَمَا فَضَلَ أَخَذَهُ." [59]

ڈاڑھی اپنی مٹھی میں لیتے جو بڑھ جاتی تراش دیتے۔ میں نے کہا ہم نے معنیٰ صحابی سے لیا ہے تم نے وہابی سے لیا ہے۔ اھل السنۃ والجماعۃ کا معنیٰ سمجھ گئے؟

فتنوں سے بچیے:

بہت سے حضرات کو میرے بعض جملوں پہ شبہ ہوتا ہے اس لیے کہ ان کے گھر میں فتنہ نہیں آیا۔ جب تمہارے گھر میں آیا تو پھر تم نے کہنا ہے مولانا گھمن صاحب کا نمبر تو دیں۔ یہ پورے ملک کا رواج ہے۔

ہم خالص دین سمجھ کر یہ بات کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کے گھر میں فتنہ ہوتا ہے تو پھر متحرک ہوتے ہیں ہم گھر میں فتنہ آنے سے پہلے پوری امت کی فکر کرتے ہیں اللہ ہمیں فتنے سے امت کو بچانے کی توفیق عطا فرمائے۔

حذیفی مزاج کیا ہے؟

ایک بات درمیان میں رہ گئی وہ کہہ دوں میں نے کہا کہ ہمارا کام کون سا ہے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ والا، ہمارا کام کون سا ہے؟ حذیفی۔ حذیفی کا مطلب کیا ہے؟ صحیح بخاری میں روایت ہے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُوْنَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَيْرِ وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِي." [60]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کی باتیں پوچھتے اور میں شر کی پوچھتا۔ وہ خیر کی پوچھتے تاکہ عمل کریں میں شر کی پوچھتا تاکہ

59۔ صحیح البخاری: کتاب اللباس، تحت باب تقلیم الاظفار

60۔ صحیح البخاری، رقم:3606

امت کو بچالوں۔ یہ ہے مزاجِ حذیفی اور یہ بڑا مشکل کام ہے۔ خیر کی باتیں کہنے پر شاباش ملتی ہے اور شر سے بچانے پر اپنے بھی ملامت کرتے ہیں۔ یہ بات کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ لو پھر مسئلے شروع کر دیے۔ یہ مزاج حذیفی ہے اور ملامت کی پرواہ کیے بغیر بیان کرنا بڑے حوصلے کا کام ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو فتنوں کے خلاف کام کرے گا قربِ قیامت اللہ اسے جہاد کا اجر عطا فرمائیں گے۔

دورِ حاضر میں قرعہ اندازی کا مسئلہ:

خیر جو مسئلہ میں سمجھا رہا تھا عنوان ہے ناذہن میں؟ حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت میں جو قرعہ اندازی ہوئی ہے۔ آج قرعہ اندازی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس کو اچھی طرح سمجھ لیں بعض چیزوں کے اسباب شریعت نے مقرر کر دیے ہیں ان پر قرعہ اندازی جائز نہیں۔ جن کے اسباب شریعت سے مقرر نہیں کیے گئے بندے کی رائے کے سپرد ہے ان پر قرعہ اندازی جائز ہے۔

میں ذرا تفصیل سمجھاتا ہوں۔ مثلاً اب بیٹی کا حصہ ایک گنا بیٹے کا حصہ دو گنا شریعت نے مقرر کر دیا اب باپ فوت ہو گیا ایک بیٹی ہے اور ایک بیٹا ہے۔ وراثت میں دو حصے بیٹے کو اور ایک حصہ بیٹی کو ملے گا۔ بعض کہتے ہیں نہیں یار قرعہ اندازی کر لو۔ اگر قرعہ نکل آئے تو بیٹی یہ لے لے اگر نہیں تو بیٹا۔ اب قرعہ اندازی جائز نہیں ہے شریعت نے طے کر دیا کہ بیٹے کا اتنا اور بیٹی کا اتنا ہے۔ اب کوئی قرعہ اندازی نہیں۔

قرعہ اندازی کس چیز میں ہو سکتی ہے؟ اب بات سمجھنا اس میں قرعہ اندازی ہو سکتی ہے کہ باپ نے ایک ہی قیمت کے پانچ پانچ مرلے کے تین پلاٹ چھوڑے ہیں اب ان میں سے دو پلاٹ بیٹے کے ہوں گے اور ایک پلاٹ بیٹی کا۔ بیٹی کو کون سا دیں؟ یہ تو شریعت نے نہیں بتایا۔ اب اس میں قرعہ اندازی کر سکتے ہیں۔ بھئی اب قرعہ ڈال لو ایک دو تین نمبر نکال لو اب نمبر طے کر لیں جس کے نام پر قرعہ نکلے وہ پلاٹ لے

لے۔ اب اس میں قرعہ اندازی جائز ہے۔ بات سمجھ آگئی۔ وراثت کے حصے مقرر ہیں اس میں قرعہ اندازی جائز نہیں لیکن کون کون سا پلاٹ لے اس پر قرعہ اندازی جائز ہے۔ اس میں اعتراض کی بات ہی نہیں ہے۔ میں بات یہ کہہ رہا تھا کہ جن چیزوں کے اسباب مقرر ہیں ان میں قرعہ اندازی جائز نہیں ہے۔ جن کے اسباب بندے کی رائے کی سپرد ہیں ان میں جائز ہیں۔ میں مثال پھر دیتاہوں تاکہ بات آپ پر کھل جائے۔

ایک باپ کے دو بیٹے ہیں اور باپ نے کہا کہ میں دونوں کو عمرہ کرواؤں گا، ٹھیک ہے؟ اب اس میں قرعہ اندازی کی کیا ضرورت ہے کہ جس کا قرعہ نکلے وہ جائے جس کا نہ نکلے وہ نہ جائے۔ جانا تو دونوں نے ہی ہے اب قرعہ اندازی کس پر ہے؟ قرعہ اندازی اس پر ہے کہ پہلے کون جائے گا، اس پر قرعہ اندازی کرلو۔

قرعہ اندازی میں رسول اللہ کا عمل:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات 9 ہیں۔ اب سفر میں جائیں تو کس بیوی کو لے کر جائیں۔ فرمایا کہ قرعہ اندازی کرلو جس کا نام نکلا وہ چلی جائے اور جس کا نام نہ نکلے وہ نہ جائے۔ جانا تو کسی ایک نے ہی ہے سب نے تو نہیں جانا۔ میں بتا یہ رہا تھا کہ جس کے اسباب متعین ہوں اس پر قرعہ اندازی جائز نہیں ہے۔ اور جس کے اسباب آدمی کی رائے کے سپرد ہو اس پر قرعہ اندازی جائز ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ اٹھالیا تھا:

﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰۤى اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾﴾

یہاں ایک اور مسئلہ سمجھیں! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں

مسلمانوں کا نظریہ اور عقیدہ یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھالیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب یہودی پکڑنے لگے مارنے کے لیے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہاں سے چلے گئے، ایک کمرے میں جا کر چھپ گئے، جو یہودی گرفتار کرنے کے لیے گئے تھے ان میں سے ایک کی شکل کو خدا نے عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ بنادیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ اب جب یہ باہر نکلا تو کہنے لگا: عیسیٰ علیہ السلام تو اس کمرے میں نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تم خود ہی تو ہو عیسیٰ ہو اور کہتے ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام کمرے میں نہیں ہیں۔ کہنے لگے کہ اسے پکڑو اور سولی پہ چڑھادو۔ چنانچہ اسے پکڑا اور سولی پر چڑھادیا۔ عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ قرآن کہتا ہے: ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ﴾[61]

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں تھے بلکہ عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ تھا۔ اللہ نے اس کی شکل عیسیٰ علیہ السلام جیسی بنادی۔ جو اللہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھاسکتے ہیں کیا وہ شکل ایک جیسی نہیں بناسکتے۔ یہ کوئی ظلم بھی نہیں ہے یہ نبی کے قاتل تھے ان کو تو ایک کو نہیں سب کو مارنا چاہیے تھا۔ یہ تو خدا کا کرم ہے کہ ایک مارا باقی سب بچ گئے یہ تو سارے لوگ نبی کو قتل کرنے کے لیے گئے تھے۔ ان کا تو اتنا بڑا جرم تھا اس میں سارے مر جاتے تو کیا فرق پڑتا؟

غامدی فتنے کے خدوخال:

جو مسئلہ میں نے سمجھانا ہے ذرا وہ سمجھیں! ہمارے ہاں پاکستان میں ایک بہت بڑا فتنہ ہے- اللہ پاک ہم سب کی حفاظت فرمائے- پاکستان سے تو وہ چلا گیا ہے لیکن کچھ اپنی باقیات اور کچھ فتنے باقی چھوڑ گیا ہے اس شخص کا نام جاوید احمد غامدی ہے۔ غامدی

61۔ النساء4:157

چلا گیا ہے پاکستان سے دوڑ گیا ہے ملائیشیا ڈیرہ لگالیا ہے۔

جن دنوں حرمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ تھا اُن دنوں میں اس نے فتویٰ دیا تھا کہ توہین رسالت کا مرتکب واجب القتل نہیں ہے۔ اس پر یہ دلائل دے کر کافروں کو خوش کر رہا تھا۔ ان ہی دنوں میں یہ دوڑ گیا۔ میں نے کہا یہ سمجھتا ہو گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیوانہ مجھ تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ وہ یہاں سے چلا گیا کہ دیوانہ کوئی نہ پہنچے، مگر ملک الموت تو وہاں بھی پہنچے گا۔ آدمی موت سے بچ سکتا نہیں ہے بہتر ہے اپنے نظریات کی اصلاح کرے۔

وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام کا غامدی نظریہ:

جو بات میں نے سمجھانی ہے ذرا اس کو سمجھیں۔ یہ میں نے براہ راست غامدی کا نیٹ پہ بیان سنا ہے۔ وہ کیا کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر موت آئی ہے، پھر اللہ نے آسمان پہ اٹھایا ہے۔ ہمارا عقیدہ کیا ہے؟ کہ موت نہیں آئی ہے بلکہ اللہ نے زندہ آسمان پر اٹھالیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ان پر موت آئی ہے، وہ زندہ نہیں ہیں۔ دلیل کیا ہے قرآن کریم میں ہے:

﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَىَّ وَ مُطَهِّرُكَ﴾

کہتا ہے کہ اللہ نے فرمایا: ﴿يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ﴾ عیسیٰ! میں تجھے وفات دوں گا، ﴿وَ رَافِعُكَ اِلَىَّ﴾ اور تجھے آسمان پر اٹھالوں گا۔ کہتا ہے: دیکھو! خدا نے پہلے وفات کی بات کی ہے پھر اٹھانے کی بات کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اے عیسیٰ! میں تجھے موت دے دوں گا، آسمان پہ اٹھاؤں گا، تیری لاش کی بے حرمتی کافر نہیں کر سکے گا، ہم تیری لاش کو اٹھائیں گے اور تجھے محفوظ رکھیں گے۔ اس سے پتا چلا کہ پہلے موت بھی ہے پھر اوپر اٹھایا ہے۔ یہ ہے اس کی دلیل کا خلاصہ۔

غامدی کے نظریے کی تردید:

میں اس کی دلیل کا جواب دینے لگا ہوں اب دیکھو! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مسئلہ کیا تھا، جب عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے یہودی دوڑے عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر کے قتل کرنے کے لیے۔ عیسیٰ علیہ السلام ایک کمرے میں چھپ گئے۔ اب اللہ پاک نے عیسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی ہے۔ اے عیسیٰ! آپ نے گھبرانا نہیں ہے، ﴿اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ﴾ موت تو میرے اختیار میں ہے یہ تجھے نہیں مار سکتے۔ موت تو میں نے دینی ہے۔ بات سمجھ آرہی ہے؟ اب عیسیٰ علیہ السلام عرض کرتے ہیں یا اللہ موت تو آپ کے اختیار میں ہے آپ ہی دیں گے میں سمجھتا ہوں لیکن یہ تو باہر آگئے ہیں۔ تو اس موقع پر ﴿اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ﴾ کہہ کر تسلی دی ہے اور ﴿وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ﴾ کہہ کے اٹھا لیا ہے۔

تسلی آمیز کلمات کا استعمال:

میں آپ کی مسجد میں بیان کر رہا ہوں، اللہ نہ کرے باہر پولیس آجائے اب میں آپ حضرات سے کہتا ہوں دیکھو باہر پولیس آگئی ہے، مجھے گرفتار کرنا چاہتی ہے، آپ کہیں گے مولوی صاحب تسلی رکھو ہمارے ہوتے ہوئے آپ کو کچھ نہیں ہو گا۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے دروازے پہ کھڑی ہے۔ آپ کہتے ہیں جی نہیں پکڑتی میں کہتا ہوں اچھا جی پھر آپ کیا کرو گے؟ قاری صاحب کہتے ہیں پیچھے دیکھو یہ دروازہ ہے۔ آپ یہاں سے آجاؤ اب دیکھو تسلی ہو گئی یا نہیں۔

پس منظر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا:

حضرت عیسیٰ سے اللہ نے فرمایا: ﴿اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ﴾ عیسیٰ! وفات میں نے دینی ہے یہ یہودی تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اے اللہ یہ تو باہر کھڑے ہیں، فرمایا: ﴿وَ

رَافِعُكَ اِلَیَّ﴾ اچھا! تو ہم اٹھا لیتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں تجھے مارتے کیسے ہیں، تو پہلے ﴿اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ﴾ کہہ کر تسلی دی ہے اور پھر ﴿وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ﴾ کہہ کے اٹھا لیا ہے۔ اب بتاؤ قرآن سمجھنا کیا مشکل ہے؟ اگر یہ سارا پس منظر آدمی کے ذہن میں ہو تو معاملہ بالکل الگ ہے۔ پس منظر کو چھوڑ دو تو پہلے اور آگے معاملہ الگ ہو گا۔

عیسیٰ علیہ السلام سے متعلقہ چند عقائد:

- ہمارا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا نے زندہ آسمان پر اٹھایا ہے۔
- قرب قیامت اللہ پاک عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ دنیا میں نازل فرمائیں گے۔
- وہ خلافت کا نظام قائم کریں گے۔
- اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو گی۔
- مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارکہ میں دفن ہوں گے
- آج بھی وہاں چوتھی قبر کی جگہ خالی ہے، جہاں عیسیٰ علیہ السلام نے جانا ہے۔

مسیح موعود کی چار علامتیں:

چنیوٹ میں ہمارا جلسہ تھا ختم نبوت کے عنوان پر۔ مجھ سے قبل ایک بہت بڑے عالم نے بیان فرمایا۔ فرمانے لگے، بھئی چنیوٹ والو ایک دلیل سمجھو یہ مرزائی کہتے ہیں کہ غلام احمد قادیانی کہتا ہے میں عیسیٰ ہوں یہ جھوٹ بولتا ہے۔ ایک دلیل سمجھو کہ ایک روایت میں آتا ہے مسند ابو یعلیٰ الموصلی کی روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام جب آئیں گے:

- حاکم عادل بنیں گے، حکومت کریں گے۔
- خنزیر کو قتل کر کے یہودیت کو ختم کر دیں گے۔
- صلیب توڑ کے عیسائیت کا وجود ختم کر دیں گے۔

❁ مال اتنا عام ہو گا کوئی بندہ نہیں لے گا۔

یہ چار نشانیاں ہیں۔ اور مرزا کے دور میں نہ وہ حاکم عادل بنا، نہ یہودیت مٹی، نہ عیسائیت مٹی نہ مال عام ہوا تو پتا چلا کہ یہ مرزا عیسیٰ نہیں ہے۔

پانچویں علامت بھی بیان کی جائے!:

اس کے بعد میرا بیان تھا میں نے کہا کہ قبلہ! یہ بات ہم مانتے ہیں لیکن اس حدیث میں پانچویں علامت بھی ہے وہ بھی ارشاد فرمائیں! دو بندوں کی وجہ سے کیوں چھوڑ دی ہے؟ وہ بھی بیان کریں اسی حدیث میں ہے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے حاکم عادل بن کے، یہودیت کو مٹا دیں گے، عیسائیت کو ختم کر دیں گے، مال عام ہو جائے گا اور پانچویں نشانی یہ ہے:

"ثُمَّ لَئِنْ قَامَ عَلٰى قَبْرِيْ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! لَأُجِيْبَنَّهُ." [62]

پھر میری قبر پہ آئیں گے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہیں گے اور میں جواب دوں گا۔ میں نے کہا یہ تو مدینہ گیا ہی نہیں۔ یہ پانچویں نشانی بھی بیان کرو۔

مگر وہ نہ سمجھیں میری بزم کے قابل نہ رہا:

ہماری یہ نشانی ہے ہم چند لوگوں کی وجہ سے مسئلہ چھپاتے نہیں پورا مسئلہ بیان کرتے ہیں، اگر پورا بیان کرنا ہے تو اسٹیج پر بیٹھیں نہیں تو ہماری جان چھوڑیں۔ ہم اپنا مسئلہ کیوں چھپائیں کہ یہ ناراض ہو گا وہ ناراض ہو گا پوری دنیا ناراض ہو جائے خدا ناراض نہ ہو۔

لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار و تمکیں
وہ نہ سمجھیں کہ مری بزم کے قابل نہ رہا

62۔ مسند ابی یعلیٰ الموصلی: ص 1149 رقم الحدیث 6577

لوگوں کے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے آج آپ راضی ہیں کل روٹھ جائیں تو کیا ہو گا؟ کچھ بھی نہیں ہوتا بس اپنے مولا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض نہ کرو۔ دنیا کی محبت کچھ بھی نہیں ہے اللہ کی قسم اگر خدا اور حبیب خدا راضی ہیں، تو پوری دنیا تمہاری غلام ہے۔ اگر وہ ناراض ہیں تو پھر دنیا کی غلامی ہم نے کرنی ہے۔ اللہ ہم سب کو بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

میں زمانے پہ چھا گیا:

ہمارے شیخ عارف باللہ حضرت اقدس الشاہ حکیم محمد اختر رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جگر شاعر گزرا ہے۔ آپ نے سنا ہے؟ آپ ہم سے زیادہ شاعری پڑھتے ہیں جگر نے کہا تھا:

میرا کمالِ شعر بس اتنا ہے اے جگر
وہ مجھ پہ چھا گئے ، میں زمانے پہ چھا گیا

خدا کی بات میں نے مانی ہے، زمانے نے بات میری مانی ہے۔ اس کی غلامی کرو دنیا میں شاہی کرو گے کچھ فرق نہیں پڑتا اگر لوگ ناراض ہو جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگ ناراض تھے مکہ سے نکالا، وہاں ناراض ہوئے مدینے والے۔ لیکن پھر ایک دور آیا مکہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ مکہ مدینہ کیا، پورا عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟

غلامی رسول کامیابی کا ذریعہ ہے:

بس حضور کی غلامی کرو۔ اللہ کی قسم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کرو، پورا زمانہ آپ کا ہے۔ دو چار لوگوں کے ناراض ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ ناراض ہو بھی جائیں، دنیا میں تھوڑی سی ذلت اٹھانی بھی پڑ جائے تو کوئی بات نہیں، قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں گے یہ میرا ہے۔ بتاؤ اور کیا چاہیے؟

کفار سے تعلقات کی اقسام:

ایک اور مسئلہ قرآن کریم میں ہے:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾[63]

یہ مسئلہ قرآن کریم نے کئی مقام پر بیان کیا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ﴾[64]

کفار سے تعلق رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ مسئلہ سمجھ لیں تعلقات کی چار قسمیں ہیں:

1) موالات

2) مواسات

3) مدارات

4) معاملات

- موالات کا معنیٰ ہوتا ہے دل سے دوستی۔
- مواسات کا معنیٰ ہے دل میں تو دوستی نہیں ہے مگر بوقت ضرورت غم خواری اور فکر ہے۔
- مدارات کا معنیٰ کیا ہے؟ غم خواری تو نہیں ہے مگر رکھ رکھاؤ ہے۔
- معاملات کا معنیٰ ہے تجارت، لین دین، مزدوری نوکری، ملازمت وغیرہ۔

موالات کا حکم:

جہاں تک تعلق "موالات" کا ہے یہ تو چھوٹے سے چھوٹے کافر اور بڑے

63۔ آل عمران 28:7

64۔ المائدۃ 51:5

سے بڑے کافر سے بھی جائز نہیں ہے، موالات دل سے دوستی اور دل سے یارانہ۔

مواساتکاحکم:

مواسات یہ بوقت ضرورت ہوتی ہے۔ آپ کے علاقے میں ایک عیسائی ہے اس کا باپ مر گیا ہے تو کچھ ہمدردی کے بول تو بولنے چاہییں۔ بھئی تمہارا باپ مرا ہے اس کے مرنے پر ہمیں بھی دکھ ہے۔ ہمیں بھی افسوس ہے۔ بیٹا تھوڑا سا دل بڑا رکھو جو آیا اس نے جانا ہے۔ یہ غم خواری کے لفظ تو کافر کو بھی کہے جا سکتے ہیں۔

مدارات کا حکم:

"مدارات" کا معنٰی ہے خاطر تواضع، رکھ رکھاؤ اس کا مطلب کیا ہے؟ آپ بازار میں رہتے ہیں بازار میں ایک کافر ہے وہ طاقت میں آپ سے مضبوط ہے۔ اس کے شر سے بچنے کے لیے آپ جب گزریں تو کہتے ہیں کیا حال ہے شیخ صاحب؟ کیا حال ہے ملک صاحب؟ چوہدری صاحب ٹھیک ہو؟۔ اب نہ یہ محبت ہے نہ غم خواری ہے۔ یہ صرف رکھ رکھاؤ ہے اور شریعت نے اس کی اجازت دی ہے۔ وہ بھی اس کے شر سے بچنے کے لیے۔ جب شر سے بچنا ہو تو پھر گنجائش ہے ورنہ ایسی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

معاملات کا حکم:

معاملات اور تجارت کافر سے جائز ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ نے "معارف القرآن" میں لکھا ہے کہ کافر سے تجارت جائز ہے بشرطیکہ تجارت کی وجہ سے مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچے۔ مثلاً آپ کافر کو اسلحہ بیچیں، یہ ناجائز ہے کیونکہ اس سے مسلمانوں کی طاقت کمزور ہو گی۔ ایک ایسے کافر کا مال خریدیں جو اپنے مال کا کچھ فیصد کفر کی حمیت میں اسلام کے خلاف خرچ کرتا ہو جیسے مرزائی اور قادیانی ہیں، اب ان کی مصنوعات کو خریدنا بھی ناجائز ہو گا۔ تو ایسی تجارت جس سے مسلمانوں کو نقصان نہ ہو، کافر کے ساتھ بھی کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

راہ خدا میں اپنی پسندیدہ چیز خرچ کرو!:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾[65]

قرآن کی آیت اتری اگر تم اللہ کی محبت چاہتے، ہو اگر تم صحیح نیکیاں چاہتے ہو تو پھر وہ مال خرچ کرو جو تمہیں سب سے زیادہ پسند ہے۔ وہ سارا خرچ نہ کرو ان میں سے کچھ خرچ کرو۔

صحابہ کا عمل بالقرآن کیسا تھا؟:

اب صحابہ کا ایمان دیکھو! جب یہ آیت اتری ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میری باندی پورے مال میں مجھے سب سے زیادہ پسند ہے، یہ اللہ کے نام پر آزاد ہے۔ یہ سب سے بڑی قربانی ہے۔ دولت قربان کرنی آسان ہوتی ہے اور عورت کی قربانی دینا بہت مشکل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورت کی قربانی دی ہے۔ تو عرض کیا کہ یہ کنیز اور باندی ہے جو مجھے بہت پسند ہے، اللہ نے آیت اتاری ہے تو میں نے اسے خدا کے نام پہ قربان کر دیا۔

حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ انصار میں سے سب سے زیادہ مال دار تھے۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کنواں یہ جو باغ ہے مجھے بہت پسند ہے۔ جس کا تذکرہ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ باب عبدالمجید سے داخل ہوں تو کارپٹ کے نیچے تین گول دائرے کے نشانات بنے ہوئے ہیں۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے باغ اور تین کنوؤں کے نشانات۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ آیت اتری تو انہوں نے کہا مجھے سب سے زیادہ یہ کنویں اور یہ باغ محبوب ہے میں یہ اللہ کے نام پر قربان کرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوں نہ کرو تم یوں

65۔ آل عمران 92:3

صدقہ کرنے کے بجائے اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔ صدقے کا ثواب بھی ملے گا اور صلہ رحمی کا ثواب بھی ملے گا۔

صدقہ اور غریب رشتہ داروں سے صلہ رحمی:

اچھا ایک واقعہ بڑا عجیب لکھا ہے مفسرین نے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنا گھوڑا لے کر آئے اور کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پورے مال میں سے یہ گھوڑا سب سے زیادہ مجھے عزیز ہے۔ اللہ کے نام پہ یہ صدقہ کرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لیا اور ان کے بیٹے اسامہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کے حوالے کر دیا۔ والد سے لیا اور بیٹے کے حوالے کر دیا۔

انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میرے دل میں تھوڑی سی خلش ہے کہ میں نے مال تو دیا تھا صدقہ کرنے کے لیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی میرے بیٹے کو دے دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہارا صدقہ بھی ہے اور یہ صلہ رحمی بھی ہے، تمہارے ثواب میں کوئی بھی کمی نہیں آئی۔ اس سے پتا کیا چلا؟ غریبوں پر صدقہ بڑے شوق سے کرو، غریب رشتے داروں کو ذرا مقدم رکھو۔ خاندان میں غریب رشتے دار ہو اس کو پاؤں پہ کھڑا کرو۔ غریب کو صدقہ دینا آسان ہے اور غریب رشتہ داروں کو پاؤں پہ کھڑا کرنا بہت مشکل ہے۔ اس میں بندے کی کچھ رقابت اور کچھ رشتہ داری آڑے آتی ہے۔ پھر اس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب فرمائی ہے۔ اللہ ہمیں بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

منکرین حیات النبی کی شرعی حیثیت:

میں نے ایک مسئلے کا وعدہ کیا تھا اب میں وہ عرض کرتا ہوں۔ آپ ذرا توجہ رکھیں! یہ ہمارا عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ جو اللہ کے نبی

کو قبر میں زندہ نہ مانے:

- وہ اھل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہے۔
- وہ بدعتی اور گمراہ ہے۔
- ایسے شخص کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔
- اگر آپ نے نمازیں پڑھی ہیں تو ان کو لوٹانا آپ کے ذمہ ہے۔

مسئلہ بتانا ہمارا فرض ہے۔ آپ لوٹائیں تو آپ کی مرضی آپ نہ لوٹائیں تو آپ کی مرضی۔ ہم کل قیامت کے دن اپنے کندھے پہ یہ جرم نہیں لے کے جائیں گے کہ اللہ ہم نے مسئلہ چھپالیا تھا۔

شہید زندہ ہوتا ہے:

قرآن کریم میں یہ موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾﴾[66]

جو اللہ کے راستے میں قتل ہو جائے ان کو مردہ گمان نہ کرو بلکہ یہ زندہ ہیں اور ان کو خدا کے ہاں سے رزق بھی ملتا ہے۔ ہمارا نظریہ ہے کہ شہید کو یہ مقام نبی کی اطاعت کی برکت سے ملا ہے۔

باجماعت نماز کی ادائیگی میں امام کا اجر بھی شامل ہے:

اگر یہ زندہ ہے تو نبی بھی زندہ ہے۔ حدیث مبارک میں ہے ایک آدمی جماعت کے ساتھ نماز پڑھے 27 گنا اجر ملتا ہے۔ یہ اجر مقتدی کا بتایا ہے یا امام کا؟ (مقتدی کا) اگر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم امام کا اجر بتاتے تو مقتدی کا سمجھ میں نہیں

66۔ آل عمران 169:3

آنا تھا۔ لوگ کہتے وہ تو امام ہیں وہ تو قاری صاحب، مولانا صاحب ہیں نماز پڑھائی ہے تو ثواب ملا ہے۔ ہم نے تو پڑھی ہے ہمیں کیسے 27 گنا۔ مقتدی کا بتایا اور امام کا سمجھ آیا۔

اگر قرآن کہتا نبی زندہ ہے تو لوگ شہید کو زندہ نہ مانتے۔ شہید کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کیا حیثیت ہے؟ اللہ نے شہید کا مقام بتایا تو نبی کا مقام سمجھ آیا

ایک شخص میرے پاس آیا عید الفطر کی بات ہے انہوں نے کہا مولانا صاحب! قرآن میں ہے شہید زندہ تو ہے لیکن ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ اللہ کے پاس زندہ ہے۔ میں نے کہا اللہ کہاں پر ہے؟ کہتا ہے اللہ تو ہر جگہ پر ہے۔ وہ تھک گیا پھر اس سے جواب نہیں بن پڑا۔ کیونکہ اتنا تو رٹا ہوا تھا طوطے کی طرح وہ رٹا بازی ختم ہو گئی۔

اختیارات اور نسبت کا معاملہ:

میں نے کہا ذرا یہ اصول سمجھ لیں، پھر مسئلہ سمجھاتا ہوں۔ اصول یہ کہ ہے اگر کوئی چیز ایسی ہو جو بندے کے اختیار میں ہو تو نسبت بندے کی طرف ہوتی ہے اور جو بندے کے اختیار میں نہ ہو اللہ کے اختیار میں ہو تو اس کی نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے۔ اصول سمجھ آ گیا؟ میں کچھ مثالیں سے دوں گا۔ آپ کو بات سمجھ آئے گی۔

[1]: قرآن کریم میں ہے: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾[67]

دین اللہ کے پاس اسلام ہے تو کیا تمہارے نزدیک اسلام نہیں ہے؟ عند اللہ کا مطلب یہ ہے کہ دین میں رد وبدل کا اختیار بندے کو نہیں ہے۔ نسبت خدا کی طرف کی ہے کہ عند اللہ دین اسلام ہے۔

[2]: میں قرآن کی مثالیں دے رہا ہوں، سورۃ آل عمران میں جب اللہ نے بدر کی

67۔ آل عمران 19:3

بات کی ہے تو فرمایا: ﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ۝١٢٦﴾

اللہ کی مدد آئے گی۔ مدد کس کی جانب سے ہے؟ اللہ کی جانب سے ہے۔

- اِدھر 313 اُدھر 1000
- اُدھر 700 اونٹ اور 300 گھوڑے۔ اِدھر کیا ہے؟ 2 گھوڑے 7 اونٹ 6 تلواریں اور 8 زرہیں۔

تو یہ مدد کیسے ہو سکتی ہے؟ ﴿مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ کیوں؟ اگر اسباب تھوڑے ہوں اور پھر بھی مدد ہو تو یہ بندے کے اختیار میں نہیں ہوتا خدا کی طرف سے ہوتا ہے اس لیے ﴿مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ فرمایا۔

[3]: حضرت زکریا علیہ السلام آئے جب دروازہ کھولا تو آگے بے موسم کے پھل موجود تھے۔ پوچھا: اے مریم! ﴿اَنّٰى لَكِ هٰذَا﴾ یہ پھل کہاں سے آیا؟ فرمایا: ﴿هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ﴾[68] جو روزانہ زکریا علیہ السلام کھانا دیتے کیا وہ اللہ کی طرف سے نہیں تھا؟ لیکن مریم اسے ﴿مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ نہیں کہتیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ جو زکریا علیہ السلام لاتے ہیں اگرچہ خدا کی طرف سے ہے، لیکن اس میں اختیار بندے کا ہے۔ لیکن جو بے موسم پھل ملتے ہیں اس میں بندے کا اختیار نہیں ہے۔ تو جس میں بندے کا اختیار نہ ہو اسے کہتے ہیں ﴿مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے۔

اللہ کے پاس ہونے کا استعمال عرف عام میں:

- آپ نے کہا جی آپ کے ابو کدھر ہیں؟
- کہتا ہے جی لاہور گئے ہیں۔

68۔ آل عمران 37:3

❖ کیوں؟

✿ ہماری دوکان میں کام تھا سامان لینے کے لیے۔

❖ دادا ابو کدھر ہیں؟

✪ اللہ میاں کے پاس۔

❖ ابو کدھر گئے؟

✿ لاہور فلاں بازار گئے، اس فلاں تاجر کے پاس بیٹھے ہیں۔

✪ دادا اللہ میاں کے پاس گئے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ دادا ابو فلاں قبرستان میں ہیں، ابو فلاں تاجر کے پاس لاہور بیٹھے ہیں۔ بتاؤ خدا قبرستان میں ہے، لاہور میں نہیں؟ پھر یہ جملہ کیوں بولتے ہو کہ ابو جی فلاں تاجر کے پاس ہیں اور دادا ابو اللہ کے پاس ہیں۔

اس کا مطلب سمجھنا ابو جی مرضی سے گئے ہیں مرضی سے آئیں گے۔ دادا جی نہ مرضی سے گئے ہیں نہ مرضی سے آئیں گے۔ وہ تاجر کے پاس ہیں اور وہ اللہ کے پاس ہیں۔ "عند اللہ" کا معنیٰ سمجھ آیا؟ میں "عند اللہ" کا معنیٰ سمجھا رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے گھر کا کیا مطلب؟

ایک آدمی نے ایک کنال جگہ خریدی ہے۔ اس نے پانچ مرلے کا مکان بنا دیا اور 15 مرلے کی مسجد بنا دی ہے۔ اب جو 15 مرلے کی مسجد ہے یہ کس کا گھر ہے؟ اللہ تعالیٰ کا اور یہ 5 مرلے کا مکان کس کا ہے عبد الرحیم بھائی کا، بشیر بھائی کا، نذیر بھائی کا۔ فرق کیا ہے؟ جگہ تو ساری اس شخص نے خریدی ایک کنال کے پیسے تو اس نے لگائے ہیں، تعمیر اس نے کی ہے فرق کیا ہے؟ یہ اس کا گھر اور وہ خدا کا گھر۔ جو پانچ مرلے اس کا گھر ہے بدلنا چاہے تو بدل سکتا ہے، بیچنا چاہے تو بیچ سکتا ہے۔ مگر جو 15 مرلے کی مسجد ہے نہ بیچ سکتا ہے نہ بدل سکتا ہے، نہ ہدیہ کر سکتا ہے۔ اس پر اختیار اس کا تھا یہ مکان اس

کا تھا مگر اس پہ خدا کا اختیار ہے کیونکہ یہ خدا کا گھر ہے۔عند اللہ کا معنیٰ سمجھ آیا؟

خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی کا نام زبیدہ خاتون ہے۔بیوی سے خلیفہ کی اَنْ بَن ہو گئی۔ ایک دن خلیفہ نے اپنی بیوی سے غصے میں کہہ دیا: اگر شام کا سورج غروب ہونے سے پہلے میری حدودِ سلطنت سے نہ نکلی تو تجھے تین طلاق۔وہ سمجھتا تھا اور عورت بھی سمجھتی تھی کہ تین طلاق جو دیں تو تین ہی ہوتی ہیں۔

تین طلاق پر پشاور کا سچا واقعہ:

آج تین کو ایک کہنے والے عورتوں کے دماغ سے بھی چھوٹا دماغ رکھتے ہیں۔ یہ میں پشاور کا سچا واقعہ پیش کر رہا ہوں وہاں ایک عورت تھی اس کو تین طلاق ہو گئی۔ پٹھان تھا تین طلاق دے دی اب وہاں تین مولوی آ گئے، تین مولوی کون تھے؟ جو تین کو ایک کہتے ہیں، جو حرام کو حلال کہتے ہیں، جو زنا کو نکاح کہتے ہیں۔ تین چار مولانا صاحب آ گئے اور مسجد میں بیٹھ گئے۔اس عورت نے کہا: مناظرہ مت کرو، ان سے میں خود سوال کرتی ہوں۔ میں مطمئن ہو گئی تو شوہر کے پاس چلی جاؤں گی نہ مطمئن ہوئی تو میں نہیں جاسکتی۔

عورت پردہ والی جگہ بیٹھی تھی۔اس نے سوال کیا تین طلاق دو تو ایک ہوتی ہے مولوی صاحب؟ انہوں نے کہا: جی ایک ہوتی ہے۔ اس نے کہا: تم میں سے کوئی ایک مولوی اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے پھر گھر رکھ لے، میں بھی چلی جاؤں گی۔ اس نے کہا: میرا گھر بچانے کے لیے تم میں سے ایک قربانی دے۔جب تین طلاق ہوتی ہی ایک ہے تو ایک بار زبان سے کہہ دو، مباح ہی ہے کوئی حرام تو نہیں ہے، جب تین طلاق حرام نہیں مباح ہی ہے تم کہہ دو ایک مرتبہ، ایک بندہ اپنی بیوی کو تین طلاق دے اور پھر رکھ لے میں آج واپس چلی جاتی ہوں۔ علماء چپ، اب کوئی بھی نہ بولے، پھر اس خاتون نے کہا یہ ہم سے زنا کرواتے ہو خود اس گناہ سے جان چھڑواتے ہو، خود

اس گناہ کے لیے تیار نہیں ہو۔

امت کے پہلے چیف جسٹس کا فیصلہ:

خلیفہ نے کہہ دیا بعد میں تو پریشان ہو گئے خلیفہ بھی پریشان اور بیگم بھی پریشان۔ اب بیگم نے قاضی امام ابو یوسف رحمہ اللہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد، امت کے پہلے چیف جسٹس کے پاس کوئی خادم بھیجا کہ کوئی حل بتلائیں۔ میرے خاوند نے یہ بات کہہ دی ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرمانے لگے بیٹی مسئلے کا حل ہے لیکن تمہیں خود آنا پڑے گا اب اس نے آنا تھا، پھر پوچھا کب آؤں؟ مغرب کے قریب آنا مغرب کے قریب آگئی کہاں بیٹھوں؟ انہوں کے کہا مسجد میں تھوڑی سی جگہ بنا کر بیٹھ جاؤ وہ بیٹھ گئی۔ انہوں نے کہا جی مسئلہ نماز کے بعد بتاؤں گا۔ ملکہ نے کہا نماز سے پہلے بتادیں انہوں نے کہا جی نماز کے بعد، تم نے جانا نہیں۔

تین طلاق تو کجا ایک بھی نہیں ہوئی:

ادھر جماعت ہوئی امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے پوچھا بیٹی کیا مسئلہ ہے؟ انہوں کہا جی کیا بتانا اب نہ مسئلہ نہ حل۔ انہوں نے کہا بتاؤ تو سہی تم روتی کس لیے ہو؟ اس نے کہا جی میرے خاوند خلیفہ ہارون الرشید نے کہا تھا کہ اگر سورج غروب ہونے سے پہلے میری سلطنت سے نہ نکلی تو تجھے تین طلاق۔ ملکہ نے کہا امام صاحب اب تو سورج غروب ہو گیا اب تو طلاق ہو گئی ہے۔ امام ابو یوسف فرمانے لگے بیٹی گھر چلی جا تین کجا تجھے ایک طلاق بھی نہیں ہوئی۔ اس نے کہا جی کیوں؟ فرمایا کہ تیرے خاوند نے کہا تھا اگر سورج کے غروب ہونے سے پہلے میری سلطنت کی حدود سے نہ نکلی تو طلاق۔ ہم سورج غروب ہونے سے پہلے تیرے خاوند کی سلطنت کی حدود سے نکال کے تجھے مسجد میں لے آئے ہیں۔ دیکھ مسجد پر تیرے خاوند کی سلطنت کا کوئی اختیار نہیں ہے لہٰذا اب تسلی سے گھر چلی جا تجھے طلاق نہیں ہوئی۔ اسے کہتے ہیں فقیہہ۔ اس لیے لوگ

فقہاء کے دشمن ہیں کہ وہ امت کے مسائل حل کرتے ہیں۔

مثالوں کا خلاصہ:

- اللہ کا گھر ہے بندے کا اختیار تو ختم ہو گیا۔
- اسی طرح جو خدا کے راستے میں قتل ہو جائے اسے مردہ مت گمان کرنا کیونکہ وہ زندہ ہے مگر اس کی حیات پہ کوئی اختیار نہیں۔
- اسی طرح رزق دنیا میں بھی خدا دیتا ہے۔ شہید کو بھی خدا دیتا ہے۔
- دنیا میں بندے کو رزق ملتا ہے اس میں بندے کے اختیار کا دخل ہوتا ہے۔
- اور جو شہادت کے بعد ملتا ہے وہ بلا قصد ملتا ہے۔
- اس میں بندے کا اختیار نہیں ہوتا، اس لیے خدا نے "عِنۡدَ رَبِّہِمۡ" فرمایا۔
- اسی قبر میں زندہ اسی قبر میں رزق ملتا ہے تو اللہ نے "عِنۡدَ رَبِّہِمۡ" کیوں فرمایا؟ بندے کے اختیار کا دخل نہیں ہے۔

نبی کی محنت اور کامیابی کا مدار:

اس سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور بڑی اہم بات بیان فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ ؕ﴾[69]

جس شخص کو اللہ نے جہنم کی آگ سے بچا لیا اور جنت میں داخل کر دیا یہی کامیابی ہے۔ کامیابی کا مدار کیا ہے؟ جہنم سے بچ جائے جنت میں جگہ مل جائے یہی بڑی کامیابی ہے۔ اس لیے اللہ کا نبی آتا ہے یہی نبی کی محنت کا مدار ہوتا ہے کہ امت جہنم سے بچے اور جنت میں چلی جائے۔ اللہ سب کو جہنم سے بچا لے۔ (آمین) اللہ ہمیں

69۔ آل عمران 185:3

جنت میں جانے والا بنائے اور بغیر حساب کے لے جائے۔

ہم جنت کیوں مانگتے ہیں ؟:

حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اے اللہ! تجھ سے جنت اس لیے نہیں مانگتے کہ ہم جنت کے حقدار ہیں۔ اس لیے مانگتے ہیں کہ ہم جہنم کو برداشت نہیں کرسکتے۔ اللہ ہم سب کو جنت عطا فرمائے۔ (آمین)

ان شاء اللہ ہمارا رائیونڈ کا اجتماع شروع ہونے والا ہے، میرا خیال ہے ہمارا پہلا اجتماع ہے مگر میرے تو دونوں اجتماع ہیں۔ میں تو دونوں میں وہاں رہتا ہوں تم سے بڑا تبلیغی تو میں ہوں۔ تم نے پہلے کے بعد واپس آجانا ہے میں نے تو دوسرے میں بھی وہاں رہنا ہے۔ ہماری گاڑی میں خاص اسٹیکر ہوتا ہے، ہماری حویلی میں جگہ بنی ہوتی ہے جہاں آپ ترستے ہیں جانے کو۔ مولانا سعد صاحب انڈیا سے تشریف لائیں گے ان کا ناشتہ ہمارے گھر سے جانا ہے، اس سے بڑی سعادت کیا ہوتی ہے؟ لیکن مجھے کہتے ہیں جماعت میں وقت کتنا لگایا ہے؟ میں نے کہا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ نے کتنا لگایا ہے؟ کہتے ہیں تین دن بھی نہیں میں نے کہا کہ ان کو مانتے ہو مجھے نہیں مانتے۔ بابا ہر بندے کے لیے وقت کی قید نہیں ہوتی۔

ابھی میں حرم میں تھا مجھے بہت خوشی ہوئی اتنی خوشی کہ میں بتا نہیں سکتا۔ بوڑھے بزرگ تھے تشریف لائے میں نے پوچھا کہ جی آپ کا تعارف؟ کہتے ہیں میں رائیونڈ کا امام مولانا جمیل ہوں۔ مولانا تمہارا تو بہت نام سنا لیکن ملاقات نہیں ہوئی۔ مجھے بیٹے نے بتایا میں نے کہا چلو زیارت بھی کریں، باتیں بھی کریں۔ ابھی جب میں رائیونڈ گیا ملاقات کے لیے تو مولانا جمیل صاحب فرمانے لگے جب رائیونڈ آئیں تو میرے گھر قیام کیا کریں۔ اب بتاؤ وہاں کی دعوت پر مجھے کوئی ضرورت رہ جاتی ہے۔ اللہ ہمیں مشائخ کے ساتھ رکھے۔ (آمین)

رہیں سلامت ان کی نسبتیں:

میں واقعے اس لیے سناتا ہوں کہ یہ ہماری سندیں ہیں، ہماری دلیلیں ہیں۔ ہماری سند کیا ہے؟ سوائے مشائخ کے۔ اپنی سند ہر بندہ بتاتا ہے اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر بتاتا ہے اپنے آپ کو انجینئر بتاتا ہے۔ ہمارے جو بزرگ ہیں تو ہم اپنا تعارف بزرگوں سے کرائیں گے۔ جی کون ہیں آپ؟ ہم رائیونڈ والے ہیں، جی ہم بزرگوں والے ہیں، ہمارا ان سے تعلق ہے۔ اللہ ہم سب کی اصلاح فرمائے۔ (آمین) آپ کا اجتماع شروع ہے۔ خصوصاً آپ اس کے لیے دعائیں فرمائیں۔

- اللہ گناہوں سے محفوظ فرمائے۔
- اللہ فتنوں سے محفوظ فرمائے۔
- مولا کریم ہم سب کے گناہوں کو معاف فرمادے۔
- گناہوں سے درگزر فرما۔
- بیماروں کو صحت عطا فرما۔
- قرض داروں کے قرض ادا فرما۔
- اللہ جائز حاجات کو پورا فرما۔
- جو تشریف لائے ان تمام کا آنا قبول فرما۔
- اے میرے مولا کریم رائیونڈ کے اجتماع کو شر اور فتنوں سے محفوظ فرما۔
- پورے عالم کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنا۔
- قیامت کے دن ہم سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرما۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

سورۃ النساء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَ بَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَ الۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا ﴿۱﴾﴾

آج کے درسِ قرآن کا عنوان ہے "مضامینِ سورۃ النساء" یعنی سورۃ النساء میں حق تعالیٰ شانہ نے کون کون سے مضامین ارشاد فرمائے؟

عربی زبان میں دو لفظ ہیں، ایک "رِجَال" اور ایک "نِسَاء"۔ "رِجَال" جمع ہے "رَجُلٌ" کی جس کا معنیٰ ہوتا ہے مرد اور "نِسَاء" جمع ہے "اِمْرَأَةٌ" کی لیکن لفظ سے نہیں ہے بلکہ دوسرے لفظ سے ہے اسے عربی زبان میں کہتے ہیں کہ بعض ایسی جمع ہیں کہ جن کا مفرد اس لفظ سے نہیں ہوتا بلکہ اور لفظ سے ہوتا ہے۔ اگر ایک عورت ہو تو عربی میں کہتے ہیں: "اِمْرَأَةٌ" اور اگر کئی عورتیں ہوں ہو تو کہتے ہیں "نِسَاء" تو ایک لفظ رجال ہے جس کا معنیٰ ہے مرد اور ایک لفظ نساء ہے جس کا معنیٰ ہے عورتیں۔

اسلام اور خواتین کے حقوق:

میں نکتہ عرض کرنے لگا ہوں؛ ایک سو چودہ سورتوں میں سے ایک بھی ایسی سورۃ نہیں جس کا نام "سورۃ الرجال" ہو اور ایک سورۃ موجود ہے جس کا نام "نساء"

ہے یہ میں نے ایک بہت بڑے اعتراض کا جواب دیا ہے۔ پوری دنیائے یورپ آج کہتی ہے کہ مسلمان "عورت" کے حقوق کا خیال نہیں کرتے اللہ نے قرآن کریم میں پوری سورۃ عورتوں کے نام سے اتاری ہے۔ مرد کے نام سے کوئی سورۃ نازل نہیں فرمائی اس سے زیادہ حقوق کا کیا خیال کیا جا سکتا ہے؟ پوری سورۃ نازل فرمائی ہے تقریباً ڈیڑھ پارے کی اور اس سورۃ کا نام ہی سورۃ نساء ہے یعنی سورۃ کا نام ہی عورتوں کے نام سے ہے اس میں حقوق بیان فرمائے، مسائل بیان فرمائے اور اس میں زیادہ تر مسائل وہ ہیں کہ جن کا تعلق گھریلو زندگی کے ساتھ اور معاشرتی زندگی کے ساتھ ہے۔

اسلام سے پہلے عورت کی حیثیت:

اللہ رب العزت نے اس قدر رعایت فرمائی ہے خواتین کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل جاہلیت کے دور میں جب عورت کا زندہ رہنا باعثِ عار اور باعثِ شرم تھا۔

اس وقت اللہ کے پیغمبر نے عورت کے حقوق بیان کرتے ہوئے اعلان فرمایا کہ جو عورت کی، بچی کی تربیت کرے پھر جوان کرے پھر اس کا نکاح کر دے تو قیامت کے دن وہ ایسے ہوگا میرے ساتھ جیسے میری دونوں انگلیاں آپس میں ملی ہوئی ہیں، یعنی وہ پیغمبر جس نے عورت کا حق اتنا ادا کیا ہے کہ لوگ اس کو ذلت اور عار سمجھتے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے قدموں تلے خدا نے جنت رکھی ہے۔

رسول اللہ کی تین پسندیدہ چیزیں:

اور آپ کو حیرت ہوگی کہ دنیا میں ہر بندے کی اپنی ایک پسند ہوتی ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِنَّمَا حُبِّبَ إِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ: النِّسَاءُ وَالطِّيبُ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيَ فِي

الصَّلَاةِ." [70]

مجھے دنیا کی تمام چیزوں سے صرف تین چیزیں سب سے زیادہ پسند ہیں:

1) النِّسَاءُ یعنی عورت

2) الطِّیبُ یعنی خوشبو

3) وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ، میری آنکھوں کی ٹھنڈک خدا نے نماز میں رکھی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی تمام چیزوں میں سے ان تین چیزوں پر اپنی پسند کا اظہار فرمایا: عورت، خوشبو اور نماز۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود اس کے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک ہمیشہ پاکیزہ اور خوشبودار رہتا تھا اگر پیشاب مبارک نکلا ہے تو اس سے بھی خوشبو آتی، پسینہ مبارک نکلتا تو اس سے بھی خوشبو آتی اس کے باوجود بھی حضور خوشبو کا استعمال فرماتے اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو کتنی پسند ہو گی؟

خیر میں نے عرض کیا کہ سورۃ کا نام ہی "سورۃ النساء" ہے۔ میں ہر درس میں عرض کرتا ہوں کہ اگر ایک ایک موضوع پر صرف نکات بیان کریں تو ہمارا سارا وقت اسی میں پورا ہو جائے گا۔ چونکہ مضامین بیان کرنے ہوتے ہیں اسی لیے میں نکات کو چھوڑ کر اصل مضامین اور مسائل کی طرف آتا ہوں۔

خطبہ نکاح میں کیا پیغام ملتا ہے؟:

جب بھی کسی شخص کا نکاح ہو آپ خطبہ نکاح سنیں تو اس میں یہ آیت ہے

70۔ السنن الکبریٰ للبیہقی: ج7 ص78 رقم 13836

جو نکاح پڑھانے والے خطیب صاحب تلاوت کرتے ہیں:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾

ہم خطبے میں یہ آیت سنتے ہیں اس وقت اتنے خوش ہوتے ہیں کہ پتا ہی نہیں چلتا مولوی صاحب نے پڑھا کیا ہے، لیکن اس آیت پر کبھی غور کیا ہے کہ اللہ پاک اس آیت میں ہمیں کیا سمجھانا چاہتے ہیں؟ یعنی خطبہ نکاح میں دو آیتیں پڑھی جاتی ہیں ان میں ایک آیت سورۃ النساء کی ہے اور دوسری آیت ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝٧٠ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝٧١﴾[71]

آیت کا خلاصہ:

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ نکاح کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آیت کریمہ تلاوت فرمائی ہے: ﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ اے لوگو! اس خدا سے ڈرو جس نے تم تمام کو ایک ہی جان سے پیدا فرمایا ہے، یعنی یہ بتایا ہے کہ جو تمہارے نکاح میں آنے والی ہے وہ الگ نہیں ہے تمہارے ہی جد امجد آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے تم کب تک اس کو غیر سمجھتے رہو گے تمہاری نسل کی ہے تمہارے مزاج کی ہے۔ آگے فرمایا:

﴿وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ﴾

پہلے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا انہی سے ان کی بیوی حضرت حوا علیہا السلام کو

71۔ الاحزاب 33:70، 71

پیدا کیا، ان دونوں سے پھر مرد وعورت کو دنیا میں پھیلا دیا۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ﴾

فرمایا کہ اللہ کا بھی خیال کرو اور آپس میں صلہ رحمی کا بھی خیال کرو۔ کس قدر عورت کے حقوق پر قرآن کریم نے ترغیب دی ہے۔

پھر فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ۝۱﴾ جملے پر غور کرنا اللہ رب العزت تمہارا نگران ہے۔

نکاح کے وقت یہ آیت کیوں پڑھتے ہیں؟ عورت کائنات کے سارے افراد کو چھوڑ دیتی ہے ایک خاوند کے لیے اس عورت کو دنیا میں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ۝۱﴾ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں پوچھنے والا تم یہ نہ سمجھنا کہ اس مظلوم عورت کو دنیا میں کوئی پوچھنے والا نہیں، میں خدا ہوں اس لیے اس کا تم بہت زیادہ خیال کرنا۔

اگر بیوی بد مزاج بھی ہو تو......؟

میرے شیخ حکیم اختر رحمہ اللہ فرماتے تھے، ہمیں تعجب ہوتا ہے اس شخص پر جو اس عورت کے منہ پر طمانچے مارتا ہے، عورت کو پیٹتا ہے "العیاذ باللہ" بندے کو سن کر شرم آتی ہے، کہ کس قدر ظالم ہیں وہ لوگ جو عورت پر ہاتھ اٹھاتے ہیں، جس نے سارا جہان تیرے لیے چھوڑا ظالم تو بھی اس کو پیٹے گا تو بتا دنیا میں وہ کس کو بتائے گی؟ اگر آپ کے گھر ایسی بیوی ہو جس کا مزاج اچھا نہیں، مزاج میں اکھڑ پن ہے تو یہ سوچا کرو کہ اگر آپ کی بیٹی کسی کے پاس جائے اور آپ کا داماد اس کے ساتھ یہ سلوک کرے تو آپ کے دل پر کیا گزرے گی؟ بس آدمی اتنا تصور کرلے تو بیوی کے حقوق ادا کرنا بہت زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔ اللہ ہمیں یہ بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

یتیم بچیوں سے نکاح کا مسئلہ:

﴿وَ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی فَانۡکِحُوۡا مَا طَابَ لَکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَۃً اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ؕ ذٰلِکَ اَدۡنٰۤی اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ؕ﴿۳﴾﴾

اس آیت میں اللہ رب العزت نے ایک مسئلہ بیان فرمایا ہے، ہوتا یہ تھا کہ پہلے زمانہ جاہلیت میں کبھی کوئی عورت یتیم ہوتی اس کا وارث کوئی نہ ہوتا تو اس سے نکاح کر لیتے، نکاح کیوں کرتے اس لیے کہ اس کا پوچھنے والا جو کوئی نہیں اس کا وارث کوئی نہیں ہے۔ جتنا چاہیں حق مہر دیں جیسے چاہیں کریں۔ تو اللہ نے فرمایا دیکھو اگر کوئی ایسی یتیم بچی ہو اور تمہیں یہ خدشہ ہو کہ میں نے اس سے نکاح کیا تو ہو سکتا ہے کہ اس کے حقوق ادا نہ کر سکوں تو بہتر ہے تم اس سے نکاح کرنے کے بجائے کسی اور آزاد عورت سے نکاح کر لو۔

ایک سے زائد چار تک شادیوں کی اجازت:

اور تمہیں کون سی پابندی ہے؟ کہ تمہارے نکاح میں اس ایک نے ہی رہنا ہے تم چاہو تو دو کر لو، چاہو تو تین کر لو، چاہو تو چار کر لو، تو شریعت نے اجازت دی ﴿فَانۡکِحُوۡا مَا طَابَ لَکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ﴾، اگر تم نکاح کرنا چاہو دو سے آغاز کیا ہے تو دو بیویاں کر و اور تین کر لو یا تم چار کر لو۔ ﴿فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَۃً﴾ اور اگر تمہیں خدشہ ہو کہ ہم ان کے درمیان انصاف نہیں کر سکتے تو پھر تم ایک رکھو۔

اس سے پتا چلا کہ اعلیٰ مرتبہ وہ ایک سے زائد ہے اور ادنیٰ مرتبہ ایک ہے ہمیں تعجب ہوتا ہے جو دوسری شادی کرے حالانکہ تعجب ہونا چاہیئے اس پر جو ایک

کرے قرآن کا آپ انداز سمجھیں! قرآن کس طرز سے بات کہہ رہا ہے؟

انصاف کی حدود:

اصل یہ ہے کہ تم دو کرو یا تین کرو یا چار کرو اور اگر انصاف نہیں کر سکتے ہو تو پھر اس کا حل کیا ہے؟ پھر ایک کرو، انصاف کس حد تک؟ اس مسئلے کو اچھی طرح سمجھو آگے قرآن کریم نے ایک بات تو صاف فرمادی ہے:

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾[72]

قرآن نے کہا کہ اگر تم انصاف کرنا چاہو تو بھی تمہارے اختیار میں نہیں ہے، بس ایسا نہ کرنا کہ ایک بالکل لٹکی ہو اور ایک سے تم ہر وقت لپٹے رہو، بس ایسا نہ کرنا! اتنا قرآن کریم نے سمجھایا کیونکہ تمہارے اختیار میں مکمل عدل نہیں۔ کیا مطلب؟ اگر ایک سے زائد عورتیں تمہارے نکاح میں ہیں:

- مکان دونوں کا برابر ہے۔
- لباس دونوں کا برابر ہے۔
- خرچہ دونوں کا برابر ہے۔
- شب باشی دونوں کے پاس برابر ہے۔

لیکن قلبی تعلق انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا، اس لیے اس میں اللہ تعالیٰ نے مساوات رکھی نہیں ہے۔

ملاپ اور قلبی میلان پر عدل نہیں:

میں ایک مسئلہ بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرنے لگا ہوں۔ ایک ہوتا ہے

72۔ النساء 129:4

عورت کو لباس دینا، مکان دینا، خرچہ دینا اور ایک ہے عورت کے ساتھ ہمبستر ہونا۔ ہمبستر ہونے کے معاملے میں کوئی مساوات ضروری نہیں، کیوں؟ کہ اس کا تعلق انسان کے قلبی میلان سے ہے، جس قدر میلان ہو گا اسی قدر ملاپ ہو گا چونکہ میلان اس کے اختیار میں نہیں ہے ملاپ پر شریعت نے عدل رکھا ہی نہیں ہے کہ جتنا اس کے پاس جاؤ اتنا ہی اس کے پاس جاؤ۔ ہاں اگر ایک رات ایک کی ہے تو دوسری رات دوسری کی ہے اس میں مساوات بہت ضروری ہے۔

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر دنیا میں کون سی ذات انصاف کرنے والی ہے؟ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جملہ ارشاد فرمایا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ایک وقت میں نو بیویاں آئیں۔ حضرت خدیجہ انتقال فرما گئیں اور حضرت زینب کا انتقال ہو گیا تو دو بیویاں چلی گئیں نو بیویاں بیک وقت نکاح میں تھیں لیکن ام المومنین امی عائشہ رضی اللہ عنہا ان میں بعض خوبیاں ایسی تھیں جن کی وجہ سے نبی پاک کو باقی بیویوں کی بنسبت ان سے لگاؤ زیادہ تھا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جملہ ارشاد فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ." [73]

اے اللہ! جو ظاہری مساوات میرے اختیار میں تھیں میں نے کر دی ہیں قلبی مساوات میرے اختیار میں نہیں ہے اللہ اس پر میرا مواخذہ نہ فرمانا۔ یہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہے، بتاؤ دوسرا بندہ اس میں کیا کر سکتا ہے؟

امی عائشہ سے رسول اللہ کی محبت:

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری ایام میں روزانہ پوچھتے آج کس کی

73۔ سنن ابی داؤد، رقم:2134

باری ہے؟ آج کس کی باری ہے؟ ازواج مطہرات نے سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش ہے کہ میں عائشہ کے پاس جاؤں سب ازواج مطہرات نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم اپنی باری عائشہ کو دیتی ہیں تو آپ وہیں قیام فرمائیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دن وہیں گزرے۔ جب انتقال ہوا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک امی عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں تھا اور جاں جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

بیویوں کے درمیان عدل نہ کرنے پر سخت وعید:

میں یہ بات اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ ہم بعض باتیں سمجھتے نہیں ہیں اور بلاوجہ شریعت کے مسائل پر اعتراض شروع کر دیتے ہیں۔ اگر انصاف ہو سکتا ہے تو دو نکاح کریں یا دو سے زائد نکاح کریں اگر عدل نہیں کر سکتا تو پھر شریعت نے بہت سخت بات کی ہے اگر کسی کا ایک سے زائد نکاح ہو اس نے عدل نہ کیا تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا دھڑ فالج زدہ ہو گا پھر یوں ہے کہ اگر عدل نہیں کر سکتے تو پھر دو شادیاں نہ کرو۔

میرے تین نکاح ہیں۔ میں سب سے کہتا ہوں کہ دوسرا نکاح مت کرو آپ کے بس میں نہیں ہے آپ اس کو سنبھال نہیں پاتے اپنی آخرت اور قبریں برباد مت کرو ضبط کرو اپنے اوپر اللہ تمہیں اسی پر اجر عطا فرمائے گا۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی چونکہ دو شادیاں تھیں۔ حضرت "شیخ" بھی بہت بڑے تھے اور عالم بھی بہت بڑے تھے، مزاج میں ظرافت اور لطافت بھی تھی، ایک شخص نے حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ سے ویسے ازراہِ مذاق عرض کیا حضرت آپ کی دو بیویاں ہیں آپ تو جنت میں رہتے ہیں۔ حضرت نے بڑا پیارا جواب دیا فرمایا یہ وہ جنت ہے جہاں تک پہنچنے کے لیے پل صراط سے گزرنا پڑتا ہے۔

ایک مرید نے کہا کہ حضرت آپ نے تو دو نکاح فرمائے۔ فرمایا میں نے اس

لیے دو کیے تا کہ تم میں سے کوئی دو نکاح نہ کر سکے انہوں نے کہا جی وہ کیسے ؟ حضرت نے فرمایا کہ دیکھو جس طرح میں عدل کرتا ہوں تم کر سکتے ہو؟ کہا جی نہیں۔ کہا پھر دو نکاح ہی نہ کرو۔

فقر و فاقہ کا علاج..... شادی:

اچھا فقر کی وجہ سے کبھی نکاح نہ چھوڑنا ہمارا ذہن ہوتا ہے کہ ایک کا خرچہ پورا نہیں ہوتا دوسری کا کہاں سے دیں گے۔ اس وجہ سے نکاح کبھی نہ چھوڑنا قرآن کا وعدہ ہے:

﴿وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىٕكُمْ ؕ اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (۳۲)﴾[74]

اگر تم فقیر ہو تو خدا تمہیں غنی کر دے گا۔

خیر میں یہ کہہ رہا ہوں کہ عدل نہ کر سکو تو نکاح نہ کرنا اس بات سے نہ ڈرو کہ غربت کیسے جائے گی؟ اور مال تو ہمارے اختیار میں نہیں ہے یہ سوچ غلط ہے۔ مال و دولت کی فراوانی وہ مالک الملک کے اختیار میں ہے شریعت سمجھ کر کام کرنا پھر دیکھو خدا کیسے فقر دور کرتا ہے۔

تربوز تولا جا سکتا ہے مٹھاس نہیں:

حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے ہاں ایک مرید دو تربوز لے کر آیا کہ جی یہ دونوں بیویوں کے لیے ہیں۔ حضرت نے فرمایا ان دونوں تربوزوں کو کاٹو دونوں کو کاٹا آدھا آدھا کیا تو فرمایا آدھا اُدھر بھیجو آدھا اِدھر بھیجو۔ دوسرا کاٹا تو فرمایا آدھا اِدھر بھیجو آدھا دوسری کے پاس تو اس نے کہا کہ حضرت! ایسا کیوں کیا ہے؟ ہم تو دو تربوز

74۔ النور 32:24

تول کر لائے تھے ہمیں معلوم ہے کہ آپ نے ترازو رکھا ہوا ہے اور آپ تول تول کر دونوں بیویوں کا سامان بھجواتے ہیں ہم اس لیے تول کر لائے تھے تاکہ آپ کو تولنے کی زحمت نہ کرنی پڑے مگر آپ نے کاٹ کر دو ٹکڑے کیے پھر گھر بھجوائے ہیں۔ حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کا جواب سنیں فرمایا بھائی وزن میں تو آپ نے تول لیا لیکن مٹھاس تو آپ نہیں جانتے نا؟ اگر ایک بیوی کے ہاں میٹھا چلا گیا اور دوسری بیوی کے ہاں پھیکا چلا گیا تو اس کا جواب اللہ کے ہاں کون دے گا؟ اس لیے ہم نے دونوں تربوز کاٹے تاکہ دونوں پھیکے یا میٹھے ہیں تو اسی حساب سے دونوں کو ملیں یہ عدل ہے۔ تو بھائی عجی چاہسکتے ہیں تو نکاح فرمالیں اگر نہیں کرسکتے تو نہ فرمائیں۔ میری گزارش سمجھ رہے ہیں میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ شریعت کے معاملہ میں اپنے دماغ کو ہم بالکل صاف رکھیں تاکہ الجھن میں مبتلا نہ ہوں۔

وراثت کے احکام:

﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١١﴾﴾

اس آیت میں اللہ رب العزت نے وراثت کے مسائل بیان فرمائے ہیں۔ میں وراثت اور وصیت کے مسائل پورے تو بیان نہیں کرتا کیونکہ اس میں کافی دیر لگتی ہے۔ کچھ اہم چیزیں ذہن میں رکھ لیں۔

تقسیم وراثت اور وصیت کا واجب ہونا:

وصیت کے معاملے میں اس بات کا خیال رکھیں کہ آدمی کو اگر یہ یقین ہو کہ میری موت کے بعد میرے ورثاء شریعت کے مطابق میری وراثت کو تقسیم نہیں کریں گے اگر یہ یقین ہو تو وصیت کر کے فوت ہونا آدمی کے ذمے فرض اور واجب ہے اگر وصیت نہ کی تو پھر گناہ گار ہو گا اگر پتا ہو کہ میرے ورثا میری وراثت کو صحیح تقسیم نہیں کریں گے تو پھر وصیت کرے کہ بھائی دیکھو وراثت تقسیم کرنا اور میرے ذمے فلاں قرض ہے وہ بھی ادا کرنا ان سب چیزوں کا خیال کرنا بہت ضروری ہے۔

ہم وصیت کے معاملے میں بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں آج کل ہمارے ہاں یہ رواج چلتا ہے کہ والد محترم اپنی وفات سے پہلے ہی اپنا مال بیٹوں میں تقسیم کر دیتے ہیں اور اپنی بچیوں کو محروم کر دیتے ہیں۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے عورت کو وراثت سے کبھی بھی محروم نہ کرنا۔

بچیوں کی وراثت اور جہیز:

ہمارے ہاں رواج کیا ہے؟ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وراثت اس لیے عورت کو نہیں دیتے کہ ہم نے جہیز جو دیا ہے بھائی جہیز دینا تو آپ کے ذمے ہی نہیں تھا جو آپ کے ذمے نہیں تھا وہ تو آپ نے کر لیا اپنی ناک رکھنے کے لیے اور جو آپ کے ذمے تھا اس کو آپ نے چھوڑ دیا۔ جہیز تو آپ کے ذمے نہیں، کیوں؟ اس لیے کہ جہیز کا معنی ہوتا ہے وہ سامان جو عورت کے گھر کی ضرورتیں ہیں تو گھر کی ضرورتیں اس کے شوہر کے ذمے ہیں جس کی وہ بیوی ہے، باپ کے ذمے نہیں ہے۔ اگر باپ دیتا ہے تو یہ اس کی مروت ہے اگر نہ بھی دے تو باپ کے ذمے نہیں ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز یا.........؟:

لوگوں کے ذہن میں یہ دلیل آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنی بیٹی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو جہیز دیا تھا وہ اس کو بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں۔ کہتے ہیں فاطمۃ الزہراء کا یہ جہیز تھا آپ مجھے بتائیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں ہیں ایک بیٹی تو نہیں ہے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عجی چاہنے والا کون ہے؟ اگر جہیز دیا ہوتا تو حضور چاروں کو دیتے۔ یہ تو نہیں تھا کہ ایک کو جہیز دیتے اور تین کو محروم فرمادیتے جب تین کو نہیں دیا تو اس کا معنی ہے یہ جہیز نہیں تھا۔

پھر یہ کیا تھا؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں تھے بچپن سے، حضرت علی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی جوان ہوئے، ان کو گویا بیٹے کی طرح پالا تھا اب حضرت علی جب جوان ہوئے تو ان کے نکاح کا مسئلہ تھا اگر حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے نکاح نہ ہوتا کسی اور عورت سے ہوتا تو حضرت علی کو گھر کا سامان کس نے دینا تھا؟ (سامعین۔ حضور پاک نے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹا جو بنا رکھا تھا جب فاطمۃ الزہرا سے نکاح کر دیا تو پھر ساتھ سامان بھی دینا تھا اگر زہرا نہ آتی کوئی اور آتی سامان تو تب بھی دینا تھا۔ حقیقت اس کی یہ تھی اور ہم سمجھتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زہرا کو جہیز عطا فرما دیا، اللہ پاک ہمیں یہ بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

انبیاء کی وراثت کا مسئلہ:

یہ وراثت کا مسئلہ امت کے لیے ہے نبی کے لیے نہیں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم انبیاء ہیں اور نبی کا دنیا میں کوئی شخص مالی وارث نہیں ہوتا نبی کی مالی وراثت خاندان میں کبھی بھی تقسیم نہیں ہوتی۔ یہ حدیث سمجھ میں آجائے، اس سے ایک مسئلہ باغ فدک کا حل ہو جاتا ہے۔

باغ فدک کا قضیہ:

لوگ آج سمجھتے ہیں کہ باغ فدک حضرت فاطمۃ الزہرا کا تھا ابو بکر صدیق

رضی اللہ عنہ نے غصب کرلیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو دیا نہیں بھائی غصب کیسے کرلیا؟ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا آئیں کہ باغ فدک ہمارا ہے، ہمیں دے دیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد میرے علم میں ہے کہ نبی کا کوئی مالی وارث دنیا میں نہیں ہوتا نبی جو مال چھوڑ کر جاتے ہیں وہ صدقہ بن جاتا ہے حضرت زہرا خاموش ہو گئیں اور کبھی بھی اپنے حق کا مطالبہ نہیں کیا۔

میں نے کہا کہ وہ خاموش ہو گئیں اور آج جنگیں جاری ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے باغ فدک کیوں نہیں دیا؟ وہ تو خاموش ہو گئیں ممکن ہے کہ آپ کے ذہن میں ایک سوال آئے کہ زہرا رضی اللہ عنہا نے باغ فدک مانگا کیوں تھا؟ جب ان کا حق ہی نہیں تھا تو مانگا کیوں تھا؟ اصل وجہ یہ تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کے بعد یہ ترتیب بنائی تھی کہ اپنی ازواج مطہرات کے خرچہ کے لیے ایک باغ رکھ لیا تھا اوراس سے سال بھر کا خرچہ ایک ایک بیوی کو دے دیتے وہ بھی ازواج مطہرات تھیں جتنا ملا آگے امت کے حوالے فرمادیتی تھیں، وہ سال بھر کا رکھتی ہی نہیں تھیں۔ حضرت زہرا نے سمجھا کہ حضور اس باغ سے ہماری کفالت کرتے تھے تو شاید یہ ہمارا ہی ہے، یہ غلط فہمی تھی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسئلہ بتایا تو امی زہرا سے غلط فہمی دور ہو گئی اور باغ فدک کا مطالبہ کرنا چھوڑ دیا۔

نبی کی مالی وراثت کیوں نہیں چلتی؟:

بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے بڑا عجیب مسئلہ بیان فرمایا: نبی کی وراثت کیوں دنیا میں تقسیم نہیں ہوتی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وراثت اس کی ہوتی ہے جس کی مال سے ملکیت ختم ہو جائے۔ مرنے والے کی ملکیت ختم ہو گی تو اولاد کو منتقل ہو گی۔ اگر مرنے والے کی ملکیت ختم نہ ہو تو اولاد کو منتقل کیسے ہو گی؟ تو نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ نبی کی روح مبارک پورے جسم سے قلب اطہر میں سمٹ آتی ہے، مکمل حیات کا انقطاع ہوتا ہی نہیں ہے اس لیے نبی کی وراثت امت میں تقسیم نہیں ہوتی۔

نبی کی روح مبارک قلب اطہر میں سمٹ آتی ہے:

پیغمبر کی روح مبارک چونکہ پورے جسم سے قلب اطہر میں جمع ہو جاتی ہے تو قلب اطہر میں حیات رہتی ہے جب قلب اطہر میں حیات باقی ہے تو بتاؤ مال سے ملکیت ختم ہو گئی؟ جب ملکیت ہی ختم نہیں ہوئی ہے تو مال وراثت میں تقسیم کیسے ہو گا؟

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لاجواب دلیل:

دوسری بات کہ نبی کا مال صدقہ کیوں ہو جاتا ہے؟ توجہ رکھنا! مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ." [75]

کہ جو مال نبی چھوڑ کر جائے امت میں صدقہ ہے، فرمایا: یہ بھی دلیل ہے نبی کی حیات پر، یہ نبی کی حیات پر کیوں دلیل ہے صدقہ تب بنتا ہے جب مال دینے والا زندہ ہو اگر زندہ نہ ہو تو صدقہ بنتا ہی نہیں جو حضرات فرماتے ہیں کہ بوقت موت نبی کا مال صدقہ ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بوقت موت نبی کے قلب میں حیات موجود ہوتی ہے۔ کتنا آسان سا مسئلہ ہے لوگوں نے ایسے الجھا دیا ہے اس کو۔ اللہ ہمیں بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

دو جلیل القدر اماموں کا دلچسپ مکالمہ:

مجھے اسی مسئلہ پر ایک چھوٹا سا واقعہ یاد آیا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ

75۔ صحیح مسلم، رقم 1758

کوفہ سے مکہ مکرمہ گئے امام جعفر صادق رحمہ اللہ کو سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا لیکن زیادہ خوش ہو کر نہیں دیا ایسے دیا جیسے ناراض ہوتے ہیں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے پوچھا کیا ناراضگی ہے؟ آپ نے خوش ہو کر جواب نہیں دیا۔

فرمایا: اے ابو حنیفہ! ہم نے تیرے بارے میں سنا ہے ایک طرف آیت ہوتی ہے ایک طرف حدیث ہوتی ہے تو قیاس کو لے لیتا ہے اور حدیثیں چھوڑ دیتا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ چلیں میں آپ سے ایک دو مسئلے پوچھتا ہوں مجھے آپ جواب ارشاد فرمائیں۔ میری عقل یہ بات کہتی ہے کہ عورت کو وراثت میں دو گنا مال دینا چاہیے اور مرد کو ایک گنا دینا چاہیے کیونکہ مرد طاقتور ہے اور عورت کمزور ہے مرد باہر جا کر کما لے گا اس نے تو کمانا نہیں ہے تو طاقتور کو وراثت سے تھوڑا دو اور کمزور کو دو گنا دو تاکہ اس کی حوصلہ افزائی ہو میری عقل یہ بات کہتی ہے لیکن میں نے اللہ کے فرمان کی وجہ سے عقل کی بات چھوڑ دی ہے۔

امام صاحب فرمانے لگے کہ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب عورت کے ماہواری کے دن ہوتے ہیں تو نماز بھی نہ پڑھے اور وہ روزہ بھی نہ رکھے بعد میں نماز کی قضا نہ کرے اور روزے کی کرے میری عقل کہتی ہے کہ نماز کی قضا کرے اور روزے کی قضا نہ کرے چونکہ نماز روزے کی نسبت زیادہ اہم ہے۔ تو نماز کی قضا کرے اور روزے کی نہ کرے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزے کی کرے اور نماز کی نہ کرے۔ دیکھیں میں نے عقل کی بات چھوڑ دی اور آپ کے نانا جی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کیا ہے۔ امام جعفر صادق اٹھے اور امام صاحب کی پیشانی کا بوسہ لے کر فرمایا: ابو حنیفہ! ہم نے تیرے بارے میں غلط سنا تھا تو بالکل سچ کہتا ہے۔[76]

76۔ عقود الجمان: ص264، ص265 باب سادس عشر

امام صاحب کے بارے میں لوگوں نے شبہات پیدا کیے ہیں۔ اللہ ہمیں دور کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

توبہ کی قبولیت کا وقت:

﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝١٧﴾

اس آیت میں اللہ رب العزت نے توبہ کا تذکرہ فرمایا ہے کہ توبہ اس وقت تک ہوتی ہے کہ جب تک انسان پر موت کے آثار نہ آئیں اور جب موت کے آثار آجائیں تو اس وقت آدمی پر توبہ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اگر موت کے آثار ظاہر ہونے کے بعد بھی یہ توبہ کا دروازہ کھلا ہوتا تو پھر فرعون کی توبہ بھی قبول ہو جاتی کیونکہ مرتے وقت فرعون نے بھی کہا تھا اے اللہ! میں مانتا ہوں فرمایا:

﴿آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝٩١﴾[77]

بے ایمان تو اب مانتا ہے جب تجھے نظر آ گیا ہے۔

ایمان کیا ہے؟

معلوم ہوا نظر آئے اور پھر مانے اس کا نام ایمان نہیں ہے اس کا نام مشاہدہ ہے نظر نہ آئے پھر بھی مانے اس کا نام ایمان ہے۔ سمجھ نہ آئے تو پھر مانے اس کا نام ایمان ہے سمجھ آئے اور پھر مانے اس کا نام ایمان نہیں ہے۔

عقیدہ حیات النبی عقلی مسئلہ نہیں:

آج لوگ کہتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں تو چھوٹی سی

77۔یونس 91:10

قبر ہے سانس کیسے لیتے ہیں؟ چھوٹی سی قبر ہے کھڑے کیسے ہوتے ہیں؟ چھوٹی سی قبر ہے نماز کیسے پڑھتے ہیں؟ بھائی سمجھ آئے تب مانا اس کا نام مشاہدہ ہے نہ سمجھ آئے پھر مانا اس کا نام ایمان ہے۔

قبولیت توبہ کی شرائط:

توبہ کی شرائط میں سے تین شرطیں بنیادی ہیں۔یعنی جب آدمی توبہ کرے تو بوقت توبہ یہ تین کام کرے۔

- گناہ کو چھوڑ دے۔
- آیندہ نہ کرنے کا عزم کرے۔
- اپنے گناہ پر ندامت بھی ہو۔
- اگر گزشتہ گناہ نہ چھوڑے تو پھر بھی توبہ کرے۔

لاحول پر لاحول بھی لاحول پڑھتا ہوگا:

یہ کیسی توبہ ہے؟ بازار جاتے ہیں نیم عریاں لڑکیوں کی تصاویر ہیں، کہتے ہیں: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ کتنی بے حیائی ہے،لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ بھی پڑھ رہے ہو دیکھ بھی رہے ہو؟اس لَا حَوْلَ پر تو لَا حَوْلَ بھی لَا حَوْلَ پڑھتا ہوگا۔

بد نظری سے خود کو بچائیں:

جب سامنے تصویر ہے تو اس سے آنکھیں نیچی کرو پھر لَا حَوْلَ پڑھو! قرآن کریم کا حکم کیا ہے؟ ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ﴾[78] کہ جب آؤ تو اپنی آنکھیں نیچی کرو تو اس کا نام ہے پردہ۔اس سائن

78۔النور 30:24

بورڈ کو دیکھ بھی رہے ہیں اور کہتے ہیں: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہِ دیکھو! ہمارے سرگودھا میں بھی کتنی بڑی بے حیائی شروع ہورہی ہے؟ بھائی اپنی آنکھیں نیچی کرو۔

توبہ کی بنیادی تین شرائط:

میں گزارش کررہا تھا کہ توبہ کے لیے تین بنیادی شرطیں ہیں:

1. گناہ کو چھوڑ دے۔
2. آئندہ نہ کرنے کا پکا عزم کرے۔
3. اپنے گناہ پر ندامت بھی ہو۔

جب آدمی اپنے گناہ پر ندامت کا اظہار کرے تو صرف یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس گناہ کو معاف کرتے ہیں بلکہ پچھلے گناہوں کو بھی اللہ نیکیوں میں بدل دیتے ہیں۔

اہل دنیا کا قانون:

میں ایک بات کہتا ہوں اللہ کی عدالت کا معاملہ دنیا کی عدالت سے بہت مختلف ہے دنیا کی عدالتیں اگر مجرم کو معاف بھی کردیں اس کے ریکارڈ کو ضائع نہیں کرتیں ایک آدمی چوری کے کیس میں پکڑا جائے اور دوبارہ وہ چار مہینے بھی لگا لے چلہ بھی لگا لے اور نیک ہوجائے مگر جب بھی چوری ہوگی تھانے والے ایک مرتبہ ضرور آئیں گے پھر امیر صاحب صفائی دیں گے کہ جی اب یہ بدل گیا ہے اب اس کی جان چھوڑدو اگلا S.H.O پھر پہنچ جائے گا کہ جناب ہمارے پاس تو اس کا ریکارڈ پڑا ہے۔ تو دنیا کا قانون کیا ہے؟ عدالت اگر مجرم کو معاف بھی کردے مگر اس معافی کے باوجود اس کا ریکارڈ ختم نہیں کرتی۔

احکم الحاکمین کا قانون:

خدا کا نظام یہ ہے:

"اِذَا تَابَ الْعَبْدُ أَنْسَى اللهُ الْحَفَظَةَ ذُنُوْبَهٗ وَأَنْسٰى ذٰلِكَ جَوَارِحَهٗ

وَمَعَالِمَهُ مِنَ الْأَرْضِ حَتّٰى يَلْقَى اللهَ وَلَيْسَ عَلَيْهِ شَاهِدٌ مِنَ اللهِ بِذَنْبٍ"[79]

حدیث مبارک میں ہے: جب بندہ گناہ سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ وہ گناہ مٹا دیتے ہیں حتیٰ کہ

◎ فرشتوں کو بھی بھلا دیتے ہیں۔

◎ اللہ تعالیٰ جسم کے اعضا کو بھی بھلا دیتے ہیں۔

◎ اللہ تعالیٰ اس زمین کو جہاں گناہ کیے ہیں اس کو بھی بھلا دیتے ہیں۔

جب قیامت میں خدا کے دربار میں جائے گا تو کوئی ایک بھی اس کے خلاف گواہ نہیں ہو گا۔ اللہ صرف گناہ معاف نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ ریکارڈ بھی ختم کر دیتے ہیں دنیا کی عدالتیں جرم تو معاف کر دیتی ہیں لیکن ریکارڈ ختم نہیں کرتیں اللہ رب العزت ریکارڈ کو بھی ختم فرما دیتے ہیں۔

بیوی کو دیے ہوئے مال کا دوبارہ مطالبہ نہ کرو:

﴿وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۲۰﴾

اس آیت میں بنیادی طور پر ایک مسئلہ بیان فرمایا اگر ایک عورت سے نکاح ہوا اور ان کا آپس میں مزاج نہیں ملتا اور طلاق کی نوبت آجاتی ہے تو پھر جو کچھ اس دوران تم نے عورت کو دیا ہے حق مہر، یا کچھ مال، تو اس مال کا واپس مطالبہ نہ کرو۔ جب طلاق ہوتی ہے تو اکثر کہتے ہیں ہم نے تو وہ بھی دیا تھا یہ بھی دیا تھا قرآن کہتا ہے یوں نہ کیا کرو دیکھو ایک مدت تم دونوں ایک ساتھ رہے ہو اکٹھے وقت گزارا ہے مروت اور غیرت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ اب واپسی کا تقاضا نہیں کرنا چاہیے حق مہر جو تم نے دیا

79۔ کنز العمال: ج4 ص87 رقم 10175

لاکھ دیا ہے یا کروڑ دیا ہے اب اس کی واپسی کا مطالبہ نہ کرو یہ مرد کے لیے جائز نہیں تو اس سے آدمی کو بچنا چاہیے۔ اس پر میں دو باتیں عرض کرتا ہوں۔

شادی کی رسومات اور مہر فاطمی:

حق مہر کے حوالے سے ہمارے ہاں عموماً مزاج کیا ہے؟ جب مسجد میں نکاح ہو گا پہلے منگنی پر پیسے خرچ کریں گے پھر جہیز پر لڑکی والوں سے جہیز لیں گے، پندرہ بیس لاکھ کا اور دو سو بندے ان کے کھانے پر لائیں گے اس میں ان کے پانچ لاکھ خرچ کروائیں گے ان کے بیس لاکھ پچیس لاکھ خرچ کروالیں گے۔ جب پوچھا کہ نکاح میں حق مہر کتنا ہے؟ تو کہیں گے مولوی صاحب حق مہر فاطمی کتنا ہوتا ہے؟ بھائی جب تم نے جہیز مانگا تھا پھر حضرت فاطمہ یاد نہیں ہے، جب دو سو لوگوں کی بارات لے کر آئے پھر حضرت فاطمہ یاد نہیں ہے؟ جب بچی کو حق مہر دینا ہے تو پھر پوچھتے ہو مولانا صاحب بتاؤ حق مہر فاطمی کتنا ہوتا ہے؟ اب یہ کتنا سادہ مسلمان بن گیا؟ کیسا نیک آدمی ہے؟ آدمی کی یہ باتیں غیرت اور مروت کے بھی خلاف ہیں یہ کس طرح کس منہ سے تقاضا کرتے ہیں، اچھا ایک جب عورت کی باری آئے تو پوچھتے ہیں مہر فاطمی کتنا ہے۔

مولوی طبقے سے ناروا سلوک:

دوسرا جب مولوی صاحب کی باری آئے تو کہتے ہیں کہ جی مولانا صاحب کے لیے مسجد کے لیے کتنے پیسے دو گے؟ جی ہمارے ہاں تو دو سو روپے دیتے ہیں باقی آپ جیسے مناسب سمجھو بندے کو سن کر بھی شرم آتی ہے بارات دیکھو تو ٹو، ڈی گاڑیوں پر لاتے ہیں کھانا دیکھو تو دس ڈشیں پکی ہیں اور مولانا صاحب کی باری آئے تو کہتے ہیں ہمارے ہاں تو دو سو روپے دیتے ہیں باقی آپ جیسے مناسب سمجھو مناسب سمجھنے کا مطلب کہ آپ دو سو روپیہ اور بڑھا دیں میں کہتا ہوں کہ آپ بارات پر پیسے خرچ نہ کرو اور اگر آپ نے خرچ کرنے ہی ہیں تو مسجد کے امام کا کیا قصور ہے 50 ہزار روپے اس

کو بھی دے دو کیا فرق پڑتا ہے؟

مسنون حق مہر کتنا ہے؟:

میں آپ سے پیسے نہیں مانگتا ہم نے نکاح کی ترتیب یہ نہیں رکھی۔ میں اپنے گاؤں میں بھی نکاح پڑھاؤں تو نکاح کی فیس مسجد کے امام کی ہوتی ہے، میں عید پڑھاؤں تو اعلان کر کے مسجد کے امام کے لیے خود جمع کرتا ہوں، مسجد کے خادم کو بھی دو اور امام کو بھی دو۔ ایک تو میں نے عرض کرنا ہے کہ حق مہر کتنا ہوتا ہے 10 درہم چاندی اس سے کم حق مہر کی تو گنجائش ہی نہیں لیکن حق مہر ہونا کتنا چاہیے؟ اس میں دو چیزوں کی رعایت کرنا ضروری ہے اتنا کم نہ دو کہ عورت اپنی سہیلیوں کو بتاتے ہوئے شرمائے اور اتنا زیادہ بوجھ نہ ڈالو کہ لڑکا دے نہ سکے بس ان دونوں کی رعایت کرو یہ حق مہر مسنون ہے۔ اتنا کم نہ دو کہ لڑکی کو بتاتے ہوئے شرم آئے ایک لڑکی کروڑ پتی ہے باپ کی دس دکانیں ہیں اس کا حق مہر پانچ ہزار ہو تو وہ کسی کو کیسے بتائے کہ میرا حق مہر اتنا ہے، حق مہر اس کا اتنا رکھو کہ لڑکی کو سہیلیوں کو بتاتے ہوئے شرم نہ آئے۔

بیوی کی سہیلیوں کا بھی خیال کرو:

جیسے آپ کے دوست ہیں اس کی بھی تو سہیلیاں ہیں، اپنے دوستوں کی رعایت کرتے ہو تو بیوی کی سہیلیوں کی رعایت کیوں نہیں کرتے؟ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے میں اور آپ کون ہوتے ہیں کہ نہ کریں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا وفات پا گئیں، دنیا سے چلی گئیں اندازہ کرو دنیا سے چلی گئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج یہ تھا کہ جب گھر میں بکری ذبح ہوتی یا جب بھی گھر میں گوشت ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کی سہیلیوں کے گھروں میں گوشت بھجواتے۔ اپنی فوت شدہ بیوی کی سہیلیوں کا اتنا خیال فرماتے۔ اس کا بہت خیال کیا کرو یہ جو ہمارے گھروں کا نظام بگڑتا ہے نا میں کون کون

سارو نارؤوں گا اس میں ہمارے بہت سارے معاملات کو دخل ہے مجھ سے کبھی بہت سے بے تکلف ساتھی پوچھتے ہیں: مولوی صاحب! آپ کے گھر میں کبھی لڑائی نہیں ہوتی میں نے کہا کبھی نہیں ہوئی کیوں نہیں ہوتی؟ میں نے کہا الحمدللہ ہم رعایت کرتے ہیں، میں اپنے دوستوں کی رعایت کرتا ہوں گھر والوں کی سہیلیوں کی بھی رعایت کرتا ہوں۔ کہ بھئی تمہاری سہیلیاں ہیں جو دینا چاہو دے دو۔

گھریلو نظام زندگی کو پر سکون بنائیں:

حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کچھ ایسا ماہانہ خرچہ اپنی بیوی کو دینا چاہیے کہ جس کا اس سے تم حساب نہ مانگا کرو! یہ حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کچھ ایسا خرچہ دو جس کا حساب نہ مانگو۔ میں خود کہتا ہوں کہ بھئی تمہاری کوئی سہیلی ہو اس کو سو دوسو کا کارڈ بھیجنا چاہو تو بھیج دو۔ یہ ہدیہ کسی سہیلی کو دینا چاہو تو بے شک دے دو، مجھ سے پوچھا نہ کرو، تمہاری کوئی بھی سہیلی ہو اس کی بلا کر دعوت کرو خرچہ سارا میرے ذمے ہے خوش رکھو اپنی سہیلیوں کو، کیوں؟ بھائی آپ کے پاس کروڑ روپیہ ہے آپ کے پاس دو دو کانیں ہیں تو بیوی کا امیج بھی تو بڑھنا چاہیے اس کو آپ رگڑ کے رکھتے ہیں دوستوں کو آپ باہر تکے کھلاتے ہیں تو پھر گھر میں کُڑ کُڑ تو ہوگی پھر لڑائی تو ہونی ہے۔ اللہ ہم سب کو بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

حضرت عمر کے سامنے خاتون کی حق گوئی:

مجھے اس پر ایک چھوٹا سا واقعہ یاد آیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک مرتبہ جی چاہا کہ حق مہر مقرر کر دیں تاکہ اس مقدار سے زیادہ لوگ حق مہر نہ دیں شادیاں مہنگی نہ ہوں اور امت پر بوجھ نہ پڑے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن خطبہ دیا اور خطبہ میں مسئلہ بیان فرمایا ایک مقدار مقرر کرنے کے لیے کہ بھائی اتنا حق مہر دیا کرو اور اس سے زیادہ حق مہر نہ دو تاکہ شادیاں مہنگی نہ ہوں حضرت عمر نے جوں ہی خطبہ دیا

ایک عورت کھڑی ہوگئی اسے کہتے ہیں حق گوئی، ایک عورت کھڑی ہوگئی اس نے کہا عمر تم کون ہوتے ہو حق مہر کو متعین کرنے والے؟ قرآن نے تو متعین کیا ہی نہیں قرآن کہتا ہے: ﴿وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا﴾ کہ اگر تم کسی عورت کو حق مہر میں سونے کا ڈھیر بھی دے چکے ہو تو طلاق دو تو واپس نہ لو قرآن سونے کا ڈھیر دینے کی اجازت دیتا ہے عمر آپ کیسے متعین کر سکتے ہو؟ حضرت عمر فرمانے لگے: ہاں جی اگر یہ عورت نہ ہوتی تو عمر برباد ہو جاتا، اپنی رائے واپس لے لی۔ اسے کہتے ہیں حق گوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جری آدمی نے فرمایا میں رائے واپس لیتا ہوں واقعتاً جس آیت پر تیری نگاہ پڑی اس پر میری نگاہ نہیں تھی۔

خلفائے راشدین کا عمل حجت ہے:

خلفاء راشدین کا عمل کیوں حجت ہے؟ اسی وجہ سے حجت ہے کہ خلیفہ راشد صحابہ کے دور کا بندہ ہے ان سے غلطی ہو تو وہ غلطی پر قائم رہ نہیں سکتا، فوراً صحابہ کی جماعت کہتی ہے: نہیں! نہیں! ایسے نہیں ہو سکتا۔

مال غنیمت اور ایک لمبا کرتا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ نے سنا ہے غنیمت میں کپڑا آیا۔ باقی لوگوں کا ایک ایک جوڑا بنا، حضرت عمر کا قد لمبا تھا اس کپڑے سے حضرت عمر کا جوڑا بن ہی نہیں سکتا تھا۔ جمعہ کے دن خطبہ کے لیے آئے ایک شخص کھڑا ہوا۔ اعرابی تھا اس نے کہا عمر! خطبہ بعد میں دو پہلے ہمیں حساب دو جتنا تمہارا قد ہے جتنا کپڑا تقسیم ہوا اس سے تمہارا سوٹ بن ہی نہیں سکتا پہلے اس کا جواب دو پھر تقریر شروع کرنا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کا جواب میرا بیٹا عبد اللہ دے گا۔
عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے اور کہا: مجھے پتا تھا کہ میرے والد صاحب کا قد لمبا ہے، میں نے اپنے حصے کا کپڑا ان کو دیا ہے تا کہ میرے بابا کا سوٹ بن جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے بہت خوش ہوئے۔ فرمایا: جب عمر کی فوج اور ماتحتی میں ایسے بندے موجود ہوں تو عمر کبھی بھی خراب نہیں ہو سکتا اس پر بندے کو خوش ہونا چاہیے اگر کوئی غلطی کی نشاندہی کرے۔

عورت پر مرد کی فوقیت:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾[80]

اس آیت میں بنیادی طور پر دو مسئلے ہیں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اس آیت میں مرد کی فوقیت کو بیان فرمایا ہے: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ دو وجوہات بیان فرمائیں یہ بڑی اہم بات ہے مرد کو اللہ نے عورت پر فوقیت دی ہے اور دو دلیلیں بیان فرمائیں۔

وہبی اور کسبی صلاحیت:

ایک دلیل ایسی ہے جو کسبی ہے اور ایک ایسی ہے جو وہبی ہے۔ وہبی کہتے ہیں جو بغیر بندے کے اختیار کے ہو۔ کسبی کہتے ہیں جو بندے کے اختیار میں ہو۔

مرد کی فوقیت کی پہلی وجہ:

اللہ پاک فرماتے ہیں کہ مرد کو عورت پر فوقیت ہے دو باتوں پر ﴿بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ پہلی وجہ یہ ہے اللہ کا نظام یہ ہے کہ اللہ نے بعض کو بعض

80۔ النساء 34:4

پر ترجیح دی ہے، یہ ہمارا فیصلہ ہے کہ مرد کو عورت پر فوقیت ہے اس نظام کو تم بدل نہیں سکتے۔ یہ مرد کی وہبی صلاحیت ہے اس میں مرد کے اختیار کو دخل ہی نہیں ہے۔

مرد کی فوقیت کی دوسری وجہ:

﴿وَّ بِمَآ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ﴾ دوسری وجہ یہ ہے کہ مرد خرچ کرتا ہے اور عورت خرچ کرواتی ہے خرچہ کرنے والا ہاتھ اوپر ہوتا ہے اور خرچہ لینے والا ہاتھ نیچے ہوتا ہے، اوپر والے ہاتھ کو نیچے والے ہاتھ پر فوقیت ہوتی ہے دیکھو اللہ نے کیسی عقلی بات فرمائی ہے اور دونوں باتیں سمجھائی ہیں۔

بعض خواتین مردوں سے افضل ہیں:

اچھا یہ مسئلہ سمجھیں! یہ جو مسئلہ بیان کیا ہے نا کہ مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے یہ جنس مرد کو جنس عورت پر ہے ورنہ جزوی طور پر بعض عورتیں مردوں سے افضل ہوتی ہیں۔ میری بات سمجھ آگئی؟ یعنی عموماً کہا ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ عالم عابد سے افضل ہے لیکن اگر کوئی مولوی صاحب بھی ہو ٹیلی ویژن بھی دیکھتا ہو گناہ بھی کرتا ہو اور عابد یہ کام نہ کرتا ہو تو پھر ہم اس ٹی وی دیکھنے والے مولوی صاحب کو تو نہیں افضل کہہ سکتے۔ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ یہ عمومی ضابطہ ہے کہ مرد عورت سے افضل ہے لیکن بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو بعض معاملات میں مردوں سے بہت زیادہ سمجھ دار ثابت ہوتی ہیں۔

خواتین کی سمجھداری کے چند واقعات:

میں اس پہ اگر واقعات عرض کروں تو بہت زیادہ وقت لگے گا۔ اتنے واقعات ہیں کہ بعض معاملات میں عورتوں نے ایسے مسائل پیش فرمائے جس کا حل وقتی طور پر مرد بھی نہ پیش کر سکا۔

حضرت ام سلمہ کی دانائی:

ایک واقعہ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی زندگی کا ہے آپ نے سنا ہو گا جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ عمرے کے لیے تشریف لے گئے اور حدیبیہ کے مقام پر روک دیا گیا، صلح کی شرطیں طے ہو گئیں معاہدہ ہو گیا، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم واپس جانے لگے کہ اگلے سال عمرے پر آئیں گے اب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ بھئی ہم عمرہ تو نہیں کر سکتے واپس جانا ہے تو واپس جانے کے لیے یہیں احرام کھولنا پڑے گا لہٰذا یہاں قصر کرو، احرام کھولیں اور واپس چلیں، صحابہ بھی تو عرب تھے، مکہ کے قریشی تھے، اپنے جذبات بھی تھے۔ جب ایسا معاملہ ہوا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دنگ رہ گئے اتنا لمبا سفر کیا ہے ہم حق پر ہونے کے باوجود اتنا نرم معاہدہ کرتے ہیں اور حلق اور قصر کرا کے احرام کھول کر واپس چلے جائیں یہ مدینہ والوں کو کیا جواب دیں گے؟ واپسی کس منہ سے جائیں اور اتنے دینی جذبات تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اس میں تھوڑا سا تردد ہوا کہ میں ان کو اب کیسے سمجھاؤں کہ حلق کروالو، قصر کروالو، ان کے جذبات کو میں کیسے کنٹرول کروں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اسی کیفیت میں اپنے خیمے میں تشریف لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر کچھ غم کے آثار باقی تھے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں انہوں نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا پریشانی ہے آج آپ کے چہرے پر غم کے آثار ہیں فرمایا ام سلمہ پریشانی یہ ہے کہ اس طرح میں ان کو کہوں تو احرام کھولیں گے؟ اگر احرام نہ کھولا تو ایمان کا مسئلہ ہے اگر کھولیں گے تو بہت مشکل ہے ان کے مزاج پر بہت شاق گزرے گا میں کیسے ان سے کہوں کہ احرام کھولو؟ ام سلمہ رضی

اللہ عنہا دیکھو عورت ہیں اور ایسا بہترین حل عرض کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک بھی کِھل اٹھا انہوں نے کہا یارسول اللہ آپ ان سے کچھ بھی نہ کہیں آپ خیمے سے باہر تشریف لے جائیں اور اپنا قصر کروالیں یہ جانثار ہیں خود ہی بال کاٹ دیں گے آپ کچھ بھی نہ فرمائیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خیمے سے باہر نکلے جوں ہی قصر کروایا سب صحابہ شروع ہوگئے چلو بھائی حلق کراؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کروادیا ہے۔ دیکھو کیسا حل پیش فرمایا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جو خاتون اور عورت ہیں۔

ابو حمزہ! تیرا قصور ہے یا میرا؟

ایک اور واقعہ سنیں ایک بہت معروف آدمی تھے، ان کا تاریخ میں تذکرہ ملتا ہے ابو حمزہ ان کی کنیت مشہور تھی نام مشہور نہیں تھا اس نے نکاح کیا دو، چار، پانچ، دس، سال گزرے تو بیٹا نہیں ہو رہا بیٹی پھر بیٹی پھر بیٹی، پھر بیٹی اب انہوں نے سوچا کہ اس عورت کو طلاق دے دوں اس کے ہاں تو بیٹا ہی نہیں ہوتا جیسا آج کل ہمارے ہاں رواج ہے عورت کے ہاں دو، چار، بیٹیاں ہو جائیں تو لوگ سمجھتے ہیں یہ عورت منحوس ہے۔ اس نے سوچا کہ میں اس کو طلاق دے دوں جب طلاق دینے کا ارادہ کیا تو رات کو اپنے گھر آنا چھوڑ دیا کسی اپنے دوست کے ہاں رہنے لگے بیوی ان کی سمجھ دار تھی اس کو بھی اندازہ ہوا کہ میرا شوہر شاید مجھے طلاق دینے کا ارادہ کر چکا ہے اور وجہ یہ ہے، بیوی سمجھ دار بھی تھی اور شاعرہ بھی تھی، اس نے کاغذ پر چند اشعار لکھ کر اپنے خاوند کو بھجوا دیے اس نے لکھا۔

مَا لِأَبِیْ حَمْزَةَ لَا یَأْتِیْنَا غَضْبَانَ أَنْ لَّا نَلِدَ الْبَنِیْنَا

ابو حمزہ کو کیا ہو گیا کہ ہمارے پاس نہیں آتے، وہ اس بات پر ناراض ہیں کہ ہم بیٹا نہیں جنتیں۔

تَاللّٰهِ مَا ذٰلِكَ فِیْ أَیْدِیْنَا فَنَحْنُ كَالْأَرْضِ لِزَارِعِیْنَا

خدا کی قسم! بیٹا جننا ہمارے اختیار میں نہیں ہے، میری مثال زمین کی طرح ہے اور تمہاری مثال کسان کی طرح ہے۔

وَإِنَّمَا نَأْخُذُ مَا أُعْطِينَا وَنُنْبِتُ مَا ذَرَعُوهُ فِينَا

زمین میں وہی بیج ہوتا ہے جو بیج کسان ڈالتا ہے اور زمین وہی پودا اگاتی ہے جو کسان نے بیج ڈالا ہوتا ہے۔[81]

بتائیں! میرا قصور ہے یا آپ کا؟ ابو حمزہ نے معافی مانگی اور گھر آ گئے۔

درِ ابلق کسے کم دیدہ موجود:

ایران کا ایک بادشاہ تھا۔ دوران گفتگو اس کی زبان سے ایک جملہ نکلا جملہ کیا تھا "درِ ابلق کسے کم دیدہ موجود" کہ دنیا میں ایسا موتی کسی نے نہیں دیکھا جو سفید ہو اور اس میں سیاہی ملی ہو اب جملہ زبان سے نکلا شعراء سے کہا شعر پورا کرو شعراء زور لگا رہے ہیں شعر پورا نہیں ہو رہا۔ اس نے کہا بھئی یہ شعر مکمل کرو۔ اب شاعروں سے اس کا جواب تلاش نہیں ہو رہا یہ شعر ایران سے چلتا چلتا ہندوستان میں پہنچا باتیں تو اڑتی ہیں۔ یہی اڑتی ہوئی بات ہندوستان میں پہنچی۔ ہندوستان میں ایک بادشاہ عالمگیر بہت نیک تھا اس کی بیٹی تھی زیب النساء اس نے نکاح بھی نہیں کیا ایسے ہی دنیا سے رخصت ہو گئی زیب النساء اس کی بیٹی تھی بہت بڑی فاضلہ، عالمہ اور شاعرہ تھی ایک دن آئینہ کے سامنے کھڑی تھی اور اپنی آنکھوں میں سرمہ ڈالا جوں ہی سرمہ ڈالا اس سے آنسو نکلا اب دیکھو سفید آنسو ہے اس میں سرمہ ملا ہو موتی بنا کہ نہیں؟ دیکھو یہ بھی شاعرہ تھی فوراً شعر مکمل کیا عالمگیر سے کہا بادشاہ کو شعر بھیج دیں۔ اس نے کہا:

در ابلق کسے کم دیدہ موجود مگر اشکِ بتانِ سرمہ آلود

81۔ تفسیر الشعراوی: جزء 1 ص 4942، وغیرہ

دنیا میں ابلق موتی کسی نے نہیں دیکھا لیکن محبوب کی آنکھ کا آنسو جس میں سرمہ ملے اسے "دُرِ ابلق" کہتے ہیں۔ شاعرہ تھیں تو شاعرانہ جواب دیا اب جب شعر وہاں پہنچا تو بادشاہ تڑپ اٹھا کہ ایسا بلا کا شاعر دنیا میں کون ہے؟ ایک تو شعر پورا کیا دوسرا اس ظالم نے مصرعہ کون سا بنایا؟ شاعر تو محبت کی باتوں پہ تڑپتے ہیں۔

اب بادشاہ نے پھر ہندوستان پیغام بھیجا کہ اس شاعر کو ہمارے دربار میں بھیجا جائے۔ عالمگیر کے پاس پیغام پہنچا، عالمگیر نے زیب النساء سے کہا بادشاہ بلا رہے ہیں اب کیا کرنا چاہیے؟ بہت نیک عورت تھی اس نے کہا میرا شعر لکھو اور بادشاہ کو بھیج دو اس نے پھر شعر لکھا، بڑا عجیب اس نے کلام کیا، ایسی بلا کی شاعرہ تھی۔ اس نے کہا:

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگِ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

میں اپنے کلام میں ایسے چھپی ہوں جیسے خوشبو پھول میں چھپی ہوتی ہے بندہ پھول کو دیکھ سکتا ہے، خوشبو کو نہیں دیکھ سکتا۔ تُو میرا کلام سن سکتا ہے، مجھے دیکھ نہیں سکتا۔ بادشاہ سمجھ گیا کہ شاعر نہیں، شاعرہ ہے۔ یہ مرد نہیں، عورت ہے۔ بتاؤ کیسی سمجھ دار عورت تھی۔

خیر میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ نے مردوں کو عورتوں پر فوقیت عطا فرمائی ہے لیکن اتنا بھی نہ اکڑیں۔ بعض عورتیں بہت سمجھ دار ہوتی ہیں۔ اللہ آپ سب کو سمجھ دار بیویاں، سمجھ دار بیٹیاں، سمجھ دار بہنیں اور سمجھ دار گھر کا ماحول عطا فرمائے۔ گھر کا ماحول سمجھ دار ہو تو دین کا کام کرنا بہت آسان ہوتا ہے گھر کی عورتیں سمجھ دار ہوں تو کاروبار بھی بہت اچھا چلتا ہے سمجھ دار خواتین اللہ سب کو عطا فرمائے۔ (آمین)

اگر بیوی بات نہ مانے تو کیا کریں؟

﴿وَالّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ فَعِظُوۡهُنَّ وَاهۡجُرُوۡهُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ وَاضۡرِبُوۡهُنَّ ۚ

﴿فَاِنۡ اَطَعۡنَکُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَیۡهِنَّ سَبِیۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیۡرًا ﴿۳۴﴾﴾

اسی آیت میں ایک چھوٹا سا مسئلہ تھا میں اختصار سے عرض کرتا ہوں۔ اگر کبھی خاوند اور بیوی میں کچھ ناچاقی ہو جائے اور خاوند سمجھے کہ بیوی میری بات نہیں مانتی تو قرآن نے تین درجے بتائے ہیں:

پہلا درجہ:

جس عورت سے تمہیں نافرمانی کا اندیشہ ہو یعنی تمہاری بات نہیں مانتی تو اس کو پہلے دن مارنا شروع نہ کرو بلکہ ﴿فَعِظُوۡهُنَّ﴾ ان کو پیار سے سمجھاؤ ان کو محبت سے سمجھاؤ۔

میں تو چھوٹا ہوں اس لیے ایسی بات نہیں کہتا۔ مفتی اعظم پاکستان مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ کا بیان میں نے سامنے بیٹھ کر سنا ہے بالکل سامنے بیٹھ کر ہم بچپن میں سنتے تھے فرماتے ہیں کہ اپنی بیوی سے کہو کہ تو میری لیلیٰ ہے مجھے تجھ سے بہت محبت ہے، میں تجھے جہنم میں جاتا برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھے تجھ سے بہت پیار ہے میں تجھے بگڑتا ہوا برداشت نہیں کر سکتا، یہ میرے بس میں نہیں ہے۔ ایسے الفاظ اختیار کرو وہ سمجھے کہ میرے شوہر کو مجھ سے بہت پیار ہے پھر اس کو بات سمجھانی شروع کرو پھر دیکھو کیسے بات نہیں سمجھتی، ہم پہلے ہاتھ اٹھاتے ہیں پھر ڈنڈا تجھے شرم نہیں آتی؟ تجھے نہیں پتا تو کس کے نکاح میں ہے؟ تجھے پتا نہیں تو کس خاندان سے اٹھ کر آگئی ہے؟ اللہ اکبر! آدمی کو سوچنا چاہیے آپ یقین فرمائیں اتنا دکھ ہوتا ہے۔

معاشرے میں خواتین کو عزت نہیں دی جاتی:

میں پاکستان سے باہر ایک ملک کے دورے پر تھا۔ ایک خاتون کو فون کیا۔ میں نے اس کا نام لے کر کہہ دیا کہ بیٹا... ہم آرہے ہیں ہمارے لیے فلاں کھانا تیار کرو!

وہ روپڑی میں نے کہا کیا ہوا؟

اس نے کہا: آپ نے میرا نام لیا میں روپڑی، اس لیے کہ آپ بڑے ہیں تو آپ نے نام لیا مجھے عرصہ گزر گیا ہے اس کے نکاح میں اس ظالم نے آج تک میرا نام نہیں لیا اس ظالم نے کبھی میرا نام لے کر محبت سے نہیں پکارا۔ میں میٹرک پڑھی ہوں، باپ میرا تھا نہیں، میں باپ کے بغیر تھی، میری ماں نے اس کے نکاح میں دیا تو کہتا ہے ہم اتنے بڑے لوگ تھے تو کوڑے کے ڈھیر پر پڑی تھی، تجھے اٹھا کر سینے سے لگایا ہے آج تو باتیں کرتی ہے؟ اس نے کہا بتاؤ دنیا میں میرا اس کے علاوہ کوئی بھی نہیں یہ بھی کہتا ہے کہ کوڑے کے ڈھیر پر پڑی تھی بتاؤ میرا کلیجہ پھٹتا ہے میں کہاں جاؤں؟

عورت کا تعلق تو خاوند کے ساتھ ہوتا ہے، خاوند بڑے خاندان کا ہے تو چھوٹی عورت بڑی بن جاتی ہے اگر خاوند چھوٹے خاندان کا ہو تو بڑی عورت چھوٹی بن جاتی ہے

فرمایا: ﴿فَعِظُوْهُنَّ﴾ ان کو پہلے سمجھاؤ!

دوسرا درجہ:

اگر پھر بھی نہ سمجھے تو ﴿وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ﴾ بستر الگ کر دو، مکان الگ نہ کرو بلکہ بستر الگ کر دو۔ ہم ناراض ہوں تو گھر میں نہیں جاتے، نہیں صرف بستر الگ کرو۔

تیسرا درجہ:

اگر پھر بھی نہ سمجھے تو ﴿وَاضْرِبُوْهُنَّ﴾ پھر اس کو مارو۔

مارنے کی حدود کیا ہیں؟

مارنے کا مطلب بھی سمجھ لو اس کے چہرے پر تھپڑ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، جوتے سے مارنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، سوٹی سے مارنا کہ اس کے جسم پر نشان پڑیں

کوئی گنجائش نہیں ہے ہلکا سا مارو، یہ ہے مارنے کا مطلب۔ کیونکہ بڑے خاندان کی سمجھ دار عورت ہو تو اس پر ہاتھ بھی اٹھانا اس کے مر جانے کے برابر ہوتا ہے تو جوتے مارنے سے تم اس کی ساری جھجک اتار دو گے پھر دوبارہ اس نے ٹھیک کیسے ہونا ہے؟

ایک بچی کا المناک واقعہ:

اللہ کی قسم! اتنا دکھ ہوتا ہے ہمارے ہاں ایک بچی کا نکاح ہوا والدہ کے ساتھ آئی رو پڑی کہتی ہے میں کیا بتاؤں آپ کو؟ میرا نکاح ہوا، پردے کا اہتمام میں کرتی ہوں، نمازیں میں پڑھتی ہوں، گھر کے سارے کام کرتی ہوں، خدمت ساری کرتی ہوں۔ ملک سے باہر رہتا ہے پاکستان آیا کسی رشتہ دار کے ہاں گئے، وہیں مجھے جوتے سے مارنا شروع کر دیا۔ کہتے ہیں جی باہر بہت تہذیب سکھاتے ہیں! ابھی چند دن گزرے وہ عورت حمل کے ساتھ ہے پھر اس کو طلاق بھی دے دی ہے۔ میں نے کہا بتا ظالم اللہ تجھے بخشے گا؟ خدا تجھے معاف کرے گا؟ کتنا بڑا ظلم تو نے ایک عورت کے ساتھ کیا۔

خیر پہلے اس کو سمجھاؤ پھر بستر الگ کرو اگر پھر بھی نہیں سمجھتی تو اتنا مارو جس سے اس کو زخم نہ پڑے اس کا خیال کرو۔

شرعی احکام میں تحریف یہود انہ روش ہے:

﴿مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا وَ اسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ ۙ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾﴾

اس میں اللہ رب العزت نے یہود کی ایک نشانی بیان فرمائی ہے میں اب ذرا بات کو سمیٹتا ہوں یہود کی علامت کیا ہے؟ وہ اپنے مقامات سے کلمے بدل دیتے ہیں

جس موقع پر کلمہ ہوتا ہے اس پر کہتے نہیں ہیں اور ایسے کلمات جس سے اشتباہ پڑ جائے وہ بولتے ہیں۔ زبان سے کہتے ہیں ﴿سَمِعْنَا﴾ اور دل میں کہتے ہیں ہم نہیں مانتے اور کہتے ہیں: ﴿وَ اسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ﴾ اے نبی! تو سن ایسی بات جس کی بات مانی نہ جائے۔ اللہ فرماتے ہیں بہت ظلم کیا ہے اپنی زبانیں موڑ کر کچھ جملے کہتے ہیں اللہ فرماتا ہے یوں نہیں کہنا چاہیے ان کو صاف صاف ﴿سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا﴾ کہنا چاہیے۔

کفار اور فاسق لوگوں کی مشابہت سے بچیں:

اس سے آپ کو میں نے جو بات سمجھائی ہے وہ سمجھو ایسا جملہ کہنا جس سے اشتباہ پڑے اس سے بچنا بہت ضروری ہے ایسا لباس پہننا جس سے اشتباہ پڑے اس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

محرم کے دنوں میں کالا کپڑا:

مجھ سے ایک ساتھی نے مسئلہ پوچھا کہ مولانا صاحب محرم کے دنوں میں کالا لباس پہننا کیسا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ کالا لباس پہننا تو جائز ہے مگر محرم کے دنوں میں نہیں پہننا چاہیے۔ محرم کے دنوں میں کالے لباس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ شیعہ ہے اس لیے ایسا لباس نہ پہنو کہ لوگ تمہیں رافضی سمجھیں۔ بس اس کی احتیاط کرو اشتباہ سے بچنا بہت ضروری ہوتا ہے۔

اشتباہ سے بچنے کا حل قرآن کریم سے:

قرآن کریم میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں آنے والے جادوگر ایمان لائے تو انہوں نے کہا: ﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى

وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ﴾[82] کہ ہم اس رب العالمین پر ایمان لائے ہیں جو موسیٰ وہارون کا رب ہے۔ انہوں نے صرف یہ نہیں کہا کہ "ہم رب العالمین پر ایمان لائے" بلکہ ساتھ ﴿رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ﴾ بھی کہا۔ اگر صرف ﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کہتے تو فرعون سمجھتا کہ مجھ پر ایمان لائے ہیں کیونکہ رب العالمین تو میں ہی ہوں۔ انہوں نے اس غلط فہمی کو دور کر دیا کہ "رب العالمین" سے مراد تو نہیں ہے بلکہ رب العالمین سے مراد موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا رب ہے، ہم اس پر ایمان لائے ہیں۔ اس سے ایک بات سمجھ میں آئی کہ مکانِ اشتباہ سے بچو۔

عقیدہ حیات کے منکر پر شرعی حکم:

میں آج کے حوالے سے ایک اہم عقیدے پر بات کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں جو شخص نبی کو بتعلق روح قبر اطہر میں زندہ نہیں مانتا:

- وہ اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہے۔
- ایسے بندے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔
- اپنی نماز اس کو لوٹانے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

منکرین حیات کی دھوکہ بازی:

میں یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ آج کے دور میں جو لوگ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ نہیں مانتے وہ بھی کہتے ہیں کہ ہم تو زندہ مانتے ہیں۔ آپ لوگ غلط فہمی میں ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ہم مانتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں: نہیں مانتے۔ اب اشتباہ تو پڑ گیا جب اشتباہ پڑ گیا۔ تو اللہ پاک فرماتے ہیں کہ اشتباہ میں مت پڑو، ایسا جملہ کہو جس سے اشتباہ

82۔ الاعراف 7:121، 122

پڑے ہی نا۔

منکرینِ حیات سے آسان سا سوال:

ان سے آپ فوراً پوچھیں کہ آپ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا والے جسد مبارک کو زندہ مانتے ہیں؟ جو روضہ اطہر میں قبر مبارک ہے اس قبر میں زندہ مانتے ہیں؟ کہتے ہیں ہم تو اعلیٰ حیات مانتے ہیں ہم نے کہا بتاؤ کہ اس جسم کو مانتے ہو یا نہیں مانتے؟ بالکل دوٹوک بات کرو۔

علیین کے نام پر دھوکہ:

کہتے ہیں ہم تو اعلیٰ حیات کو مانتے ہیں۔ اعلیٰ حیات کا مطلب کیا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی روح علیین میں ہے، ہم علیین میں تو زندہ مانتے ہیں ہم نے کہا کہ نبی پاک کی روح علیین میں ہے یا جسم علیین میں ہے؟ ارے جگہ وہ اعلیٰ ہے جہاں پیغمبر کا جسد اطہر موجود ہے علیین کیسے اعلیٰ ہو گئ؟ اعلیٰ تو وہ جگہ ہے جہاں پیغمبر کا جسد اطہر موجود ہے۔

علیین والی حیات اعلیٰ کیسے ہے؟

دیوبند کا عقیدہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے کہ جس جگہ پیغمبر کا وجود اطہر موجود ہے قبر مبارک کی وہ مٹی جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم سے لگی ہے یہ کعبہ سے بھی اعلیٰ ہے، عرش سے بھی اعلیٰ ہے اور آپ کہتے ہیں علیین اعلیٰ ہے، وہ حیات اعلیٰ کیسے؟ حیات تو یہ اعلیٰ ہے جب شبہ پڑ جائے تو کیا کریں؟ حضور پاک کے دنیاوی جسم کی حیات کا تعلق روح کے ساتھ زمینی قبر میں زندہ مانتا ہے یا نہیں مانتا؟ پھر دیکھنا حیات مانتا ہے یا نہیں مانتا۔ اشتباہ کے موقع پر عقیدے کو صاف رکھنا بہت ضروری ہے۔

رحمت باری تعالیٰ سے مایوس نہیں ہونا چاہیے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿٤٨﴾﴾

اس آیت کا مفہوم تو آپ سمجھتے ہیں میں نے اس کے تحت ایک واقعہ عرض کرنا ہے جو ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے اور تفسیر خازن میں بھی موجود ہے۔ واقعہ بڑا سننے والا ہے۔ اللہ رب العزت جب کسی پر نظر کرم فرماتے ہیں تو اللہ اس کی ہدایت کے لیے دروازے کیسے کھولتے ہیں؟

حضرت وحشی کے قبول اسلام کا واقعہ:

وحشی؛ جو بعد میں وحشی رضی اللہ عنہ بنے۔ اس وقت واقعتاً وحشی تھے بعد میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ بنے۔ جنگ احد میں آئے ہندہ کے غلام تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہندہ جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئی تھیں، ان کے غلام تھے۔ ہندہ کے بھائی کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے میدان بدر میں قتل کیا۔ تو ہندہ نے کہا اگر تم حضرت حمزہ کو قتل کر دو میں تمہیں آزاد کر دوں گی۔ وحشی چھوٹا نیزہ چلانے کا ماہر تھا آزادی کے لالچ میں آ کر وحشی نے چھپ کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو نیزہ مارا حضرت حمزہ کے پیٹ میں لگا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ ہندہ نے اس کو آزاد کر دیا۔ اب بتاؤ! کتنا بڑا جرم ہے؟

قبول اسلام کی پہلی دعوت:

لیکن جب اللہ کی رحمت متوجہ ہو تو کیسے متوجہ ہوتی ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ عرصے بعد فرمایا کہ جاؤ جا کے وحشی کو اسلام کی دعوت دو۔ صحابی گئے کہا کلمہ پڑھ لو بولے میں کلمہ کیسے پڑھ لوں کوئی بندہ زنا کرے، چوری کرے تو قرآن

کہتا ہے ﴿یَلۡقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾﴾[83] یہ بہت بڑا گناہ ہے اس کو کئی گنا عذاب ملیں گے جو بندہ چوری کرے، زنا کرے وہ تو جہنمی ہے میں نے تو سارے گناہ کیے ہیں میں نے کلمہ پڑھ بھی لیا میں تو جہنمی ہوں جہنم میں جلوں گا کیسے کلمہ پڑھوں؟

قبول اسلام کی دوسری دعوت:

اب یہ صحابی واپس آئے یارسول اللہ! آپ نے ہمیں اپنا سفیر بنا کر بھیجا ہم نے دعوت دی اس نے اشکال کر دیا ہے قرآن کریم کی آیت اتر آئی: ﴿اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۷۰﴾﴾[84] جو بندہ ایمان لایا نیک عمل کیا اور توبہ کی خدا اس کے سارے گناہ معاف کریں گے بلکہ گناہ کی جگہ پر بھی نیکیاں لکھ دیں گے وحشی کے پاس پیغام بھیجا وحشی کہنے لگا یہ تو فرمایا جس نے توبہ کی جس نے نیک عمل کیا، "ھٰذَا شَرۡطٌ شَدِیۡدٌ" کہ یہ تو بڑی سخت شرط ہے ہو سکتا ہے مجھ سے توبہ نہ ہو تو پھر میں کلمہ کیوں پڑھوں؟

قبول اسلام کی تیسری دعوت:

یہ سفیر پھر واپس آیا، حضور! وحشی نے پھر اشکال کر دیا ہے پھر قرآن کریم کی آیت اتری: ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ﴾[85] اللہ شرک کو معاف نہیں کرتے باقی جو گناہ وہ چاہے معاف کر دیتے ہیں وحشی سے کہا اب تو آجاؤ وحشی نے پھر اشکال کر دیا کہ اللہ چاہے تو معاف کرتے ہیں پتا

83۔ الفرقان 68:25

84۔ الفرقان 70:25

85۔ النساء 48:4

نہیں میری معافی چاہتے ہیں یا نہیں۔ میں کیسے کلمہ پڑھوں؟

قبول اسلام کی چوتھی دعوت:

پھر واپس آئے صحابی کہ حضور وحشی نے یہ اعتراض کیا ہے پھر قرآن کی آیت اتری: ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ﴾[86] خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو خدا سارے گناہ معاف کر دے گا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ وحشی کو بتاؤ وحشی کہتا ہے اب ٹھیک ہے اب مجھے کلمہ پڑھا دو اور مسلمان ہو گئے۔[87] دیکھو اللہ کی رحمت جب متوجہ ہوتی ہے تو کیسے بندے کو کھینچ لیتی ہے۔

مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کا قتل:

حضرت وحشی خود کہتے ہیں کہ میں نے اتنا بڑا جرم کیا تھا کہ میرا جی چاہتا تھا کفارے میں نیکی بھی کوئی بہت بڑی کروں جتنا بڑا مسلمان قتل کیا ہے دل چاہتا ہے اتنا بڑا کافر بھی قتل کروں۔ مسیلمہ کذاب نے دعوی نبوت کیا حضرت وحشی نے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا حضرت وحشی فرمایا کرتے تھے: "قَتَلْتُ خَيْرَ النَّاسِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وشَرَّ النَّاسِ فِي الْاِسْلَامِ "[88] کہ میں نے جس طرح زمانہ جاہلیت میں بڑا اچھا آدمی مارا تھا تو میں نے زمانہ اسلام میں سب سے گندا آدمی قتل کیا۔ میرا دل بڑا خوش ہے کہ میں نے جتنا بڑا جرم کیا نیکی بھی اتنی بڑی کی ہے۔ تو خیر میں بتا رہا تھا کہ اللہ کی رحمت متوجہ ہو تو اللہ یوں ہی معاملہ آسان فرما دیتے ہیں۔

86۔ الزمر 39:53

87۔ مرقاۃ المفاتیح: ج5 ص267

88۔ اسد الغابۃ لابن اثیر: ج4 ص476 ترجمۃ وحشی بن حرب

بیت اللہ کی تولیت:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝۵۸﴾

میں صرف اس آیت کا چھوٹا سا پس منظر بتانا چاہتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تھے۔ بیت اللہ میں گئے۔ مکہ مکرمہ میں جو اس وقت بیت اللہ کا متولی تھا وہ عثمان بن طلحہ تھے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اندر جانے لگے تو اس نے کہا: میں نہیں جانے دیتا۔ اس نے ترش روئی سے کام لیا، سخت الفاظ کہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عثمان بن طلحہ! اس وقت کا انتظار کرو جس دن بیت اللہ کی چابی میرے پاس ہو گی –اللہ اکبر!– اور بیت اللہ میں وہی داخل ہو گا جس کو میں چاہوں گا۔ عثمان بن طلحہ کہتے ہیں: مجھے بڑا تعجب ہوا کہ یہ کیسی بات کرتے ہیں؟ عثمان بن طلحہ نے کہا کہ پھر وہ وقت تو قریش کے لیے بہت بدتر ہو گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، وہ وقت قریش کے لیے سب سے زیادہ عزت کا ہو گا۔

حضور علیہ السلام کے اخلاق حسنہ کا اثر:

جب مکہ فتح ہوا تو اس وقت نبی پاک مکہ مکرمہ میں گئے بیت اللہ میں داخل ہونے لگے داخل ہوئے اور باہر نکلے، فرمایا: عثمان لاؤ چابی دو! عثمان نے ایک جملہ کہا میں بطور امانت آپ کو دیتا ہوں، حالانکہ امانت کیسی؟ متولی تو نبی ہے والی ہے وہ جسے چاہے چابی دے دے مگر اس نے کہا جی میں بطور امانت آپ کو چابی دیتا ہوں۔

حضور نے چابی لے لی اور فرمایا: عثمان وہ وقت یاد آ گیا جب میں نے تم سے کہا تھا کہ اس وقت کا انتظار کرو جب چابی میرے پاس ہو گی؟ میں چاہوں گا تو کوئی بیت اللہ

میں داخل ہو گا اس نے کہا حضور مجھے اچھی طرح یاد آگئی۔ اللہ کے نبی نے فرمایا: یہ لو میں تجھے چابی واپس دیتا ہوں اوراعلان کرتا ہوں کہ قیامت تک یہ چابی تمہارے خاندان میں ہی رہے گی۔ عثمان بن طلحہ نے کلمہ پڑھ لیا: اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔[89] اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے باہر تشریف لائے تو زبان پر یہ آیت جاری تھی: ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا﴾ کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ امانت والے کو امانت واپس لوٹا دو۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگرچہ امانت تھی نہیں لیکن اس نے زبان سے امانت کہہ دیا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کی بھی رعایت فرمائی اور فرمایا: تم نے امانت کہا تھا، لو ہم تمہیں واپس دیتے ہیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی رعایت فرمائی۔

فقہاء کی بات ماننا بھی ضروری ہے:

﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۵۹﴾﴾

اس آیت کو دیکھ کر بعض لوگ کہتے ہیں ہم قرآن بھی مانتے ہیں حدیث بھی مانتے ہیں، فقہ کہاں سے آئی؟ اللہ بھی مانتے ہیں رسول بھی مانتے ہیں فقہاء کہاں سے آئے؟ اس آیت کے تحت مفسرین نے لکھا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "اُولِی الْاَمْرِ" سے مراد فقہاء ہیں۔ اس کا مطلب کیا ہوا؟

89۔ تفسیر الخازن: ج1 ص394، الکشف والبیان: ج2 ص307، تفسیر ابی السعود: ج2 ص221

- اللہ کی بات بھی مانو!
- پیغمبر کی بات بھی مانو!
- اور فقہاء کی بات بھی مانو!
- اللہ کی بات کو "قرآن" کہتے ہیں۔
- پیغمبر کی بات کو "حدیث" کہتے ہیں۔
- فقہاء کی بات کو "فقہ" کہتے ہیں۔
- تو "قرآن" کا تذکرہ بھی قرآن میں۔
- "حدیث" کا تذکرہ بھی قرآن میں۔
- "فقہ" کا تذکرہ بھی قرآن میں ہے۔
- ہم قرآن بھی مانتے ہیں۔
- حدیث بھی مانتے ہیں۔
- فقہ بھی مانتے ہیں۔
- اللہ کو بھی مانتے ہیں۔
- اللہ کے رسول کو بھی مانتے ہیں۔
- فقہاء کو بھی مانتے ہیں۔

انقلاب کے دلفریب نعرے:

آج بڑے بڑے سائن بورڈوں پر ایک جملہ لکھا ہوا ہے اس کو بڑی اچھی طرح تنقیدی نگاہ سے دیکھنا! آپ سائن بورڈ دیکھتے ہیں یا اس کے پاس سے گزر جاتے ہیں؟ تو نئے نئے سائن بورڈوں پر ایک جملہ لکھا جا رہا ہے "انقلاب کے تین نشان۔ اللہ، محمد اور قرآن۔" نہیں پڑھا؟ آپ ذرا بڑے بڑے بورڈ دیکھیں! وہ ایسی جماعت ہے جو سیاسی بھی ہے اور مذہبی بھی ہے۔ اب تو آپ کو سمجھ جانا چاہیے ایسی جماعت جو مذہبی

ہے اوراپنی سیاست ؛مذہب کے نام پر کرتی ہے۔ آپ دیکھیں! لکھا ہوا ہے؛ انقلاب کے تین نشان؛ اللہ، محمد اور قرآن۔

حدیث اور فقہ کہاں چلی گئیں؟:

بتاؤ! حدیث گئی یا نہیں؟ سمجھے! قرآن کا نام لیا، حدیث کا نام نہیں لیا۔ آپ کہتے ہیں کہ جب محمد آ گئے تو حدیث بھی آ گئی۔ میں کہتا ہوں جب اللہ آ گیا تو قرآن بھی آ گیا پھر قرآن کا نام لینے کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ، محمد اور قرآن۔ اس میں حدیث کا تذکرہ بھی ختم، فقہاء کا تذکرہ بھی ختم اور فقہ کا تذکرہ بھی ختم بتاؤ یہ کون سا انقلاب ہے؟ جس میں نہ پیغمبر کی حدیث ہو اور نہ پیغمبر کے وارث فقہاء ہوں۔ بتاؤ! یہ کون سا انقلاب ہو سکتا ہے؟

استشفاع کا عقیدہ:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾﴾

اس آیت میں اللہ پاک نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی جان پر ظلم کرے یعنی اگر کسی شخص سے گناہ ہو جائے تو بخشش کا طریقہ یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے خود بھی گناہوں کی معافی مانگے اور حضور سے گزارش کرے کہ آپ اللہ سے فرمائیں کہ اللہ میرے گناہ معاف کر دے۔ پیغمبر اس کے لیے معافی مانگیں گے خدا اسے معاف کر دیں گے۔

استشفاع کا حکم آج بھی باقی ہے:

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے، آپ گھر جا کر

معارف القرآن اٹھا کر دیکھو! اگر تم دیوبندی ہو تو گھر جا کر دیکھو۔ مفتی اعظم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جس طرح یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاوی زندگی میں تھا اسی طرح یہ حکم آج بھی موجود ہے، آج بھی نبی کی قبر پر جاؤ اور وہاں جا کر کہو: اللہ! میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں اور حضور سے گزارش کرتا ہوں کہ آپ بھی میرے گناہوں کی معافی مانگیں! نبی گناہوں کی معافی مانگیں گے خدا تمہارے گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ یہ حکم آج بھی موجود ہے اور اس پر مفتی اعظم پاکستان نے واقعات بھی بیان فرمائے ہیں۔

ایک واقعہ تفسیر ابن کثیر میں ہے۔ ایک واقعہ الجامع لاحکام القرآن میں امام قرطبی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اور یہ دونوں شافعی عالم ہیں۔ کوئی حنفی بھی نہیں ہیں۔

استشفاع کا پہلا واقعہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تین بعد ایک اعرابی آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر یہ آیت پڑھی اور اسی طرح حضور سے گزارش کی۔ میں خدا سے معافی مانگتا ہوں حضور آپ بھی سفارش کریں فرماتے ہیں نبی پاک کی قبر سے آواز آئی خدا نے تیرے گناہ معاف کر دیے ہیں۔[90]

استشفاع کا دوسرا واقعہ:

دوسرا واقعہ کیا ہے؟ آج بھی آپ روضہ رسول پر جائیں، اشعار درج ہیں، محمد بن عبید اللہ عتبی عاشق پیغمبر تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی حضور پاک کے روضے پر آئے پہلے سلام پیش کیا پھر یہ آیت پڑھی اے اللہ کے پیغمبر! میں آپ کے پاس آیا ہوں خود بھی گناہوں کی معافی مانگتا ہوں اور آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ

90۔ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ج1 ص915

آپ بھی اللہ سے سفارش کریں کہ وہ میرے گناہ معاف فرمادے! یہ کہا اور واپس جانے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پر یہ شعر پڑھے:

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ أَعْظُمُهُ

فَطَابَ مِنْ طِيبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْأَكَمُ

نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ أَنْتَ سَاكِنُهُ

فِيهِ الْعَفَافُ وَفِيهِ الْجُودُ وَالْكَرَمُ [91]

آج بھی یہ اشعار روضہ اقدس پر درج ہیں اس نے کہا حضور دنیا میں جتنے بھی لوگ مدفون ہیں سب سے بہتر آپ کی جگہ ہے اس روضے کی برکت سے کائنات منور ہوتی ہے اس نے جملہ کیا کہا ہے؟ "أَنْتَ سَاكِنُهُ" مجھے آپ بتاؤ "ساکن" کس کو کہتے ہیں زندہ کو یا مردہ کو؟ بتاؤ ساکن کس کو کہتے ہیں؟ مسکن کہتے ہیں مکان کو ساکن رہنے والے کو، سکنٰی رہنے کی جگہ کو۔ جب نکاح ہوتا ہے تو شوہر کے ذمے دو چیزیں ہیں نان ونفقہ اور سکنٰی نان ونفقہ کا معنی ہے کھانا پینا اور کپڑے اور سکنٰی کا معنی ہے اس کو مارنے کی جگہ یا اس کو زندہ رکھنے کی جگہ (سامعین، زندہ رکھنے کی جگہ) تو ساکن کا معنی کیا ہے؟ رہنے کی جگہ۔

اب یہ شاعر کیا کہتے ہیں "نَفْسِي الْفِدَاءُ" حضور میری جان فدا ہو اس قبر پر جس میں آپ ساکن ہیں میری جان اس قبر پر فدا ہو جائے، اس میں عفت بھی ہے اس میں جود بھی ہے اس میں سخاوت بھی ہے، یہ جملے کہے۔

عقیدہ حیات النبی کو شرک کہنے والوں سے ایک سوال:

اگر عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم شرک ہے تو حضور کے روضے

91۔ تفسیر ابن کثیر: ج2ص315

پر کیوں لکھا ہوا ہے؟ ادھر آپ کہتے ہیں نبی پاک نے دعا مانگی:

"اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُّعْبَدُ۔"[92]

اللہ میری قبر پر کبھی شرک نہ ہو۔

حضور نے دعا کی ہے، خدا نے قبول فرمائی ہے۔

یہ عقیدہ شرک ہے تو نبی پاک کے روضے پر کیوں لکھا ہوا ہے؟ میری بات سمجھ آئی؟ ادھر آپ کہتے ہیں کہ حضور کی دعا قبول ہو گئی قبر پر کبھی شرک نہیں ہو سکتا تو پھر یہ عقیدہ شرک کیسے ہے؟

اس نے کیا کہا "نَفْسِی الْفِدَاءُ" میری جان بھی قربان ہو اس قبر پر جس میں حضور آپ تشریف فرماہیں خیر یہ چلے گئے محمد بن عبید اللہ عتبی فرماتے ہیں: میں سو گیا، میں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا حضور آئے فرمایا جاؤ اس دیہاتی بندے کو ملو، اس کو بتاؤ خدا نے اس کے گناہ معاف کر دیے ہیں۔ آج بھی جاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر یوں کرو، اس مسئلے کا نام ہے "استشفاع" اس کا مطلب ہے شفاعت کی درخواست کرنا یہ اھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے۔

جو نبوت کا فیصلہ نہ مانے...........؟:

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۶۵﴾﴾

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کی بات ہے۔ ایک یہودی اور ایک منافق کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرما دیا یہودی کے حق میں۔ یہ دونوں واپس آ گئے تو اب منافق کا

92۔ مؤطا امام مالک، رقم: 593

خیال یہ تھا کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے ہیں حضرت عمر یہودیوں کے سخت دشمن ہیں تو یہ فیصلہ میرے حق میں کریں گے اور یہودی کی مخالفت کریں گے۔ منافق کسے کہتے ہیں؟ اوپر سے مسلمان اندر سے کافر یہ اوپر سے مسلمان تھا یہ گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اور منافق کہنے لگا ہمارا فیصلہ کرو یہودی کہنے لگا عمر! یہودی کو پتا تھا کہ عمر ہمارے دشمن ہیں لیکن فیصلہ غلط نہیں کرسکتے اس نے کہا اے عمر! ہمارا فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بات سماعت فرمالیں ہم دونوں پہلے حضور پاک کے پاس جا چکے ہیں، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ میرے حق میں کر چکے ہیں، اب آپ کی مرضی ہے، اب آپ جیسا چاہو فیصلہ کرو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر کیس کی سماعت کیا فرمائی تھی، فرمایا: تم تھوڑی دیر ٹھہرو، میں گھر سے ہو کر آتا ہوں۔ حضرت عمر گھر گئے اور گھر سے تلوار اٹھا کر لائے اور آکر منافق کی گردن کو کاٹ کر رکھ دیا، اور فرمایا جو نبی کے فیصلے کو نہیں مانتا اس کا فیصلہ عمر کی تلوار کرتی ہے منافق سارے اکٹھے ہوگئے کہ عمر نے زیادتی کی ہے کیس سنا نہیں ہے قتل کا فیصلہ بنتا نہیں تھا حضرت عمر کے پاس تو کوئی گواہ نہیں ہے اس نے بات غلط کی ہے یا ٹھیک کی ہے کوئی گواہ نہیں تھا تو قرآن اترا۔

قرآن نے فرمایا:

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ میرے پیغمبر! یہ منافق ہے مومن وہ ہوتا ہے جو آپ کے فیصلے مان لے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نہ مانے وہ تو کافر ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کسی مسلمان کو نہیں مارا منافق کو مارا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں قرآن اترا ہے اٹھارہ آیتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ ایک نہیں، دو نہیں، اٹھارہ مواقع پر قرآن بولا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں۔

صراط مستقیم کی چار علامات:

﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓىِٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓىِٕكَ رَفِيْقًا ۝﴾

اس آیت کا خلاصہ کیا ہے اس آیت میں اللہ نے صراط مستقیم کی چار علامات بیان فرمائی ہیں: نمبر 1۔ نبیین 2۔ صدیقین 3۔ شہداء 4۔ صالحین۔

- انبیاء کا راستہ
- صحابہ کا راستہ
- شہداء کا راستہ
- اولیاء کا راستہ۔

توجہ رکھنا! یہ صراط مستقیم کی علامات ہیں۔

- مرزائی اور قادیانی... وہ نبیین سے نکل گئے کیونکہ وہ انبیاء کو نہیں مانتے، مرزا غلام احمد قادیانی کو مانتے ہیں۔
- صدیقین سے وہ وہ نکل گئے جو صحابہ کو نہیں مانتے۔
- شہداء سے اہلِ بدعت نکل گئے کہ ان کے پلڑے میں کوئی شہید نظر ہی نہیں آتا۔
- صالحین سے وہ شخص نکل گئے جو اولیاء کو نہیں مانتے۔
- دیوبند والے انبیاء کو بھی مانتے ہیں۔
- صحابہ کو بھی مانتے ہیں۔
- شہداء کو بھی مانتے ہیں۔

☼ اولیاء کو بھی مانتے ہیں۔

اس لیے ہمیں کوئی الجھن نہیں ہے کیونکہ ہم صراط مستقیم پر ہیں، اللہ ہمیں مرتے دم تک صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

اجماع حجت شرعیہ ہے:

﴿وَ مَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الۡہُدٰی وَ یَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصۡلِہٖ جَہَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا ﴿۱۱۵﴾﴾

توجہ رکھنا! یہ مسئلہ بڑا سمجھنے کا ہے حضرت محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کہتے ہیں اجماع حجت شرعیہ ہے اس کی دلیل کیا ہے کہ اجماع حجت ہے؟

اجماع اور اس کے حجت ہونے کی دلیل:

اجماع سے مراد کیا ہے؟ جس مسئلے پر سارے فقہاء جمع ہو جائیں اس مسئلے کا نام اجماع ہے۔ اجماع کے حجت ہونے کی دلیل کیا ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے تین دن تک مسلسل قرآن کی تلاوت کی۔ دن کو قرآن کی تلاوت، رات کو قرآن کی تلاوت۔ ہر وقت تلاوت ہی تلاوت چھ دفعہ مکمل قرآن پڑھا اور پھر فرمایا کہ یہ آیت اجماع کے حجت ہونے پر دلیل ہے۔[93]

اجماع کے منکر کی دو سزائیں:

اللہ نے فرمایا کہ جو شخص پیغمبر اور مسلمانوں کے راستے کو چھوڑ دے ہم ان کو دو سزائیں دیتے ہیں؛ ایک: دنیا میں ہدایت نہیں دیتے اور دوسرا: آخرت میں اس کو

93۔ الابہاج للسبکی: ج2 ص353

جنت نہیں دیتے۔ اجماع امت دلیل شرعی ہے اور جو بندہ اجماع کا انکار کرے تو اس سے دلیلیں نہ پوچھا کریں۔

اجماع کا سب سے پہلا منکر:

سمجھیں بات کو اس کو دلیل نہ دیا کریں اس کو نکال دیا کریں۔ دفع ہو جا! ہم سے دلیلیں پوچھتا ہے۔ میں اس پر ایک واقعہ سناتا ہوں۔ آدم علیہ السلام کے بارے میں اللہ نے فرمایا: ﴿فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿٧٢﴾﴾ میرے آدم کو سجدہ کرو!، ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿٧٣﴾﴾ تمام ملائکہ نے سجدہ کیا، ﴿اِلَّآ اِبْلِيْسَ﴾ مگر ابلیس نہیں کیا۔ کس نے نہیں کیا؟ (ابلیس نے) تمام فرشتوں نے تو سجدہ کیا صرف ابلیس نے نہیں کیا۔ اب بتاؤ! اس کائنات میں سب سے پہلے اجماع کا انکار کس نے کیا؟ (ابلیس نے، سامعین) پھر اللہ پاک نے جملے ارشاد فرمائے: ﴿اِسْتَكْبَرَ﴾ ابلیس نے تکبر کیا، ﴿وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٤﴾﴾[94] اور یہ کافر ہو گیا۔

منکرِ اجماع کی ”دلیل“:

پھر اللہ پاک نے پوچھا: ﴿يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ اے ابلیس! تو نے میرے آدم کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ اس نے دلیل یہ دی: ﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۭ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿٧٦﴾﴾[95] اللہ! میں تو اس سے بہتر ہوں، مجھے آگ سے بنایا، اسے مٹی سے بنایا۔ دیکھو! مٹی کو اوپر سے پھینکو نیچے آتی ہے آگ کو نیچے ڈالو پھر بھی اوپر جاتی ہے، آگ مٹی سے افضل ہوتی ہے۔ افضل

94۔ ص 38:72 تا 74

95۔ ص 38:75 تا 76

کیسے مفضول کو سجدہ کرے؟ یہ منکر اجماع کی دلیل تھی۔

منکر اجماع سے کیا کہنا چاہیے؟:

چونکہ ابلیس نے اجماع کا انکار کیا تھا اس لیے خدا نے اجماع کے منکر کو دلیل کا جواب نہیں دیا بلکہ فرمایا: ﴿فَاخْرُجْ﴾ نکل جا، دفع ہو جا! سمجھ گئے؟ اور آپ دلیل دینے میں لگے رہتے ہیں۔ اب خوب سمجھ لو کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی اپنی قبروں میں حیات پر امت کا اجماع ہے اور اجماعِ امت کے منکر کو دلیل نہیں دیتے بلکہ "اُخْرُجْ" کہہ کر اپنی صفوں میں سے نکال دیتے ہیں۔ او بھئی تو ہمارا نہیں ہے، نکل جا! یہاں سے۔

او جی! ہمارے پاس قرآن ہے۔ کیا فقہاء کے پاس قرآن نہیں تھا؟ انہوں نے قرآن کے خلاف اجماع کر لیا؟ مجھے سمجھ نہیں آتی کیسی بے عقلی کی بات کرتے ہیں پھر آپ کہتے ہیں جی وہ دلیل؟ میں کہتا ہوں اجماعِ امت کے خلاف دلیل نہیں سنتے، "اُخْرُجْ" کہہ کر صفوں سے نکال دیتے ہیں۔ ان کی صفیں الگ ہیں ہماری صفیں الگ ہیں۔ اللہ ہمیں الگ الگ رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اختیاری اور اضطراری علیحدگی:

سرگودھا کے دوستو! میری بات پہ ناراض نہ ہونا میں نے بات کھل کے تمہیں سمجھا دی ہے، میں قیامت کے دن خدا کا مجرم نہیں ہوں۔ اس دن اعلان ہو گا: ﴿وَ امْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾﴾[96] مجرم لوگ الگ الگ ہو جائیں۔ وہاں الگ ہوں گے لیکن اضطراراً الگ ہوں گے، یہاں الگ کرو اختیاراً کرو اضطراراً

96۔ یٰس 59:36

الگ کرنے پر نیکی نہیں ملتی۔ جب وہاں الگ ہونا ہی ہے تو یہیں سے الگ ہو جاؤ۔ اللہ ہمیں نبی کا عاشق بنائے (آمین) اللہ ہم سب کو نبی کا غلام بنائے (آمین)

عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی ناکام یہودی سازش:

﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ ﴾[97]

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ پاک نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی براءت بیان فرمائی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی براءت اس طرح ہے کہ یہود سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لیے گئے۔ آگے کئی روایات ہیں۔ ایک روایت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثانی رحمہ اللہ نے امام ضحاک رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ نقل فرمائی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے حوارین کے ساتھ موجود تھے اور ابلیس نے یہودیوں کو جا کر بتایا کہ عیسیٰ علیہ السلام فلاں کمرے میں چھپے ہیں، جاؤ اور انہیں گرفتار کر کے قتل کرو۔

یہودی جمع ہو کے آگئے باہر یہودی ہیں اندر عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کے ساتھ۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہودی آگئے ہیں، تم میں سے کوئی ایسا بندہ ہے جو اپنی جان قربان کر دے؟ تو وہ کل قیامت کے بعد جنت میں میرے ساتھ ہو گا۔ ایک حواری نے کہا: جی! میں تیار ہوں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اس کو اپنی مبارک پگڑی دی اور اپنی مبارک قمیص دی۔ انہوں نے پگڑی بھی سر پہ رکھ لی اور قمیص بھی پہن لی۔ اللہ نے شکل بھی عیسیٰ علیہ السلام جیسی بنا دی۔

تو جب یہ باہر نکلے تو یہودیوں نے سمجھا کہ یہی عیسیٰ ہیں۔ اسی کو قرآن نے بیان کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سولی پہ نہیں چڑھے بلکہ ان کا جو شبیہ تھا اس کو انہوں

97۔ النساء4:157

نے سولی پہ چڑھایا۔ وہ قتل ہو گیا اور عیسیٰ علیہ السلام بچ گئے۔

طیطلانوس کون تھا؟

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ایک آدمی تھا اس کا نام طیطلانوس تھا۔ وہ یہودی تھا، جب اس کو یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لیے اندر بھیجا تو اس کی شکل کو اللہ نے تبدیل کر دیا۔ جب باہر نکلا تو یہود نے پوچھا جی کیا بنا؟ کہتا ہے اندر عیسیٰ نہیں ہے۔ یہودی کہنے لگے: واہ جی! خود ہی عیسیٰ ہے اور کہتا ہے کہ وہ نہیں ہے۔ اس کو پکڑا اور سولی پہ چڑھا دیا۔

بہر حال جو بھی روایت ہو قرآن کا فیصلہ ہے:﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ﴾ کہ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ بنادی تھی یہود ان کو نہ قتل کر سکے اور نہ صلیب پر چڑھا سکے۔ اللہ نے ان کو آسمان پہ اٹھالیا۔ دوبارہ آسمان سے عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور سارے یہود و نصاریٰ بھی ان پر ایمان لائیں گے اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک وقت آئے گا کہ دنیا میں کوئی ایک بھی کافر نہیں ہو گا۔

بہر حال ان میں سے جو بھی صورت پیش آئی ہو سب کی گنجائش ہے۔ قرآن کریم نے کسی خاص صورت کو متعین نہیں فرمایا۔ بس اتنا مذکور ہے کہ یہود کو اشتباہ ہو گیا تھا۔

قرب قیامت اور نزول عیسیٰ علیہ السلام:

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور دوسرے آسمان پر موجود ہیں۔ قرب قیامت دنیا میں پھر تشریف لائیں گے اور دوبارہ حضور علیہ السلام کا امتی ہونے کی حیثیت سے امت کو حضور کا پیغام دیں گے۔ بہر حال ہمارا عقیدہ ہے کہ

آسمان پہ زندہ ہیں اگر ہماری زندگی میں آئے تو اللہ ہمیں ان کا ساتھ دینے کی توفیق عطا فرمائیں۔(آمین)

عیسائی پادری اور مسلمان عالم کا مکالمہ:

میں اس پر ایک نکتہ بیان کرکے بات ختم کرتا ہوں۔ ایک عیسائی عالم نے ایک مسلمان عالم سے پوچھا کہ بھائی بتاؤ دو بندے ہیں ایک بندہ سو رہا ہے اور ایک بندہ جاگ رہا ہے تو تم راستہ کس سے پوچھو گے؟ مسلمان عالم نے بڑا پیارا جواب دیا کہ جو جاگ رہا ہے اگر وہ بھی اس انتظار میں ہو کہ سونے والا اٹھے گا تو میں اس سے راستہ پوچھوں گا تو بتاؤ کہ اب ہم کس سے راستہ پوچھیں گے؟ اس نے کہا جی اسی سونے والے سے۔ فرمایا پھر انتظار کرو اسی سونے والے سے ہی راستہ پوچھیں گے۔ اللہ پاک ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت نصیب فرمائے۔(آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

سورۃ المائدۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ۬ؕ اُحِلَّتۡ لَکُمۡ بَهِیۡمَۃُ
الۡاَنۡعَامِ اِلَّا مَا یُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ غَیۡرَ مُحِلِّی الصَّیۡدِ وَ اَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَحۡکُمُ مَا
یُرِیۡدُ ﴿۱﴾﴾

ہمارے آج کے درسِ قرآن کا عنوان ہے "مضامینِ سورۃ المائدۃ"۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی دعا:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دستر خوان کا ذکر ہے جب انہوں نے اللہ رب العزت سے دعا مانگی تھی:

﴿اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنۡزِلۡ عَلَیۡنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوۡنُ لَنَا عِیۡدًا
لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰیَۃً مِّنۡکَ ۚ﴾[98]

"اے اللہ! ہمیں ایسا آسمانی دستر خوان عطا فرما جو میری امت کے لیے نشانی بنے اور آئندہ آنے والی انسانیت کے لیے بھی نشانی بنے۔"

98۔ المائدۃ 114:5

وجہ تسمیہ سورۃ:

اللہ تعالیٰ نے ان کو دستر خوان عطا فرمایا۔ چونکہ عربی میں دستر خوان کے لیے "مائدۃ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اس سورۃ میں بھی "مائدۃ" کا تذکرہ ہے اس لیے اس پوری سورۃ کا نام بھی "سورۃ المائدۃ" ہے۔ اسے تفسیر کی زبان میں کہتے ہیں "وجہ تسمیہ سورۃ" کہ سورۃ کا یہ نام رکھنے کی وجہ کیا ہے؟

عوام الناس کا مزاج:

ہمارے لوگوں کا ایک مزاج ہے، بہت سے لوگ کاروبار اور بزنس کرتے ہیں اور اس میں جائز اور ناجائز کا خیال بھی نہیں کرتے لیکن ان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ نام اس کو شریعت والا دیں یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔ مثلاً:

ہوٹل بنائیں گے اور اس میں جائز اور ناجائز کا خیال بھی نہیں ہو گا لیکن کوشش ہو گی کہ نام اس کا "المائدۃ" رکھیں۔ کہاں "المائدۃ" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جو خدا سے مانگا اور آسمان سے اترا۔ اور آپ ہوٹل میں جائز اور ناجائز کا خیال بھی نہ رکھیں اور پھر بھی اپنے ہوٹل کا نام "المائدۃ" رکھیں یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

دین برائے دنیا:

ہمارے ایک قریبی دوست ہیں جو مجھ سے بیعت بھی ہیں، ان کے بعض دوست کراچی میں ہیں اور بعض ریاض میں ہیں، انہوں نے آپس میں مل کر یہ کوشش کی کہ ہم "ٹریول ایجنسی" بنائیں۔ انہوں نے کہا ہم نے 12 نام دیے ہیں اسی میں دو نام ملے ہیں ان میں سے ایک نام ہے "تھانوی ایسوسی ایشن" اور ایک نام اور ملا ہے۔

میں نے ان سے کہا کہ تھانوی ایسوسی ایشن نام نہ رکھیں جو دوسرا نام ہے وہ

رکھ لیں! میری رائے یہ ہے کہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا نام کاروبار کے لیے استعمال نہ کریں اس کو دین کے لیے ہی رہنے دیں۔

اکابر کا مزاج:

ہمارے بعض اکابر جیسے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا مزاج یہ ہے کہ اگر آپ دکان پر جائیں سودا خریدیں تو بحیثیت عالم یہ نہ کہیں مجھ سے بھی اتنے پیسے لیں گے؟؟ گویا کہ آپ اپنا علم بیچ کر سودا لینا چاہتے ہیں۔ میں اپنی بات کرتا ہوں کہ دکان پر جاؤں الماری کی قیمت 12500 روپے کی ہے۔ اب میں ان سے کہوں کہ مجھ سے بھی آپ 12500 روپے لیں گے؟ اس کا مطلب ہے کہ چونکہ میں آپ کا مولوی ہوں، عالم ہوں، امام ہوں، میرے علم کی قیمت یہ ہے کہ 2000 روپے کم کر دیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اپنے علم کی قیمت کا احساس نہیں ہے۔

علم کی اہمیت پیدا کریں:

امام شافعی رحمہ اللہ کا مزاج یہ تھا کہ جب وہ کسی حجام سے حجامت کروانے کے لیے تشریف لے جاتے تو عام آدمیوں سے دو تین گنا زیادہ مزدوری دیتے، مزدوری تو مثلاً دس روپے ہے آپ تیس روپے دیتے۔ ان سے پوچھا گیا کہ مزدوری دس روپے ہے آپ تیس کیوں دیتے ہیں؟ فرمایا: اس سے حجام کے دل میں علم کی قیمت پیدا ہو گی کہ علماء بہت اچھے لوگ ہیں۔

لمحہ فکریہ!

ایک طرف مزاج یہ ہے اور ایک طرف مزاج ہمارا ہے۔ اب بتاؤ؟ امت برباد تو ہو گی نا [میں اپنی بات کرتا ہوں باقی علماء کی نہیں] اگر میں اپنے علم کو پیسوں کے لیے استعمال کروں گا تو میرے علم کی قیمت ختم ہو گی اور اس علم کو بے وقعت میں نے کیا ہے آپ نے نہیں کیا، خراب تو آپ کو میں نے کیا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ ہم سب کی

اصلاح فرمائے۔[آمین۔ سامعین]

کاروبار میں کوشش کریں، کاروباری نام ہی رکھیں۔ اس میں دینی نام رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یا تو اس نیت سے رکھیں کہ میں نے خالص دین کا کام کرنا ہے تو بہت اچھی بات ہے۔

دین کی بدنامی کا سبب:

بسا اوقات ہماری وجہ سے دین بہت بدنام ہوتا ہے ہماری وجہ سے، چاہیے تو یہ کہ آدمی دین کا کام کرے، اگر دین کا کام نہ کر سکے تو کم از کم دین کو بدنام کرنے کا ذریعہ تو نہ بنے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی احتیاط:

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کو "امیر المؤمنین فی الحدیث" کہتے ہیں۔ بہت بڑے محدث تھے دنیائے حدیث میں ان کا نام بہت بلند ہے۔ ان کی سوانح حیات میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ ایک دفعہ کشتی میں سفر کر رہے تھے، اس دوران کسی مسافر سے دوستی لگ گئی باتوں باتوں میں حضرت نے ان کو یہ بھی بتا دیا کہ میری جیب میں اشرفیوں کی تھیلی ہے جس میں اتنی رقم موجود ہے۔

تھوڑا سا سفر گزرا تو اسی شخص نے کہا میری ایک تھیلی چوری ہو گئی ہے جس میں اتنے سونے کے سکے موجود ہیں، اب ظاہر ہے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے بتا تو دیا تھا جونہی اس نے اعلان کیا تو تلاشی شروع ہو گئی، حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے چپکے سے اس تھیلی کو نکالا اور دریا میں گرا دیا۔ تلاشی لی گئی۔ اب کسی سے بھی سونا برآمد نہیں ہوا جب کنارے پر پہنچے اور جانے لگے تو اس نے الگ ہو کر امام بخاری رحمہ اللہ سے پوچھا کہ صوفی صاحب! آپ کی جیب میں تو پیسے تھے آپ نے مجھے خود بتایا تھا یا آپ نے جھوٹ بولا تھا؟ آپ کے پاس نہیں تھے اگر تھے تو وہ کدھر گئے؟ حضرت امام

بخاری رحمہ اللہ نے جواب دیا اور فرمایا: پوری امت مجھ پر اعتماد کرتی ہے کہ حدیث کے معاملے میں جھوٹ نہیں بولتا، ہو سکتا ہے میں صفائی دیتا اور چوری ثابت نہ ہوتی لیکن مجھ پر چوری کا الزام تو لگ ہی جاتا، میں نے خود کو چوری کے الزام سے بھی محفوظ رکھا ہے تاکہ امت میری احادیث پر اعتماد کرے۔[99]

جب اس طرح آدمی دین کا کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے کام میں اس کے علوم میں بہت برکتیں عطا فرماتا ہے۔

سورۃ کے مکی اور مدنی ہونے میں فرق:

بہر حال میں کہہ رہا تھا یہ سورۃ المائدہ ہے جس میں 16 رکوع اور 120 آیات ہیں اور سورۃ مدنی ہے۔ مدنی اور مکی میں فرق ہے۔ جو سورتیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے ہجرت فرمانے کے بعد اتریں انہیں مدنی کہتے ہیں اور جو سورتیں اس سے پہلے اتریں انہیں مکی کہتے ہیں۔

سورۃ المائدہ مدنی کیسے ہو سکتی ہے؟

اس سورۃ کے متعلق اگرچہ بہت سے مفسرین کا خیال ہے کہ بہت ساری اس کی آیات حدیبیہ کے مقام پر اتری ہیں، بہت ساری حجۃ الوداع کے موقع پر اتری ہیں اور بہت ساری فتح مکہ کے موقع پر اتری ہیں۔ فتح مکہ تو مکہ میں ہے حجۃ الوداع تو مکہ میں ہے مدینہ میں تو نہیں پھر اس کو مدنی کیوں کہتے ہیں؟ اس لیئے کہ سورۃ کی اکثر آیات کا نزول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے مدینہ ہجرت کے سفر کے بعد اتری ہیں۔ حدیث مبارک میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اَلْمَائِدَۃُ مِنْ آخِرِ الْقُرْآنِ تَنْزِيْلًا فَأَحِلُّوْا حَلَالَهَا وَحَرِّمُوْا

99۔ امداد الباری: ج1 ص461، فضل الباری: ج1 ص55

حَرَامَهَا."[100]

آخری سورتوں میں سے ایک سورۃ؛ سورۃ المائدۃ ہے۔ جس چیز کو حلال بتادیا اس کو حلال سمجھو اور جس کو حرام بتادیا اس کو حرام سمجھو۔ تو یہ سورۃ حلال اور حرام کو بیان کرنے میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

ایک مسئلہ...... متعدد آیات:

ایسا کیوں فرمایا؟ بعض اوقات ایک مسئلے پر ایک آیت پہلے اتری ہے اسی مسئلے پر دوسری آیت بعد میں اتری ہے۔ یہ جتنی آیات ہیں، تلاوت ہم سب آیات کی کرتے ہیں لیکن عمل ان آیات پر کرتے ہیں جو آخر میں اتری ہوں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سورۃ آخری سورتوں میں سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس سورۃ میں حلال فرمائیں وہ حلال ہی رہے گی اور جس کو حرام فرمائیں وہ حرام ہی رہے گی، اب اس نے منسوخ نہیں ہونا کیونکہ یہ آخری دور کی سورۃ ہے۔

شراب اور جوئے کی حرمت:

میں اس کی چھوٹی سی مثال دیتا ہوں۔ سورۃ المائدہ کی اس آیت میں ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾﴾

یہ شراب ہے، یہ جوا ہے، یہ جوے کے تیر ہیں۔

جوئے کے تیر:

تیروں کے ساتھ جوا کیسے ہوتا تھا؟ وہ اس طرح کہ دس آدمی دس دس روپے

100۔ تفسیر روح المعانی: ج3 ص47

ڈالتے اور اسی سے کوئی چیز خرید لیتے۔ یعنی ایک اونٹ خریدا ہے، بکری خریدی ہے۔ وہ دس ہزار کی ہوتی یا کتنے کی بھی ہوتی دس آدمی برابر پیسے ڈالتے اور وہ خرید لیتے، اب اونٹ کو یا بکری کو جب تقسیم کرنا ہے تو وہ اس طرح کرتے تھے کہ سات تیر رکھ لیتے، ایک تیر پر ایک حصہ ہے ایک تیر پر دو ہیں ایک پر تین ہیں کچھ تیر خالی ہیں تو جس کا جو تیر نکلے گا اس کو وہی حصہ ملے گا جب خریدا سب نے مل کر ہے تو حصہ سب کا ہے یہ جوئے ہی کی ایک قسم تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حرام کر دیا کہ جوئے سے بچو، شراب سے بچو اور ان برے کاموں سے بچو!

شراب نقصان دہ چیز ہے:

اب شراب کے بارے میں تو تین آیتیں نازل ہوئی ہیں پہلی آیت کون سی ہے؟ ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ؗ وَاِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ﴾ [101]

آپ سے شراب کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجیے: شراب میں فائدہ بھی ہے نقصان بھی ہے لیکن نقصان اس کا نفع سے زیادہ ہے۔ اب دیکھو حرام تو نہیں فرمایا۔

شراب نشہ آور چیز ہے:

اور دوسری آیت اتری: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ [102]

101۔ البقرۃ 219:2

102۔ النساء 43:4

نشے کی حالت میں ہو تو نماز نہ پڑھا کرو نشہ اتر جائے تو نماز پڑھا کرو۔ شراب کو حرام اب بھی نہیں فرمایا۔

شراب قطعی حرام ہے:

اور یہ تیسری آیت جب نازل ہوئی:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝٩٠﴾

اب شراب حرام ہوئی ہے اب اس کے بعد ذرہ برابر بھی شراب استعمال نہیں کی جاسکتی۔ تو مسئلہ شراب پر تو تین قسم کی آیتیں ہیں لیکن آخری یہ ہے۔

مسئلہ قرآن و حدیث میں موجود ہو......پھر بھی:

اس سے ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہوا، ہمیشہ لوگ کہتے ہیں اس مسئلے پر قرآن موجود ہے، اس مسئلے پر حدیث موجود ہے۔ اس سے ہم لوگ تو جلدی متاثر ہوتے ہیں کہ فلاں مسئلہ حدیث میں ہے فلاں مسئلہ قرآن میں ہے۔ اس سے متاثر نہ ہوا کریں جب بندہ کہے فلاں مسئلہ حدیث میں ہے تو دیکھنا یہ ہے کہ اس حدیث کے مدمقابل کوئی اور حدیث ہے یا نہیں۔ پھر یہ کہ دونوں حدیثوں میں سے پہلے دور کی کون سی ہے اور بعد کے دور کے کون سی ہے عمل تو تب ہو گا۔ ہم اسی سے پریشان ہو جاتے ہیں۔

ترک رفع الیدین......اختلاف روایات:

اگر کوئی کہے آپ نماز میں رفع یدین کیوں نہیں کرتے حدیث میں ہے؟ آپ شروع کر دیتے ہیں۔ بھائی یہ دیکھو رفع یدین کرنے کی حدیث ہے تو آیا نہ کرنے کی بھی حدیث موجود ہے یا نہیں اگر نہ کرنے کی حدیث بھی ہو، کرنے کی بھی ہو اب کیا دیکھیں گے بعد والی کون سی ہے۔ کرنے والی یا نہ کرنے والی اگر کرنے والی بعد کی ہے تو

کرنا چاہیے نہ کرنے والی بعد کی ہے تو پھر نہیں کرنا چاہیے۔

اب پورا مسئلہ چونکہ علم میں نہیں ہوتا ہم صرف ایک بخاری کی حدیث دیکھتے ہیں اور اس پر کہتے ہیں بخاری نے کہا۔ اب اگر کوئی بندہ کہہ دے قرآن میں ہے کہ شراب پی لو جب نشہ اتر جائے نماز پڑھ لو قرآن میں ہے تو کیا شروع کر دیں گے پینا؟ [نہیں۔ سامعین] تو صحیح بخاری میں حدیث کا ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔

صحتِ سند؛ صحتِ عمل کی دلیل نہیں:

اس کو علماء کی زبان میں کہتے ہیں: صحتِ سند؛ صحتِ عمل کی دلیل نہیں ہے۔ اگر حدیث کو صحیح سند سے لیا ہے اس کا معنی یہ نہیں کہ اس پر عمل کرنا بھی صحیح ہے۔ بعض اوقات سند صحیح ہوتی ہے عمل کرنا صحیح نہیں ہوتا۔

کیا "ران" ستر میں شامل ہے؟:

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ ایک باب قائم کرتے ہیں: "بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي الْفَخِذِ" پہلے حدیث لائے "اَلْفَخِذُ عَوْرَةٌ"[103] کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ران ستر ہے۔ پھر دوسری حدیث لائے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا اس میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنے سے میرا گھٹنا ملا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو تہبند مبارک تھا وہ تھوڑا اترا تو میں ران کو دیکھتا رہا۔[104]

اب بتاؤ؟ ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ستر فرما رہے ہیں ادھر ستر دکھا رہے

103۔ صحیح البخاری: کتاب الصلوٰۃ، تحت باب مایذکر فی الفخذ

104۔ صحیح البخاری، رقم: 371

ہیں۔ اب اگر ستر ہے تو دکھایا کیوں؟ اور ستر نہیں تو ستر فرمایا کیوں؟

فقہاء؛ گمراہی سے بچاتے ہیں:

اب اس سے ایک نیا طبقہ پیدا ہوا منکرین حدیث، وہ کہتے ہیں ہم حدیث کو نہیں مانتے اور فقہاء کا کام کیا ہے؟ فقیہ کا کام ہے وہ ایسی جلدی یہ نہیں کہتا کہ ہم دونوں کو نہیں مانتے وہ یہ دیکھتا ہے کہ اس میں حدیث پہلی کون سی ہے بعد کی کون سی ہے، احتیاط کس میں ہے کس میں احتیاط نہیں ہے۔

امام بخاری کا فیصلہ:

خود امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "حَدِيثُ أَنَسٍ أَسْنَدُ" حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ران کو دیکھا تھا اس حدیث کی سند بہت مضبوط ہے۔ لیکن دوسری میں فرمایا: "حَدِيثُ جَرْهَدٍ أَحْوَطُ" سند اس کی مضبوط ہے عمل کرنا اس پہ ٹھیک ہے۔ یہ امام بخاری رحمہ اللہ کا خود کا فیصلہ ہے۔

بخاری کی پوری بات مانیں:

میں آپ کو بتاؤں آپ یقین فرمائیں کون کون سا رونا روئیں اور کس کس فتنے کا تعاقب کریں۔ میں دبئی میں ایک مسجد میں بیٹھا تھا نماز پڑھنے کے بعد میں نے وہاں سے ایک کتاب اٹھائی اس کا نام تھا "المختصر من صحیح البخاری" صحیح بخاری کا خلاصہ۔ میں نے اسی باب کو کھولا، مجھے پتا تھا کہ یہاں اس نے گڑ بڑ کرنا ہے آپ کو تو نہیں پتا نا! آپ یقین فرمائیں اس کا عنوان تھا بھی یہی کہ [ران ستر ہے یا نہیں] اور نیچے صرف حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ران کھل گیا اور میں اسے دیکھتا رہا اور دوسری حدیث کا ذکر بھی نہیں کیا اور امام بخاری رحمہ اللہ کے فیصلے کا ذکر بھی نہیں کیا۔

اب اگر دبئی ائیر پورٹ میں یا دبئی ساحل پر کوئی نوجوان نیکر پہن کے پھرے اور کہے جی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ میں نے دکھا دیا تو کیا حرج ہے۔ تو بتاؤ اس کو کیا جواب دو گے؟اس نوجوان کا قصور تو نہیں ہے۔میں اس لیے گزارش کر رہا تھا کہ یہ سورۃ آخری سورۃ ہے۔اب اس کا مطلب کیا ہے؟ کہ اس میں جو احکام ہیں وہ منسوخ نہیں ہوں گے۔اللہ تعالیٰ ہمیں یہ بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دھوکہ بازوں سے بچنے کا گُر:

میں تھوڑے وقت میں اتنے چھوٹے چھوٹے اصول آپ کی خدمت میں پیش کر تاہوں اگر آپ ان کو اپنے ذہن میں بٹھائیں تو اللہ کی قسم کھا کے کہتاہوں کوئی بندہ آپ کو گمراہ نہیں کر سکتا۔کیونکہ آپ ایک مسئلے پر عمل کرتے ہیں اور اسی کے مقابلے میں کوئی آپ کے سامنے حدیث پیش کرے تو آپ کیا پوچھیں گے؟ کہ اس کے مقابلے میں کوئی حدیث ہے یا نہیں؟ وہ کہے گا، نہیں۔تو آپ کہہ دیں مولانا صاحب سے پوچھ لیتے ہیں کہ حدیث ہے یا نہیں؟اگر کہے اس کے مقابلے میں حدیث ہے۔تو پھر یہ دیکھیں گے کہ وہ بات پہلے کی ہے یا بعد کی؟ آپ کہیں یار! یہ فیصلہ کر پھر تیری بات مان لیں گے،دوبارہ کبھی آپ کی دکان پر نہیں آئیں گے۔

ورنہ فتنہ پھیل جائے گا:

اگر آپ نے اس طرح نہ کیا بلکہ اس کی بات کو مان لیا تو پھر کیا کریں گے،ایک پمفلٹ دے گا کہ یہ اپنی بیوی کو بھی پڑھوانا۔اب کیاہو گا؟پہلے ایک تھا اب دو ہیں، پھر عورتیں بعض بہت تیز ہوتی ہیں وہ پورے محلے میں بات چلاتی ہیں، پھر ہمیں بعد میں فون کریں گے مولانا صاحب ہمیں آپ کے بیان کا وقت چاہیے ہمارے محلے میں فتنہ پیدا ہو گیاہے۔جب ہم خود آئیں تو کہتے ہیں ضرورت کیاہے اور جب فتنہ پیدا ہو جائے تو پھر دوڑے ہیں، پھر وقت نہیں ملتا تو ناراض بھی ہوتے ہیں۔

اِکمالِ دین اور اِتمامِ نعمت کا فلسفہ:

﴿اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ
رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا﴾[105]

یہ آیت نازل ہوئی ہے حجۃ الوداع کے موقع پر جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری حج تھا اور وہ پہلا بھی تھا اور آخری بھی، آخری اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج نہیں کیا۔ اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور آیت اتنی اہم ہے کہ ایک یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا اے امیر المومنین! یہ اتنی اہم آیت ہے اگر یہ آیت ہماری تورات میں نازل ہوتی تو جس دن یہ آیت نازل ہوتی ہم اس دن کو بطور عید مناتے۔ اتنی اہم آیت اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔

آیت مبارکہ کا خلاصہ:

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ آج کے دن ہم نے تمہارا دین کامل کر دیا ہے، تمہاری نعمتیں پوری کر دیں ہیں اور تمہارے دین کو بطور اسلام تمہارے لیے پسند کیا ہے کامل دین کر کے خدا نے ہمارے حوالے کر دیا۔

اِکمال اور اِتمام میں فرق:

اس میں دو لفظ ہیں ایک ہے "أَكْمَلْتُ" اور ایک ہے "أَتْمَمْتُ"۔ اکمال اور اتمام میں کیا فرق ہے؟ عام بندہ نہیں سمجھ سکتا۔ وہ کہتا ہے جب مکمل کر دیا جاتا ہے تو پورا بھی تو کر دیا جاتا ہے پورا اور مکمل میں کیا فرق ہے؟

105۔ المائدۃ 3:5

اب فرق سمجھیں۔ جب کسی چیز کو مکمل کر دیں تو اسے "اکمال" کہتے ہیں اور جب اس کے بعد کسی چیز کی ضرورت نہ رہے اسے "اتمام" کہتے ہیں۔ بندہ کہتا ہے میں نے آپ کو اتنا کچھ دے دیا ہے کہ اس کے بعد آپ کو ضرورت ہی نہیں رہی۔ یہ جو میں نے اتنا کچھ دے دیا ہے یہ "اکمال" ہے۔اور اس کے مزید ضرورت ہی نہیں رہی یہ "اتمام" ہے۔جو تمہیں چاہیے تھا میں نے دیا ہے اب تمہیں کسی در پہ جانے کی ضرورت نہیں رہی۔

دین کامل ہے تو فقہ کہاں سے آئی؟

بعض لوگ اس آیت کا مفہوم غلط یہاں بیان کرتے ہیں اس کو عربی زبان میں کہتے ہیں: "كَلِمَةُ حَقٍّ اُرِيْدَ بِهَا الْبَاطِلُ" کہ لفظ ٹھیک ہوتا ہے اور معنی غلط ہوتا ہے۔ بعض لوگ یوں کہتے ہیں جب دین کامل ہو گیا تو کیا اس وقت فقہ تھی؟ یہ تو بعد میں آئی نا۔ جب دین کامل ہو گیا کیا اس وقت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تھے؟ یہ تو بعد میں آئے نا، یہ دیکھو دین کے کامل ہونے کے خلاف ہے اور ہمیں شک پڑ جاتا ہے کہ بات تو ٹھیک کہہ رہے ہیں۔

مشکل وسوسے کا آسان جواب:

آپ پریشان نہ ہوں اس کا ایک آسان جواب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَلْيَوْمَ﴾ ہم نے آج کے دن دین مکمل کیا۔ ان سے پوچھو جس دن یہ آیت نازل ہوئی اس کے بعد جو کچھ آیا وہ دین میں اضافہ ہے؟ یہ آیت کب نازل ہوئی؟ وہ کہیں گے حجۃ الوداع کے موقع پر۔ پوچھو حجۃ الوداع کے موقع کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالی وسلم کتنے دن زندہ رہے؟

ایک قول ہے 85 دن، تو وہ جو 85 دن تھے وہ دین میں اضافہ ہوا نا؟ کہیں

گے وہ تو اضافہ نہیں ہے۔ کیوں نہیں ہے؟ جب ﴿اَلْيَوْمَ﴾ کہہ رہا ہے آج دین کامل ہو گیا ہے۔ اس کے بعد پھر آخری آیت قرآن کی یہ تو نہیں ہے۔

آخری آیت ہے: ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝٢٨١﴾ [106]

یہ آخری آیت ہے تو پھر یہ آیت بھی دین میں اضافہ ہوا ہے، کیونکہ دین کے کامل ہونے کے بعد آئی ہے۔ پھر کہیں گے "اَلْيَوْمَ" کا مطلب یہ نہیں۔ ہم نے کہا کہ "أَكْمَلْتُ" کا مطلب بھی یہ نہیں۔ تو نے "اَلْيَوْمَ" کی تاویل کی ہے، ہم نے "أَكْمَلْتُ" کی تاویل کی ہے۔ اگر ہم "اَلْيَوْمَ" کا معنی نہیں سمجھے تو تُو مکمل ہونے کا معنی نہیں سمجھا۔ تاویل کرنی پڑ گئی نا؟ [جی ہاں۔ سامعین]

جنت اور نابینا افراد:

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے پاس ایک آدمی آیا اور تھا آنکھوں سے نابینا اور غیر مقلد بھی تھا، دل کا بھی نابینا اور آنکھوں کا بھی نابینا، دونوں نعمتوں سے محروم، بصارت بھی نہیں ہے، بصیرت بھی نہیں ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے عرض کرنے لگا میں نے آپ سے ایک مسئلے پر بحث کرنی ہے حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ میں نے بحث نہیں کرنی، اس نے کہا کہ نہیں جی میں نے کرنی ہے حضرت نے فرمایا: میں نے نہیں کرنی، اس نے کہا: اجی... کیوں؟

فرمایا: اس لیے کہ تجھ سے بحث کرنے کا فائدہ ہی نہیں، اس نے پوچھا فائدہ

106۔ البقرۃ 281:2

کیوں نہیں ہے؟ فرمایا: میں اگر بحث کروں گا تو تجھے مسئلہ سمجھ آجائے گا؟ تو اس نے کہا جی آجائے گا۔ حضرت نے فرمایا: پھر مان لوگے؟ اس نے کہا جی مان لوں گا۔

حضرت نے فرمایا: مان لوگے تو پھر کیا ہو گا؟ اس نے کہا ٹھیک ہو جاوں گا۔ فرمایا: ٹھیک ہو جائے گا تو، تو پھر کیا ہو گا؟ اس نے کہا جنت میں جاؤں گا۔ حضرت نے فرمایا: تجھے مسئلہ سمجھ آبھی جائے، تو مان بھی لے، تو عمل بھی کرلے، تو جنت میں پھر بھی نہیں جا سکتا۔ پھر تجھ سے بحث کا فائدہ؟ اس نے کہا: کہاں لکھا ہے؟ فرمایا: قرآن میں لکھا ہے تو جنت میں نہیں جا سکتا۔ اس نے کہا قرآن میں کہاں لکھا ہے؟ فرمایا قرآن کریم میں ہے:

﴿وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ [107]

جو دنیا میں اندھا ہے وہ قیامت میں بھی اندھا ہو گا۔ تو جنت میں اندھا تو کوئی نہیں جائے گا۔ تجھے سمجھانے کا کیا فائدہ؟ کہتا ہے: جی اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے۔ فرمایا: تاویل نہ کر جب قرآن کہہ رہا ہے جو دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا۔ تو یہاں بھی اندھا ہے تو نے وہاں بھی اندھا ہو کر ہی اٹھنا ہے۔ تو اندھا بندہ تو جنت میں نہیں جاتا۔ تجھے سمجھانے کا کیا فائدہ؟ کہتا ہے: یہ مطلب نہیں۔

فرمایا: مطلب نہ بیان کر، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرمائیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے، تو تم کہتے ہو تاویل نہیں کرنی چاہیے اور جب توں کہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے تو تیری دلیل کیسے مانیں۔؟ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرمانے لگے آیت میں تاویل نہ کریں تو تیرا جنت میں جانا ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس نے کہا: جی مجھے بات سمجھ آگئی۔

107۔ الاسراء 72:17

الیوم سے مراد کون سا دن ہے؟

تو﴿اَلْيَوْمَ﴾ میں آج کے دن سے مراد وہ دن نہیں ہے جب آیت نازل ہوئی ہے، بلکہ اس سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے۔ لوگ کہتے ہیں آج نوجوان بہت خراب ہوگئے ہیں۔ اس کا کیا مطلب کل ٹھیک ہو جائیں گے؟ [نہیں۔ سامعین] آج سے مراد کیا ہے؟ آج کا دور آج کا زمانہ۔ ہم نے کہا جیسے ﴿اَلْيَوْمَ﴾ سے مراد خاص دن نہیں ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے۔

دین کے کامل ہونے سے کیا مراد ہے؟

اسی طرح ﴿اَكْمَلْتُ﴾ سے مراد وہ نہیں جو تم نے سمجھا بلکہ ﴿اَكْمَلْتُ﴾ سے مراد یہ ہے کہ جو قرآن اللہ تعالیٰ نے دیا، دینِ کامل ہے، اس کی شرح یعنی حدیث، دینِ کامل ہے، اس قرآن نے اصول دیے، دینِ کامل ہیں، جو مسائل دیے وہ دین کامل ہیں، ان اصولوں سے قیامت تک آنے والے مسائل کو نکالنے کے لیے مجتہد پیدا فرمائے، وہ جو مسائل نکالیں گے وہ دین کامل ہے۔ دین کامل کا مطلب یہ ہے: تمہیں قرآن بھی دیا ہے، تمہیں حدیث بھی دی ہے، جو مسائل اس وقت چاہیئے تھے وہ بھی دیے ہیں، وہ جو قیامت تک آنے والے مسائل چاہیے تھے وہ بھی دیے ہیں، اس کے لیے اصول بھی دیے ہیں اور اصولوں کی روشنی میں مسائل نکالنے والے مجتہد بھی دیے ہیں۔ سارا کچھ لوگے تو دین کامل بنے گا۔ ورنہ دین کامل بن ہی نہیں سکتا۔

ایک علمی نکتہ:

اس میں ایک چھوٹا سا نکتہ اور بھی سمجھ لیں۔ مکہ مکرمہ میں قرآن کریم نے اعلان فرمایا:

﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَ لَاۤ اَنْتُمْ

عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ وَ لَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝

اصل لفظ کیا ہے: "لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِينِيْ" اصل یہ ہے۔ وہ تو ایک عربی کا قاعدہ ہے نا یا متکلم حذف ہو جاتی ہے اور جب وقف کرتے ہیں تو "ن" ساکن ہو جاتا ہے۔ اصل میں کیا ہے: "لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِينِيْ" مکہ والو، مشرکو تمہارے لیے تمہارا دین، مجھ محمد کے لیے میرا دین، اگر تم میرا دین قبول نہیں کرتے تو میں تمہارا دین قبول نہیں کر سکتا۔

دین نبوی اور دین صحابہ:

دین کی نسبت مکہ مکرمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فرمائی ہے اور جب یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی فرمایا: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ یہ خطاب صحابہ کو فرمایا ہے۔ جب مکہ مکرمہ ہے تو "دِيْنِيْ" فرمایا اور جب مدینہ ہے تو "دِيْنَكُمْ" فرمایا۔ جب دین مکہ میں تھا تو اسے دین محمد کہتے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دین صحابہ کے حوالے کیا تو جب نبی دنیا سے گئے ہیں انہیں دین صحابہ کہتے ہیں۔ تو پہلے "دِيْنِيْ" تھا اب "دِيْنَكُمْ" ہے۔ "دِيْنِيْ" بنتا ہی وہ ہے جو "دِيْنَكُمْ" ہو۔

اب اگر یہ پوچھنا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے یا نہیں تو کون بتائیں گے؟ [صحابہ۔ سامعین] صحابہ نہ بتائیں تو حضور کا دین ثابت ہی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے مکہ میں "دِيْنِيْ" فرمایا اور مدینہ میں "دِيْنَكُمْ" فرمایا۔ اس لیے ہمارا نام کیا ہے؟ [اھل السنۃ والجماعۃ۔ سامعین] سنت ہوتی ہی وہ ہے جو جماعت صحابہ دے جماعت صحابہ نہ ہو تو سنت بنتی ہی نہیں۔

آیت وضو اور وضو کے فرائض:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾[108]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا: جب نماز کا ارادہ کر لو تو اس وقت اپنے چہرے کو بھی دھولو، اپنے ہاتھوں کو بھی دھولو اور سر کا مسح بھی کر لو اور اپنے پاؤں کو بھی دھولو، تو وضو کے فرض کتنے ہو گئے۔ [چار۔ سامعین] اب قرآن میں نہیں لکھا ہوا کہ وضو کے فرض چار ہیں۔

قرآن میں کیا لکھا ہے؟ جب نماز پڑھنے لگو تو چہرے کو دھولو، ہاتھ کو دھولو، سر کا مسح کرو، پاؤں کو دھولو۔ اب چار لکھا ہوا تو نہیں ہے فقہاء کے قبروں پر اللہ تعالیٰ کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے وہ آیت کا حوالہ نہیں دیتے، بس اتنا کہتے ہیں کہ وضو کے فرض چار ہیں۔ لوگ کہتے ہیں جی کتھے لکھیا وے؟ [جی کہاں لکھا ہوا ہے] قرآن میں لکھا ہے۔ کہتے ہیں قرآن میں چار تو نہیں لکھا ہوا۔ او بھائی! جو اندھا قرآن سمجھتا نہیں ہے وہ کیسے سمجھے گا کہ چار ہیں، ان کی آسانی کے لیے فقہاء نے سیدھی بات فرما دی کہ وضو کے فرض کتنے ہیں؟ [چار۔ سامعین]

نمازِ جنازہ کی نیت:

مجھ سے ایک ساتھی کہنے لگا، وہ تھا غیر مقلد، کم عقل۔ مجھے کہتا ہے: یہ جو تمہارے ہاں جنازہ ہوتا ہے تو جنازے سے پہلے بھی کبھی کھڑے کھڑے مولانا صاحب کہتے ہیں بھئی نیت کر لو! چار تکبیر نمازِ جنازہ، ثناء واسطے اللہ تعالیٰ کے درود واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے، دعا واسطے اس میت کے، منہ قبلہ کی طرف، پیچھے اس امام کے

108۔ المائدۃ 6:5

اللہ اکبر۔ نیت کرو کہتے ہیں۔ یہ کہاں لکھا ہے؟

میں نے کہا بخاری شریف میں۔ کہتا ہے: بخاری میں کہاں لکھا ہے؟ میں نے کہا: پہلی حدیث میں۔ کہتا ہے: پہلی حدیث میں کہاں لکھا ہے؟ میں نے کہا:

"إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" [109]

اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

نیت کہنا اور نیت کرنا:

کہتا ہے: ہمیں اس سے اختلاف نہیں ہے، یہ جو تم زبان سے کہتے ہو یہ کہاں لکھا ہے؟ میں نے کہا: ہم کہتے ہی نہیں ہیں۔ کہتا ہے؟ کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: امام اعلان کرتا ہے نیت کرو، یا کہتا ہے نیت کہو۔ کیا کہتا ہے؟ [کہتا ہے نیت کرو۔ سامعین] کہنا زبان سے ہوتا ہے اور کرنا دل سے ہوتا ہے۔

میں نے کہا: ہم یہ تو نہیں کہتے کہ زبان سے کرو، اگر ہم کہتے زبان سے کرو تو ہم سے پوچھتا۔ نہ ہم نے کہا ہے کرو نہ ہم سے پوچھو، انہوں نے کی ہے تو ان سے پوچھنا چاہیے یا ہم سے؟ [ان سے۔ سامعین] اب یہ بات کوئی مشکل تو نہیں ہے نا، لیکن بلاوجہ بات پر بات کوئی نہ کوئی ایسی بات نکالتے ہیں کہ لوگ سمجھیں یہ بہت بڑا محقق ہے۔

مرکز اھل السنۃ والجماعۃ نعمتِ خداوندی ہے:

آپ نے عوام پر اعتراض کیا ہے۔ وہاں نہیں آتے جہاں سے جواب ملتے ہیں، وہاں حملے کریں گے جہاں سے جواب ملتے نہیں اور فتنہ پھیلانا بہت آسان ہوتا ہے۔ میں کبھی یہ بات کہتا ہوں کہ سرگودھا والو تم اس نعمت کی قدر کرو جب نعمت چھن جاتی ہے تو پھر بندے کو سمجھ آتی ہے ہمارے ساتھ ہوا کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نظام

109۔ صحیح البخاری، رقم: 1

ہے دنیا میں، دنیا بھر میں کئی سوالات ہوتے ہیں نا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جواب کے لیے لوگ سرگودھا آتے ہیں۔

ابھی 70 لڑکے تین دن سے پورے ملک سے آئے بیٹھے ہیں کہ ہم نے مسائل سیکھنے ہیں، ہم نے دلائل سیکھنے ہیں اور اس پر ہم اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر کریں کم ہے اللہ تعالیٰ آپ کے اس فیض کو عام فرمائے۔ اس میں سب حضرات شامل ہیں کسی ایک فرد کی محنت تو نہیں ہوئی۔

تبلیغی جماعت میں ضرور وقت لگائیں:

خیر میں بتا رہا تھا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا وضو اور اگر وضو نہ کر سکو پھر تیمم کا طریقہ بتا دیا اگر نہ آئے تو اس کے لیے میرا آپ سے مشورہ ہے کم از کم تین دن تبلیغی جماعت کے ساتھ لگائیں اس کے لگانے سے چلو تیمم کرنا تو آجائے گا۔ ہمیں تیمم کرنا بھی نہیں آتا، اللہ کی قسم استنجا کرنا نہیں آتا، سونے کی دعائیں نہیں آتیں اور اعتراض ان پر کرتے ہیں۔ کہتے ہیں: اسی کوئی کافر آں؟[ہم کوئی کافر ہیں؟] ہندوؤں کے پاس جاؤ۔ کوئی ان سے کہے اچھا فلاں دعا سناؤ۔ کہتے ہیں: دعا کوئی فرض ہے؟ اچھا پھر کریں گے کیا؟ اس لیے میں آپ سے گزارش کرتا ہوں تھوڑا تھوڑا وقت لگاتے رہا کریں اس سے بہت فرق پڑتا ہے۔

مسئلہ نور و بشر:

﴿قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۵﴾﴾

اس آیت کو اختلافی مسئلے پر آج کے دور میں بڑے شد و مد سے پیش کیا جاتا ہے آیت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تمہارے پاس نور بھی آیا ہے اور واضح کتاب بھی آئی ہے۔ پھر یہاں بحث چل پڑتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں یا بشر ہیں حالانکہ یہ بحث فضول ہے کہ نور ہیں یا بشر۔

ذات نبوت اور وصف نبوت:

آسان بات کیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ذات ہے اور دوسرا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو بشر کہتے ہیں اور نبی کے وصف کو نور کہتے ہیں، ذات کے اعتبار سے بشر ہیں اوصاف کے اعتبار سے نور ہیں۔ اس لیے ہم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر بھی مانتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نور بھی مانتے ہیں۔ اب بتاؤ کوئی الجھن رہ جاتی ہے؟ [نہیں۔ سامعین] بلاوجہ اس مسئلے کو چھیڑ کر امت کو لڑانا اور پھر کفر کے فتوے جاری کرنے اور امت کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دینا کس قدر ظلم کی بات ہے۔

وصف نبوت کے نور ہونے کی دلیل:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بشر ہے اور وصف کے اعتبار سے نور ہیں اور یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ پیغمبر وصف کے اعتبار سے نور کیوں ہیں؟ آگے ہے ﴿یَّهۡدِیۡ بِهِ اللّٰهُ﴾ یہ ایسا نور ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دیتا ہے۔ تو نور ہدایت وصف کو کہتے ہیں۔ ﴿یَّهۡدِیۡ بِهِ اللّٰهُ﴾ بتا رہا ہے کہ یہ وصف ہے۔

قائد جمعیت کا "لاجواب" جواب:

اسلام آباد میں قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم نے مجھے بلایا کسی خاص مشاورت کے لیے وہاں ایسے بات چل پڑی تو چلتے چلتے مجھے مولانا نے لطیفے کے طور پر ایک بات سنا دی۔

مولانا فرمانے لگے: میں قاسم العلوم ملتان میں مدرس تھا، کتابیں پڑھا تا تھا تو میرے پاس پانچ سات لڑکے آ گئے انہوں نے کہا: جی ہم نے ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔ میں نے کہا: جی پوچھو۔ تو انہوں نے مسئلہ پوچھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نور

ہیں یا بشر؟ مولانا فرماتے ہیں: میں نے ان سے کہا تمہارا سوال ہی غلط ہے، پہلے سوال ٹھیک کرو پھر جواب دوں گا۔

انہوں نے کہا: جی سوال کیا ہے؟ مولانا نے فرمایا: نور کے مقابلے میں ظلمت آتی ہے تم پوچھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں یا ظلمت ہیں؟ تو پھر میں جواب دوں گا کہ کیا ہیں۔ نور اور بشر کا تو آپس میں ٹکراؤ ہی نہیں۔ ایک بندہ بشر بھی ہو سکتا ہے اور صفت کے اعتبار سے نور بھی ہو سکتا ہے۔ ان دونوں میں کیا ٹکراؤ ہے؟ ٹکراؤ پیدا کرو گے تو پھر ٹکراؤ بنے گا ورنہ ٹکراؤ بنتا ہی نہیں۔

قوم موسیٰ کی بے وفائی:

﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾﴾

یہ آیت میں صرف ایک نکتہ یا صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین کی شجاعت بتانے کے لیے اس آیت کو پڑھا ہے۔ اس کا لمبا واقعہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو جب اللہ تعالیٰ نے فرعون سے نجات دی، دریا سے کراس کر گئے تو اللہ رب العزت نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی اپنی اس قوم کو لے کر چلو۔ کئی اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ شام کو بیت المقدس میں اس قوم کو لیکر جاؤ، تم جہاد کرو اللہ تعالیٰ تمہیں فتح عطا فرمادے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارہ قبیلے تھے اپنی قوم کے بارہ قبیلوں کے بارہ سرداروں کو بھیجا کہ جاؤ آگے جاکر ان سے مذاکرات کرو۔ یا ان کے حالات معلوم کرکے آؤ کہ ان کی فوج کدھر کھڑی ہے۔ یہ جب گئے آگے ایک قوم کھڑی تھی قوم عمالقہ انہوں نے انہیں گرفتار کیا، گرفتار کرنے کے بعد انہوں نے کہا کہ ان بارہ کو قتل کردو۔ بادشاہ سمجھ دار تھا اس نے کہا انہیں قتل نہ کرو بلکہ انہیں شان و شوکت اور اپنی

طاقت دکھاؤ ان کے قد بھی بڑے تھے، دولت بھی تھی اور مضبوط بھی تھے۔ ان کو اپنی طاقت دکھائی جب وہ واپس آئے تو ڈر گئے۔ پہلے موسیٰ علیہ السلام کو ملے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ بات جا کے عوام کو نہ بتانا عوام میں رعب پڑ جائے گا، تم کہو جی ہم ہو کے آگئے ہیں، بسم اللہ پڑھ کر جہاد کی تیاری کرو۔

ان میں سے دو نے بات نہیں بتائی ان میں سے ایک کا نام "قالب" اور دوسرے کا نام "یوشع بن نون علیہ السلام" انہوں نے نہیں بتائی، باقی دس نے جا کر بتا دیا اور قوم میں بزدلی پھیل گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا جہاد کے لیے چلو تو قوم نے کہا: ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾

اے موسیٰ تم جاؤ اور تمہارا خدا جائے، اسی ایتھے ہی بیٹھے آں [ہم ادھر ہی بیٹھے ہیں] فتح کر کے واپس آؤ تو پھر جائیں گے، اسی نہیں جاندے [ہم نہیں جاتے] وہ یہاں بیٹھ گئے موسیٰ علیہ السلام کو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی تھی۔

بزدل قوم پر عذاب خداوندی:

اللہ نے پھر عذاب نازل کیا، ﴿قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾

اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ سزا مسلط کی کہ یہ جس میدان میں تھے وہ 90 میل لمبا تھا اور 25 یا 40 میل چوڑا تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب یہ اسی میں چالیس سال تک رہیں گے، صبح سے لے کر شام تک چلتے تو پھر جب رات کو سوتے تو صبح وہی جگہ ہوتی جہاں سے چلے تھے۔

وجودِ نبوت کی برکات:

چالیس سال تک وہاں ٹھہرے رہے اور اللہ تعالیٰ کا کرم دیکھو چونکہ موسیٰ

علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام یہ دونوں ان میں موجود تھے اللہ تعالیٰ نے اس کی نعمت بھی عطا فرمائی کہ ان کے بدن پہ جتنے کپڑے تھے نہ وہ پھٹتے نہ وہ میلے ہوتے، یہ دو نبیوں کی برکت تھی۔

اسی طرح جب یہ چلتے دھوپ ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی تو ان کی دعا کی برکت سے اوپر بادل چلتا سایہ بھی دے دیا اور جب یہ ایک قسم کا کھانا کھانے سے تنگ آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر من و سلویٰ دو قسم کی نعمتیں عطا فرما دیں۔ بٹیر نما جانور تھا اور سلویٰ میٹھی چیز تھی، یہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نعمت عطا فرما دی۔ کھاتے بھی تھے یعنی اس قدر نافرمانی کے باوجود بھی چونکہ اللہ کے دو نبی ان میں موجود تھے تو نبی کی برکات کا ظہور پھر بھی ہوتا تھا۔ نبی کا وجود اتنا مقدس ہوتا ہے کہ پھر بھی ان کو خیر و برکت ملتی ہے۔

اصحاب محمد رضی اللہ عنہم کی وفاداری:

محدثین نے لکھا ہے، اصحابِ سیر نے لکھا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ سے مشورہ کیا اب بتاؤ کیا کریں؟ یہ میدان بدر ہمارے سامنے آ گیا کریں کیا؟ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم نہیں ہیں جو آپ کو یہ کہہ دیں ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾

اللہ کی قسم ہم سمندر میں چھلانگیں لگا دیں اگر آپ فرما دیں ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم نہیں ہیں جو کہیں آپ جا کر جہاد کریں بلکہ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خوشی سے کھل اٹھے۔

فرمایا: کون اٹھے گا؟ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے۔ پھر فرمایا: کون؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے۔ پھر فرمایا: اور کون ہے؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ جب

اٹھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔

انصار مدینہ بھی جانثار تھے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اٹھنے سے خوش کیوں نہیں ہوئے؟ یہ تو مکہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے ہیں۔ یہ تو، ہیں ہی اس کام کے لیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ مدینے کے لوگ کھڑے ہوں اور جب مدینہ کے کھڑے ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے۔

غزوۂ بدر... تاریخ اسلام کی پہلی جنگ:

کہ اب مکہ اور مدینے کے جانثار میرے ساتھ ہیں پھر 313 کو لے کر گئے ہیں، وہ جو تاریخ اسلام کی پہلی جنگ ہے جس نے پوری دنیا کے نقشے بدل کے رکھ دیے تو مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے کہا ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم نہیں ہیں کہ ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ کہہ کے آپ کا ساتھ چھوڑ دیں۔

قوم موسیٰ نافرمان تھی کافر نہیں:

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے عجیب بات فرمائی ہے۔ فرمایا: جب یہ کہا: کہ تو جا اور تیرا خدا جائے تو بظاہر تو یہ جملہ کفر والا ہے وہ تو کافر ہو گئے تھے تو موسیٰ علیہ السلام دعائیں مانگ رہے ہیں ان کے لیے، سائبان کے لیے بادل آ گئے ان پر ان کو اللہ تعالیٰ کھانے کے لیے دے۔ ان کو پانی نہیں ملتا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر عصا مارا اس سے بارہ چشمے نکلے اور بارہ قبیلے اس سے پانی پی رہے ہیں تو یہ کافر تھے ہلاکت کی بددعا کرنی چاہیے تھی اور ان کو پھر بھی نعمتیں مل رہی ہیں۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسے کفر نہیں کہتے۔ کیوں؟ نافرمانی کی لیکن کفر نہیں

ہے ان کا مطلب یہ تھا: ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ﴾ اے موسیٰ! تو جا اور تیرا خدا تیری مدد کرے گا تو جہاد کر خدا کی مدد سے، فتح ہو گی تو ہم تیرے ساتھ ہیں۔ حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی تاویل دیکھیں فرمایا کافر پھر بھی نہیں بنتے، جب جائز تاویل موجود ہو کسی کا ایمان بچانے کے لیے تو ایمان بچایا کرو کفر میں مت دھکیلا کرو۔

نسل انسانی کی ابتدا:

﴿وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَ لَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾﴾

حضرت آدم علیہ السلام پہلے مرد ہیں، اماں حوا پہلی عورت ہے۔ اب آگے نسل انسانی نے چلنا تھا جس کی نکاح کے بغیر کوئی صورت نہیں تھی اس کی صورت یہ ہوتی آدم اور حوا ماں باپ تھے ان کے حمل سے ایک بیٹی اور ایک بیٹا پیدا ہوتا، یعنی جوڑے پیدا ہوتے اکیلا بچہ پیدا نہیں ہوتا تھا، جب بھی ہوتا جوڑا ہوتا۔

نکاح کا طریقہ:

ان کا نکاح یوں ہوتا کہ پہلے حمل والا بیٹا اور دوسرے حمل والی بیٹی، پہلی حمل والی بیٹی اور دوسرے حمل والا بیٹا اس طرح نکاح ہوتا تھا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو پہلا بیٹا جو پیدا ہوا اس کا نام تھا قابیل اور ساتھ اس کے بہن بھی پیدا ہوئی اور دوسرے حمل سے جو پیدا ہوئے اس لڑکے کا نام تھا ہابیل اور ساتھ بہن پیدا ہوئی۔

ہابیل و قابیل کا واقعہ:

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ بہت خوبصورت تھی اور ہابیل کے ساتھ جو پیدا ہوئی وہ بہت بد صورت

تھی۔ اب قابیل کہنے لگا: جو میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے میں اس کے ساتھ نکاح کروں گا، حالانکہ اس کے ساتھ اس کا نکاح بنتا نہیں تھا، نکاح تو ہونا تھا دوسرے حمل والی لڑکی کے ساتھ۔ اس نے کہا: میں کروں گا۔

آدم علیہ السلام نے سمجھایا بیٹا اس کے ساتھ تیرا نکاح جائز نہیں ہے، یہ نہیں ہو سکتا۔ تو اس نے کہا: میں کروں گا۔ آدم علیہ السلام کے چونکہ علم میں تھا کہ اس سے نکاح ہو سکتا ہی نہیں ہے اور یہ بھی علم میں تھا کہ اگر یہ قربانی دیں گے تو ہابیل سچا ہے اس کی قربانی قبول ہو جائے گی۔ تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: چلو ایسا کرو تم دونوں قربانی دو، جس کی قربانی اللہ تعالیٰ قبول کرے گا اس کی شادی اس لڑکی سے کر دیں گے۔ آپ کے ذہن میں آئے کہ ہو سکتا ہے ہابیل کی قبول ہو جاتی، یہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ تھا ہی غلط کام قبول کیسے ہوتی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تدبیر:

حضرت آدم علیہ السلام نے ایسی تدبیر اختیار کی کہ جس سے اپنے بیٹے کو سمجھانا بہت آسان ہو جائے۔ اب دونوں نے قربانی دے دی۔ اس وقت قربانی کے قبول ہونے کی علامت یہ ہوتی تھی، اگر جانور قربانی کرو تو بھی میدان میں رکھ دو اگر آپ کچھ غلہ دینے چاہتے ہیں وہ بھی رکھ دو، قربانی کو کھانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی، جو مال صدقہ کریں اس کو رکھ دیں آسمان سے آگ آتی اور آگ اس قربانی اور صدقہ کو کھا جاتی یہ اس بات کی علامت تھی کہ قربانی قبول ہو گئی اور اگر نہ کھاتی تو یہ علامت تھی کہ قربانی قبول نہیں ہوئی۔

اب قابیل اور ہابیل دونوں نے قربانی کی۔ ہابیل نے غالبا جانور ذبح کیا اور قربان کر دیا اور قابیل نے گندم وغیرہ اور جو چیزیں تھی وہ رکھیں، قابیل کی قربانی قبول نہیں ہوئی اور ہابیل کی قربانی خدا نے قبول کر لی۔

تاریخ آدمیت کا پہلا قتل:

آدم علیہ السلام نے فرمایا: بیٹا دیکھو سیدھی سی بات ہے تیرا حق نہیں بنتا ان کا بنتا ہے۔ قابیل حسد کی آگ میں جلا حالانکہ خوش ہونا چاہیے تھا ہابیل سے کہا میں تجھے قتل کر دوں گا۔ ہابیل نے کہا: میں کچھ نہیں کہوں گا، میں قتل ہونا تو برداشت کرلوں گا لیکن اپنے بھائی پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا، باقی میرا کیا قصور ہے بھائی خدا نے میری قربانی قبول کرلی ہے تیری قربانی قبول نہیں کی میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔

بعد از قتل تدفین کا مسئلہ:

قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا، جب قتل کر لیا تو پریشان پھرتا تھا میں اس کو کہاں دفن کروں؟ قرآن کریم میں ہے:

﴿فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ﴾

اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا اس نے کوے کو دیکھا کہ ساتھ ایک کوا مرا ہوا تھا وہ اسے دفن کرنا چاہ رہا تھا، وہ اپنی چونچ سے مٹی کو کھودنے لگا، اس نے دیکھا تو پتا چلا مردے کو یہاں دفن کرنا ہے۔

خیر و شر کی ابتدا اور اجر:

خیر میں صرف اتنا بتا رہا تھا اب قیامت تک جتنے قتل کے گناہ ہوں گے یہ سارے قابیل کے سر پر ہیں، چونکہ پہلا قتل اس نے کیا تھا سارے قتلوں کا گناہ اس کو ملے گا۔

حدیث مبارک میں ہے: "مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَلَهُ أَجْرُهَا، وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ، وَمَنْ سَنَّ فِي

الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً، كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ." [110]

جو نیک کام شروع کرلے اس کا اجر اسے بھی ملتا ہے اور بعد کے سارے نیک اعمال کا اجر اسے ملتا ہے، اور جو برے کام کو شروع کرے اس کا گناہ اس کو ملتا ہے اور جو لوگ اس برائی پر عمل کریں ان سب کا گناہ اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے۔

قبر کسے کہتے ہیں؟

رئیس المناظرین، حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین اوکاڑوی رحمہ اللہ فرماتے تھے: کوے کو پتا تھا کہ قبر کسے کہتے ہیں؟ آج کے دوستوں کو یہ نہیں پتا کہ قبر کسے کہتے ہیں؟ کوے کو پتا تھا کہ یہ قبر ہے جہاں مردہ دفن کرنا ہے، ہمارے دوست کہتے ہیں یہ قبر نہیں ہے، قبر وہ علیین میں ہے جہاں پر روح ہوتی ہے۔

حضرت فرماتے: جب ہم ان کے لیے دعا کرتے ہیں خدا تمہیں قبر ہی نصیب نہ کریں تو کہتے ہیں ہمیں بددعائیں دیتا ہے۔ بھائی! جب اس کو قبر مانتے ہی نہیں ہو تو تمہیں نصیب ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جو مانتا ہے اسے نصیب ہونی چاہیے۔

مسائل زمینی قبر کے اور.........:

پھر عجیب بات یہ ہے کہ مسجد میں مسئلہ بیان کریں گے کہ قبر کو سجدہ کرنا حرام ہے۔ اب بتاؤ؟ وہ لوگ کبھی علیین میں گئے ہیں سجدہ کرنے کے لیے [نہیں۔ سامعین] کسے سجدہ کرتے ہیں؟ [اس قبر کو] کس کو کہتا ہے کہ قبر ایک بالشت سے اوپر نہیں ہونی چاہیے، یہ کون سی قبر ہے؟ اسی مٹی والی۔ قبر کا طواف نہیں کرنا چاہیے۔ وہ کون سی قبر ہے؟ قبر کو پکا نہیں بنانا چاہیے۔ وہ کون سی قبر ہے؟ یہی قبر ہے۔ سارے

110۔ صحیح مسلم، رقم:1017

جب مسئلے بتائیں گے اسی قبر کے اور جب قبر کا مسئلہ آئے گا کہ قبر میں مردہ کہاں پر ہے؟ پھر کہتے ہیں: ایک قبر نہیں ہے، قبر اوتے وے یا تھلے وے [قبر اوپر بھی ہے نیچے بھی ہے] علیین میں یا سجین میں ہے۔ کوے کو بات سمجھ آگئی تھی، ہمیں سمجھ نہیں آرہی۔

وسیلہ دے کر دعا کرنا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝۳۵﴾

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وسیلہ کا ایک معنی یہ ہے کہ ایک مقام ہے میدان حشر میں جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنایا ہے اور یہ دعا مانگنی چاہیے اللہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام وسیلہ عطا فرمائے یہ بھی ٹھیک ہے۔ اور فرمایا: وسیلہ کا ایک معنی یہ ہے کہ جس طرح نیک اعمال کے ذریعے خدا کا قرب ملتا ہے، اور نیک اعمال کا وسیلہ دے کر خدا سے مانگنا جائز ہے، اسی طرح انبیاء اور صلحاء کی قربت اور مجلس سے بھی خدا کا قرب ملتا ہے لہٰذا ان کا وسیلہ بھی جائز ہے۔

حضرت عمر نے حضرت عباس کا وسیلہ دیا:

پھر حضرت نے وہاں پر دو حدیثیں نقل کی ہیں۔ ایک حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ دے کر خدا سے دعا مانگی اللہ تعالیٰ نے ان کو بارش عطا فرمادی۔

نبی کریم کا وسیلہ دے کر دعا:

ایک صحابی آئے اور ان کی بینائی کا مسئلہ تھا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا یہ دعا مانگا کرو یہ دعا اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سکھائی ہے:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ." [111]

اے اللہ! میں تجھے تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ دے کر دعا مانگتا ہوں، صحابی نے دعا مانگی تو خدا نے اس کی دعا قبول فرمالی۔ تو دیکھو قرآن کریم میں ہے اللہ تعالیٰ نے حکم کس کا دیا۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے ایمان والو! خدا سے ڈرا بھی کرو اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش بھی کیا کرو۔ تو جس طرح وسیلہ مقام کا نام ہے اسی طرح وسیلہ سے دعا کرنا ہمارا اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے۔

دین کا کام کرنے والوں کے لیے قرآنی ہدایات:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۵۴)﴾

میں نے صرف چھوٹی سی بات سمجھانی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر کچھ لوگ مرتد ہو جائیں تو آپ فکر نہ کریں اللہ ان کی جگہ پر ایسی قوم پیدا کرے گا جو دین کا کام کریں گے۔ خدا کو تمہاری ضرورت نہیں تمہیں خدا کے دین کی ضرورت ہے۔ اگر ہم دین کا کام کرتے ہیں تو اللہ کا ہم پر احسان ہے ہمارا خدا پر کوئی احسان نہیں۔

مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ نے اس آیت میں جو دین کا کام کرے اس کی صفات بیان کی ہیں۔

111۔ سنن الترمذی، رقم: 3578

:1 ﴿بِقَوۡمٍ يُّحِبُّهُمۡ وَ يُحِبُّوۡنَهٗۤ﴾ اللہ ان سے پیار کرتا ہے وہ اللہ سے پیار کرتے ہیں۔

:2 ﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ﴾ مومنین کے ساتھ بہت پیار کرتے ہیں اور کافروں پر سخت ہوتے ہیں۔

:3 ﴿يُجَاهِدُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ﴾ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں۔

:4 ﴿وَلَا يَخَافُوۡنَ لَوۡمَةَ لَاۤئِمٍ﴾ یہ ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔

غیروں کی رکاوٹ اور اپنوں کے طعنے:

مفتی صاحب فرماتے ہیں: یہ بات کیوں کی ہے؟ جب بھی کوئی بندہ دینی تحریک لے کر اٹھتا ہے اس کے سامنے دو رکاوٹیں ہوتی ہے۔

(1) ایک رکاوٹ غیروں کی طرف سے ہوتی ہے۔

(2) دوسری رکاوٹ اپنوں کی طرف سے ہوتی ہے۔

مفتی شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ غیروں کی رکاوٹ کا مقابلہ تو بندہ کر سکتا ہے، اپنوں کے طعنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اللہ فرماتا ہے: جس سے خدا کام لیتا ہے اللہ اس کو توفیق عطا فرماتے ہیں کہ وہ اپنوں کے طعنوں کا مقابلہ بھی کرتا ہے اور دین کے کام کو جاری رکھتا ہے۔ یہ اپنوں کا مقابلہ یعنی طعنے سہنا اور جواب نہ دینا۔ آپ نے کئی بار یہ شعر سنا ہے اور اس پر عمل کی بھی کوشش کریں۔

شہداء نے پکارا ہے تم کو فردوس کے بالاخانوں سے
ہم راہ وفا میں کٹ آئے تمہیں پیار ابھی تک جانوں سے
اس جذبۂ گل بوسی میں کچھ کانٹے بھی چبھ جاتے ہیں
اپنوں کے نشتر سہہ لینا ٹکرانا فقط بیگانوں سے

اپنوں سے نہ ٹکراؤ غیروں سے ٹکراؤ، اللہ دین کے کام کو بہت آسان فرما دیں گے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہیں، ایک صحابی اور بیٹھے ہوئے تھے، کسی مسئلہ پر یوں تکرار ہوا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیٹھ کے سنتے رہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کے مسکراتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پہ ناگواری کے آثار ظاہر ہو گئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ بول رہا تھا اور میں چپ تھا تو آپ مسکرا رہے تھے۔ میں نے جواب دیا تو آپ کے چہرے پہ ناگواری کے آثار ظاہر ہو گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: جب تو خاموش تھا تو تیری طرف سے جواب دینے کے لیے اللہ نے فرشتہ مقرر کر رکھا تھا، اب جب آپ خود جواب دینے لگے تو وہ فرشتہ واپس چلا گیا۔ مجھے تو ناگواری اس بات کی ہے جو کام فرشتہ کر رہا تھا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کرنا شروع کر دیا ہے۔[112]

اہل حق کے خلاف منفی پروپیگنڈا:

اس لیے اپنوں کی باتیں برداشت کریں ہر بات کا جواب نہ دیا کریں، لوگ جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں جواب نہ دیا کریں۔ ابھی پچھلے دنوں میں اسلام آباد گیا تو وہاں ایک دوست ہیں بہت اچھے، ان کے بیٹے مجھے کہنے لگے: مولانا صاحب ایک بار آپ ہمارے گھر آئے ہیں اور آپ نے درس قرآن دیا ہے۔

20 یا 25 بندے ہوں گے، کچھ مستورات ہوں گی، ان کا تو مجھے پتا نہیں۔ کہتا

112۔ مسند احمد: ج9 ص264 رقم الحدیث 9590

ہے: آپ درس دے کر گئے ہی تھے کہ اس کے بعد بہت سارے لوگ آ گئے۔ کہنے لگے: اس آدمی سے بچو، اس آدمی سے بچو۔ کہتا ہے: میں نے بہت کوشش کی صفائی دینے کی لیکن میں بہت پریشان ہوا۔ میں نے کہا: آپ صفائی دیتے کیوں ہیں؟ مجھے کہتا ہے: پھر کیا کہیں؟ میں نے کہا: ان سے پوچھو کہ یہ مسئلہ ٹھیک بتاتا ہے یا غلط؟ اپنے ہیں نا، وہ کہیں گے: مسئلہ ٹھیک بتاتا ہے۔ اس سے کہو ہم صرف اس سے مسئلہ پوچھتے ہیں اور اس کے ساتھ کوئی تعاون نہیں کرتے۔ بس اب اس کا جواب دینے کی تمہیں کیا ضرورت؟ جواب مت دو۔ اللہ اپنی طرف سے جواب کے لیے ملائکہ مقرر کر دے گا۔ اللہ آپ سے بھی کام لیں اللہ مجھ سے بھی کام لیں۔

قسم کی اقسام اور احکام:

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَ احْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾﴾

اس آیت میں اللہ نے قسم کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ قسم کی تین قسمیں ہیں:

(1): یمین غموس

(2): یمین لغو

(3): یمین منعقدہ

یمین غموس:

یمین غموس کسے کہتے ہیں؟ ایک کام آدمی نے نہ کیا ہو اور جھوٹ بول کر قسم

اٹھائے کہ میں نے فلاں کام کیا ہے یا ایک آدمی نے کام کیا ہو اور جھوٹ بولے میں نے نہیں کیا، یعنی گزشتہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پہ جھوٹی قسم اٹھائے اسے کہتے ہیں یمین غموس۔ غموس کا معنی ہوتا ہے ڈوب جانا یاڈبو دینا، یہ گویا گناہ میں ڈوب گیا ہے کہ اس نے جھوٹی قسم کیوں اٹھائی ہے؟

یمین لغو:

یمین لغو: اس کا معنی ہوتا ہے آدمی سمجھے میں نے کام کیا ہے لیکن در حقیقت نہ کیا ہو یا آدمی سمجھے کام نہیں کیا مگر در حقیقت کیا ہو اس پر قسم اٹھانے کو یمین لغو کہتے ہیں۔

یمین منعقدہ:

یمین منعقدہ وہ قسم ہے کہ آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم اٹھائے اسے یمین منعقدہ کہتے ہیں۔

یمین غموس کا حکم:

اور تینوں کا حکم کیا ہے؟ اگر کسی گزشتہ کام کے کرنے یا نہ کرنے پہ جان بوجھ کے جھوٹی قسم اٹھائی اسے یمین غموس کہتے ہیں، اس میں گناہ تو ہو گا مگر اس میں کفارہ نہیں ہے صرف گناہ ہو گا۔

یمین لغو کا حکم:

یمین لغو: بالفرض میں ایک بات کہتا ہوں مثال کے طور پر کسی جگہ جانا تھا مگر نہیں جاسکا اور سمجھا کہ میں گیا ہوں تو کہتا ہے اللہ کی قسم میں تو گیا تھا وہ غلطی سے کہہ دیا اگر گزشتہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر بھول کر قسم اٹھائی اسے یمین لغو کہتے ہیں اس پہ کفارہ بھی نہیں اور اس پہ گناہ بھی نہیں۔

یمین منعقدہ کا حکم:

ایک ہوتا ہے؟ آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم اٹھائے اگر اس قسم کو پورا نہیں کیا اس پر کفارہ ہوتا ہے۔ کفارہ کیا ہے؟ آدمی یا تو غلام آزاد کر دے، یا دس مسکینوں کو کھانا کھلا دے، یا دس کو کپڑے پہنا دے یا پھر یہ کہ تین روزے رکھے اگر روزے تین رکھے تو مسلسل رکھنے پڑیں گے یہ نہیں کہ ایک آج ایک پرسوں ایک پھر اگلے دن، بلکہ مسلسل تین روزے رکھیں یہ قسم کا کفارہ ہے۔ آدمی کو کوشش کرنی چاہیے کہ قسم نہ اٹھائے اگر قسم اٹھا بھی لے تو اس قسم کو ہر حال میں پورا کرنا چاہیے۔

بلاوجہ مسائل پوچھنے کی ممانعت:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (۱۰۱)﴾

اس آیت میں اللہ نے بات سمجھائی ہے کہ بلاوجہ فضول مسئلے نہ پوچھا کرو، یہ بڑا اہم مسئلہ ہے۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حج کی آیات نازل ہوئیں، تو ایک صحابی نے پوچھا: یارسول اللہ؟ زندگی میں ایک بار حج ہے یا ہر سال فرض ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ اس نے پھر پوچھا؟ زندگی میں ایک بار حج ہے یا ہر سال۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: اگر میں کہہ دیتا ہر سال، تو ہر سال فرض ہو جاتا تو بتاؤ تم میں سے کون کرتا؟ اس پر قرآن کریم کی یہ آیت اتری: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾

اے ایمان والو! ایسے مسئلے نہ پوچھو اگر بتا دیئے جائیں تو بعد میں تمہیں ناگوار

گزریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ بلا ضرورت اور بلاوجہ مسئلے نہ پوچھا کریں۔

لچر اور فضول میسجز:

عجیب بیماری چل پڑی ہے کہ میسج پہ لوگ مسئلے پوچھتے ہیں ایک، دوسرا، تیسرا، چلتے جاتے ہیں جس کا وجود ہی نہیں ہوتا اور مسئلے پوچھتے رہیں گے۔ کبھی تاریخی مسئلے، اچھا یہ بتائیں کہ نوح علیہ السلام نے جو جانور اپنی کشتی میں بٹھائے تھے سب سے پہلا جانور کون سا تھا؟ سب سے آخری جانور کون سا تھا؟ میں وہ کہہ رہا ہوں جو مجھ سے پوچھے جاتے ہیں اب بتاؤ اس کا کیا جواب دوں؟

اچھا یہ بتائیں صبح کو پھانسی ہوتی ہے۔ یہ صبح صبح کیوں ہوتی ہے، شام کو کیوں نہیں ہوتی؟ میں نے کہا: یہ جیل والوں سے پوچھو، ہم کوئی پھانسی دیتے ہیں؟ میسج اور فون پر میں ایسے کسی بھی مسئلے کا جواب نہیں دیتا۔

مسئلہ پوچھتے ہیں امی عائشہ کا جنازہ کس نے پڑھایا تھا؟ میں نے کہا: مجھے نہیں پتا۔ کیسی بات کرتے ہیں؟ میں نے کہا: اور کیا کہوں کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں؟

مسائل پوچھیں، پہیلیاں نہیں:

میں نے کہا: مسئلے پوچھو، حلال کیا ہے؟ حرام کیا ہے؟ جائز کیا ہے؟ ناجائز کیا ہے؟ لوگ مسائل نہیں پوچھتے پہیلیاں پوچھتے ہیں۔ اچھا کسی نہر سے عورت کی لاش مل گئی کیسے پتا چلے گا کہ مسلمان ہے؟ تعجب ہے کہ تمہیں عورت ہی کے مسئلے سوجھے۔ نہیں میں ہنسانے کے لیے نہیں کہہ رہا ہوں بڑے افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ پوچھنے والا ہے جو پوچھ رہے ہیں۔ میسج چلتے چلے آرہے ہیں۔ وہ مسئلہ پوچھیں جو ضرورت کے مطابق ہو میں نے اپنا معمول بنا رکھا ہے بلا ضرورت اگر کوئی مسئلہ پوچھے تو میں جواب دیتا ہی نہیں وہ مسئلہ پوچھیں جو آپ کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ ان باتوں کو چھوڑ دے جو اسے فائدہ نہیں دیتیں۔

منکرین فقہ کی خیانت:

﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾﴾

آیت کا خلاصہ کیا ہے؟ جب مشرکین مکہ اور گزشتہ کفار کو انبیاء علیہم السلام فرماتے کہ ہماری بات مانو، اللہ کی بات مانو۔ وہ کہتے تھے: ہم تو باپ دادا کی بات مانیں گے، تمہاری خاطر باپ دادا کو چھوڑ دیں؟ خاندان کو چھوڑ دیں؟ تمہاری خاطر ان سب کو چھوڑ دیں؟ یہ آیت اتری مشرکین اور نبی کے مابین، لیکن آج یہ آیت پیش کی جاتی ہے آپ کے خلاف اس لیے اس کا جواب اچھی طرح سمجھ لیں۔

آج کے دور میں آیت پیش کی جاتی ہے آپ کے اور میرے خلاف۔ کیا کہتے ہیں؟ یہ فقہ کو مانتے ہیں یہ بزرگوں کو مانتے ہیں بزرگوں نے کہا بزرگوں سے سنا بزرگوں کو مانتے ہیں۔ کہتے ہیں: کہ یہ مشرکین کا کام ہے جب مشرکین سے کہا جاتا: ﴿تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ﴾ مشرک کہتے: ﴿حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا﴾ ہمیں اپنا باپ دادا کافی ہے۔ تو گویا تقلید کرنا مشرکین کا کام ہے۔

آیت کا موقع محل اور صحیح مطلب:

ہم نے کہا: آپ نے آیت تو پڑھی ہے مگر استعمال غلط جگہ کیا ہے۔ ایک آدمی تھا کسی جماعت میں گیا تو اس بے چارے نے ایک دعا سیکھ لی۔ جب ناک میں پانی ڈالیں تو کون سی دعا پڑھیں؟

"اَللّٰهُمَّ أَرِحْنِيْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَلَا تُرِحْنِيْ رَائِحَةَ النَّارِ."

اے اللہ! مجھے جنت کی خوشبو سنگھا دے اور جہنم کی بد بو سے بچالے۔

اب یہ چلا گیا اندر استنجے کے لیے وہاں ادھر سوچتا رہا کہ میں نے دعا سیکھی تھی وہ کون سی ہے؟ سوچتا رہا سوچتا رہا۔ پھر اس نے یہ دعا تھوڑی اونچی آواز سے پڑھی:

"اَللّٰهُمَّ أَرِحْنِيْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَلَا تُرِحْنِيْ رَائِحَةَ النَّارِ."

اب دیکھو! دعا پڑھنی کہاں تھی اور پڑھ کہاں رہا ہے۔ اسی طرح آیت کہاں کی تھی اور فٹ ہم پر کی ہوئی ہے کہ تم امام ابو حنیفہ کو مانتے ہو، امام شافعی کو مانتے ہو۔ تو آیت مشرکین کے خلاف ہے اور پیش کس کے خلاف کر رہے ہیں؟ مؤمنین کے! آپ کو میری بات پہ تعجب تو ہوتا ہو گا لیکن اس سے زیادہ میں آپ کو سمجھانے کے لیے کیا مثال دوں۔

اگر آپ کو اشکال ہو تو میں اس اشکال کو صاف کر کے قرآن کریم کی آیت پڑھ دیتا ہوں تاکہ الجھن نہ ہو کہ مثال کیسی تھی؟ قرآن کریم نے مچھر مکھی کی مثال دی ہے۔ مشرکین کہتے: اللہ کا کلام اور مکھی اور مچھر کی مثالیں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِ أَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا﴾ [113]

گویا اللہ تعالیٰ مکھی اور مچھروں کی مثالیں دے کر فرماتے ہیں کہ تمہارے کفر کی حیثیت ہی مکھی اور مچھر کی طرح ہے ہم اور کون سی مثالیں دیں؟ تمہیں ایسے لوگوں کی مثالیں نہ دیں تو اور کون سی مثالیں دیں؟ کیا مثال میں امام کعبہ پیش کریں؟ جواب سن لو اور جواب اسی آیت میں ہے۔

ادھوری بات ادھورا نتیجہ:

113۔ البقرۃ 26:2

آپ کو یاد ہو گا میں نے کئی بار ایک بات کی ہے کہ آدھا قرآن پڑھو نتیجہ اور ہے، پورا قرآن پڑھو نتیجہ اور ہے۔ ایک حدیث پڑھو نتیجہ اور ہے، دو حدیثیں پڑھو نتیجہ اور ہے۔ آگے پڑھو جواب موجود ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾﴾

اگر باپ علم اور عمل والا نہ ہو تو پھر بھی باپ دادا کی بات مانو گے؟ پتا یہ چلا اگر باپ بے علم اور بے عمل ہو اس باپ کی بات کو دین کے معاملے میں نہیں مانا جائے گا، لیکن باب علم اور عمل والا ہو تو اس کی بات کو مانا جائے گا۔

امام ابو حنیفہ کی عبادت گزاری:

ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا علم دیکھو تو دنیا میں اس کی مثال نہیں اور اگر عمل دیکھو تو چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے نہ علم میں مثال ہے نہ عمل میں مثال ہے۔

امام ابو حنیفہ کا تقویٰ:

امام صاحب عمل میں اتنے بڑے آدمی تھے، دیوار کے باہر دوپہر کو دھوپ میں کھڑے ہیں۔ اس وقت کسی نے پوچھا: امام صاحب کھڑے ہیں کوئی کام ہے؟ فرمایا: جی ہاں۔ تو آپ دیوار کے سائے میں کھڑے ہو جائیں۔ فرمایا: سائے میں کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اب امام صاحب کا تقوی دیکھنا!

پوچھا کیوں؟ فرمایا: اس لیے کہ میں نے اس بندے سے پیسے لینے ہیں اور جس بندے سے پیسے لینے ہوں اس سے نفع لینا سود بنتا ہے میں دھوپ میں کھڑا ہو جاؤں گا اس کی دیوار کے سائے میں کھڑا نہیں ہوں گا کہ سود میں شامل نہ ہو جائے۔ لاؤ دنیا میں ایسے عمل والی مثال!

امام ابو حنیفہ کی احتیاط:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو پتا چلا کہ کوفہ میں کوئی بکری چوری ہو گئی ہے امام صاحب نے قصائی سے پوچھا فرمایا: یہ بتاؤ ایک بکری عام طور پر کتنے سال زندہ رہتی ہے؟ اس نے کہا: سات سال۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے سات سال تک بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا کہ کہیں یہ چوری والی بکری کا گوشت نہ ہو۔ ایسا عمل والا دنیا سے تلاش کر کے لاؤ۔ ہمارے امام تو علم والے بھی ہیں عمل والے بھی ہیں۔ قرآن کریم ان کی بات ماننے سے منع نہیں کرتا، بلکہ بے علم اور بے عملوں کی بات سے منع کرتا ہے۔ اللہ ہمیں علم والے اور عمل والے آباء واجداد عطا فرمائے۔ (آمین)

قیامت کا ہولناک منظر:

﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَا ذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾﴾

قیامت کا منظر اتنا ہولناک ہو گا، اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام سے بھی پوچھیں گے تمہاری امت نے کیا جواب دیا؟ تو نبی بھی جواب نہیں دے گے، فرمائیں گے ﴿لَا عِلْمَ لَنَا﴾

تفصیلات کا تو ہمیں بھی نہیں پتا، جتنا آپ کو پتا ہے آپ ہی بہتر جانتے ہیں اس سے زیادہ ہمیں بھی پتا نہیں۔ نبی بھی اس ہولناکی کی وجہ سے پریشان ہوں گے اس کے اور بھی بہت سارے معانی ہیں۔ میں آخری بات کہتا ہوں۔ سورۃ المائدۃ میں ہے:

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾﴾

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن فرمائیں گے۔ عیسی علیہ السلام

سے اللہ قیامت کے دن پوچھیں گے اے عیسیٰ! تیری قوم نے مجھے چھوڑ کے تجھے خدا بنایا اور مریم کو خدا بنایا، ﴿ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾[114] یہ تو نے کہا تھا؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے یا اللہ! جب تک میں تھا میں نے تو کبھی نہیں کہا، بلکہ ان کی نگرانی بھی کی ہے۔

وفات عیسیٰ اور مرزائی دجل:

﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾﴾

اللہ جب آپ نے مجھے موت دے دی۔ یہ کب سوال ہو گا؟ [آخرت میں۔ سامعین] مرزائی کہتا ہے: دیکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں مجھے وفات دی، حالانکہ یہ سوال قیامت کے دن ہو گا اور قیامت سے پہلے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وفات آجائے گی۔ اس طرح باطل لوگ دھوکہ دیتے ہیں۔ اللہ ہمیں ان سے محفوظ فرمائے۔ [آمین۔ سامعین]

حضرت عیسیٰ فرمائیں گے اللہ آپ نے تو مجھے وفات دے دی میں تو آ گیا تھا اب پیچھے کا معاملہ تو آپ کے علم میں ہے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک جملہ فرمائیں گے: ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ﴾ اے اللہ! تو عذاب دینا چاہے تو تیرے بندے ہیں، ﴿وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اللہ اگر تو ان کو معاف کرنا چاہے تو، تو غالب بھی ہے حکمت والا بھی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے دعا مانگی وہ اور تھی، کیا فرمایا:

114۔ المائدۃ 116:5

﴿فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾﴾[115]

اللہ جو میری بات مانے وہ تو میرا ہے اور جو میری نافرمانی بھی کرے تو اے اللہ تو غفور بھی ہے تو رحیم بھی ہے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیا فرمارہے ہیں؟ اللہ اگر تو عذاب دے دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو پھر ﴿فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ تو عزیز بھی ہے، حکیم بھی ہے۔

دونوں نبیوں کے جملوں میں بنیادی فرق:

دونوں نبیوں نے یہ فرق کیوں کیا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جملہ دنیا کا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جملہ آخرت کا ہے۔ آخرت میں تو کافر کے لیے معافی کا قانون ہی نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیا عرض کر رہے ہیں۔ اے اللہ! اگر میری بات مانیں تو میرے ہیں، پھر تو آپ ان کو معاف کرینگے، اور اگر نافرمانی بھی کریں تو، تو غفور بھی ہے تو رحیم بھی ہے۔ کیا مطلب؟

مقام عدل اور رحمت:

یعنی اگر میری نافرمانی بھی کریں پھر بھی اپنی رحمت کے صدقے ان کو توبہ کی توفیق دے اور تو معاف کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ دنیا ہے۔ اور قیامت کے دن نہ توبہ ہے اور نہ اس کے بعد کافر کے لیے رحمت ہے اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں اللہ اگر عذاب دے تو تیرے بندے ہیں۔ یہ مقام عدل ہے۔ اگر تو انہیں معاف کرنا چاہے یہ قانون تو نہیں ہے تو حکیم بھی ہے تو غالب بھی ہے۔

115۔ابراہیم 36:14

جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں......:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ اپنے صحابہ کے بارے میں اس وقت فرمایا جب جنگ بدر ہوئی اور ستر قیدی مسلمانوں کی قید میں آئے تو مشورہ چلا کیا کریں۔ حضرت صدیق اکبر سے پوچھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ بتاؤ کیا کریں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ عقیل حوالے کرو علی کے اور میرے رشتے دار میرے حوالے کرو، ہر کوئی اپنے اپنے رشتے دار کی گردن اڑادے۔

حضور! یہ کفر کے سرغنہ ہیں آج ہمارے قابو میں آگئے ہیں، نہیں چھوڑنا، ان کی گردنیں اڑادیں۔ اچھا صدیق آپ بتاؤ آپ کیا کہتے ہو؟ حضرت صدیق اکبر نے فرمایا: جیسے بھی ہیں حضور ہیں تو آپ کے ہی نا۔ حضور میرا مشورہ یہ ہے کہ ان سے فدیہ لیکر آزاد کردو ان کو قتل نہ کریں ہو سکتا ہے کل کو مسلمان بنیں اور ہمارے معاون بنیں اور دین کا فائدہ ہو جائے۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دینی حمیت پر بات کرتے ہیں، صدیق بھی دین کے فائدے کی بات کرتے ہیں۔

مزاج صدیقی وفاروقی:

اس موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں صحابہ کے مزاج کا جو توازن بیان کیا ہے وہ بڑا عجیب ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: میرے صدیق کی مثال ایسے ہے جیسے ابراہیم اور عیسیٰ (علیہما السلام) ہیں اور میرے عمر کی مثال ایسے ہے جیسے موسیٰ اور نوح (علیہما السلام) ہیں۔ اگر ان کا مزاج دیکھنا چاہو تو گزشتہ انبیاء کو دیکھو۔ نوح علیہ السلام نے عرض کیا تھا:

﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ

﴿يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾﴾[116]

اللہ ان کو برباد کر دے اگر یہ رہ گئے تو ان کی نسلیں پھر کافر پیدا ہوں گی ختم کر دے ان کو، اور موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی:

﴿رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾[117]

اے اللہ ان کے مالوں کو بھی ختم فرما دے ان کے دلوں پر بھی مہر لگا دے، اللہ یہ کفر پہ مریں ان کو عذاب دے دے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت نوح علیہما السلام کیسے جلال میں تھے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾﴾[118]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرما رہے ہیں:

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾﴾

میرے صدیق کو دیکھنا ہو تو ابراہیم اور عیسیٰ کو دیکھ لو، میرے عمر کو دیکھنا ہو تو حضرت موسیٰ اور نوح کو دیکھو۔ علیہم السلام۔ یہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی مثالیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تھیں۔

جنت کے مستحق تو نہیں لیکن......:

اور روایت میں ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ رات کو اٹھے

116۔ نوح 71:26،27

117۔ یونس 10:88

118۔ ابراہیم 14:36

اور اس آیت کو پڑھتے رہے۔ عشاء سے لے کر فجر تک اسی ایک آیت کو پڑھتے رہے:

﴿اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۱۸﴾﴾

ہم بھی اللہ سے دعائیں مانگیں ہم یہ تو نہیں کہتے اے اللہ! تو عذاب دینا چاہے تو تیرے بندے ہیں۔ عدل کے تو ہم متحمل ہی نہیں ہم اللہ سے یہ ہی دعا مانگیں جو حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ مانگا کرتے تھے۔ اے اللہ! ہم اس لیے جنت تجھ سے نہیں مانگتے کہ ہم جنت کے مستحق ہیں اس لیے جنت مانگتے ہیں کہ ہم جہنم کو برداشت نہیں کرسکتے۔ اللہ مجھے بھی ہدایت عطا فرمائے اللہ آپ کو بھی ہدایت عطا فرمائے، اللہ تعالی ہم سب کو دین کی خدمت کے لیے قبول فرمالے، اللہ آپ کو بھی توفیق دے اور مجھے بھی توفیق دے [آمین۔ سامعین]

وَاٰخِرُ دَعْوَانَآ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

دعا:

اے اللہ! ہم سب کے گناہوں کو معاف فرمادے۔ اے اللہ! خطاؤں سے درگزر فرما۔ اے مولائے کریم! جائز حاجات کو پورا فرما۔ اے اللہ! اس درس قرآن کے تسلسل کو برقرار فرما۔ اے اللہ! جتنے بھی حضرات آئے ہیں ان کا آنا قبول فرما۔ اے اللہ! جتنے بیمار ہیں ان سب کو صحت عطا فرما۔ اے اللہ! جتنے مقروض ہیں ان کے قرضے ادا فرما۔ اے اللہ! جو اس دنیا سے جاچکے ہیں ان کی مغفرت فرما۔ آمین

سورۃ الانعام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوۡرَ ۬ؕ ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱﴾﴾

سورۃ کا مختصر تعارف:

سورۃ الاَنعام اس میں 20 رکوع ہیں اور 165 آیات ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ رب العزت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سورۃ نازل فرمائی تو ستر ہزار فرشتے اس سورۃ کے جلو میں تشریف لائے اس قدر عظمت والی یہ سورۃ ہے۔ سورۃ کا نام ہے سورۃ الاَنعام۔ اَنعام عربی زبان میں چوپائے [چار ٹانگوں والے جانور] کو کہتے ہیں، چونکہ سورۃ مبارکہ میں اَنعام کا ذکر ہے اس لیے اس سورۃ کا نام بھی سورۃ اَنعام ہے۔

پیدا کرنا اور بنانا:

﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوۡرَ ۬ؕ ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱﴾﴾

اللہ نے اس سورت کا آغاز فرمایا الحمد اور تعریف سے، اور دو لفظ ارشاد

فرمائے ہیں۔ ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ﴾ اللہ رب العزت وہ ذات ہیں جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا، ﴿وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوۡرَ﴾ اور ظلمات اور نور کو بنایا۔

اس میں دو لفظ ہیں، ان دونوں لفظوں میں فرق سمجھیں۔ سماوات اور ارض کے لیے لفظ خلق اور ظلمات اور نور کے لیے لفظ جعل فرمایا۔

خلق اور جعل میں فرق:

ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ جب آسمان اور زمین کا ذکر تھا تو ان کے لیے "پیدا" کا لفظ استعمال فرمایا۔ اور جب ظلمات اور نور کی بات کی تو فرمایا ظلمات اور نور کو بنایا، تو پیدا کرنے اور بنانے میں کیا فرق ہے؟ خلق اور جعل میں کیا فرق ہے؟ مفسرین نے لکھا ہے: اس لیے کہ آسمان اور زمین یہ اصل ہیں اور ظلمات اور نور یہ تابع ہیں تو اصل لفظ خلق ہے، اور تابع لفظ جعل ہے۔

فرق کی وضاحت مثال سے:

جیسے مسجد ہے، اصل چیز تو مسجد ہے باقی اس کا رنگ ہے، روغن ہے، روشنی ہے، یہ چیزیں اس مسجد کے تابع ہیں، جب ذکر فرمایا آسمانوں کا تو فرمایا خلق پیدا کیا، اور جب آئی ظلمات اور نور کی بات تو فرمایا جعل بنایا۔ یعنی اصل آسمان اور زمین ہیں اور ظلمات اور نور اس کے تابع ہیں۔

سوال: سماوات جمع اور ارض واحد؟:

پھر یہاں اللہ رب العزت آسمان کے لیے لفظ سمٰوات لائے ہیں جو جمع ہے، اور والارض واحد لائے ہیں، حالانکہ جس طرح سات آسمان ہیں اسی طرح سات

زمینیں ہیں۔ ﴿اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾[119]

قرآن کریم میں ہے کہ جس طرح اللہ نے سات آسمان پیدا فرمائے ہیں اسی طرح سات زمینیں بھی پیدا فرمائی ہیں۔ لیکن یہاں پر آپ دیکھ لیں سمٰوات جمع ہے والارض واحد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے آسمانوں کی تعداد زیادہ ہے اور زمینوں کی تعداد کم ہے۔

جواب:

مفسرین نے لکھا ہے: وجہ یہ نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ آسمان اپنی ہیئت اور خصوصیات کے لحاظ سے ہر آسمان دوسرے سے الگ ہے اور سات زمینوں میں سے ہر زمین اپنی ہیئت اور عمومی خصوصیات کی وجہ سے چونکہ ایک جیسی ہے اس لیے آسمان کو جمع لائے، اور زمین کو واحد لائے۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ارض کی جمع غیر فصیح ہے، اس لیے واحد کا صیغہ لائے اور لفظ مِثْلَهُن سے اشارہ فرمادیا کہ زمینیں بھی سات ہیں۔

اثر ابن عباس اور سات زمینیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر ہے، اثر عربی زبان میں کہتے ہیں صحابی کے ارشاد کو۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ رب العزت نے سات زمینیں پیدا فرمائیں، اور ہر زمین میں ایک آدم تمہارے آدم کی طرح، ایک نوح تمہارے نوح کی طرح، ایک موسیٰ تمہارے موسیٰ کی طرح، ایک عیسیٰ تمہارے عیسیٰ کی طرح اور ایک محمد تمہارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح۔ علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والتسلیم۔ یہ ہے حدیث مبارک۔

119۔ الطلاق 12:65

بعض لوگوں کا حدیث پر اعتراض:

اب اس حدیث پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے؟ اعتراض یہ ہے کہ اگر ہر زمین پر ایک حضرت آدم، ایک حضرت نوح، ایک حضرت موسیٰ، ایک حضرت عیسیٰ اور ایک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور اس زمین پر بھی ہیں۔ تو ہم جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں تو پھر کون سی زمین والے محمد خاتم النبیین ہیں۔ یہ اس حدیث پر سوال ہے؟

بعض لوگوں نے تو احضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا ہی انکار کر دیا کہ ہم مانتے ہی نہیں ہیں۔

قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دار العلوم دیوبند انہوں نے فرمایا: ہم ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے انکار نہیں کرتے ہم معنی وہ کرتے ہیں کہ جس سے اعتراض ہی ختم ہو جائے، ہم صحابی کی بات کو رد کیوں کریں صحابی کی بات کا معنی وہ کریں کہ جس معنی پر اعتراض ہی نہ ہو۔

میں ایک جملہ عرض کرتا ہوں ہمارے ہاں بڑے حضرات ایک جملہ کہتے ہیں اور چھوٹے اس کو سمجھتے نہیں ہیں تو فتنے پیدا ہو جاتے ہیں۔ میرا یہ ایک مستقل عنوان ہے، کہ میں ایک جملہ عرض کروں کہ ہمارے بڑوں نے فلاں جملہ، فلاں جملہ، فلاں جملہ فرمایا اور چھوٹے نہ سمجھے تو اس سے فتنے پیدا ہو گئے۔

میں ایک مثال دیتا ہوں ہمارے ہاں چونکہ عموماً بہت بڑے، بڑے اجتماع ہوتے ہیں تو مجھے ایک ساتھی کہنے لگا: حاجی عبد الوہاب صاحب رائے ونڈ والے دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ بڑے بڑے جلسوں سے فتنے پیدا ہوتے ہیں اس لیے بڑے بڑے جلسے کرنے کے بجائے اپنی مسجدوں میں چھوٹے چھوٹے جوڑ رکھا کرو۔ میں نے کہا یہ بات اگر درست ہے تمہارے کہنے کے مطابق، پھر تم بتاؤ کہ رائے ونڈ سے بڑا

جلسہ تو پاکستان میں کہیں نہیں ہوتا اگر بڑے جلسے فتنے ہیں تو پھر رائے ونڈ اجتماع کو تم فتنہ کہو گے؟ وہ کہتا ہے جی نہیں۔ تو پھر کہتا ہے حاجی صاحب کے اس جملے کا مطلب؟ میں نے کہا جملے کا مطلب سمجھو اس جملے کو لے کر ہمارے جلسے کا انکار نہ کرو۔ کہتا ہے: جی مطلب کیا ہے؟ میں نے کہا: پوری بات سمجھیں مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی بڑا اجتماع کرے اور اس کے بعد سو جائے تو اجتماع فتنہ ہے اور اگر بڑا اجتماع کر کے چلتا رہے تو فتنہ نہیں ہے پھر یہ ٹھیک ہے۔ کیا مطلب ہے؟

مسلسل محنت رنگ لاتی ہے:

مثلاً آپ سرگودھا میں ایک بہت بڑا جلسہ کریں مرزائیوں کے خلاف اور پھر سو جائیں مرزائی متحرک ہو جائیں گے اور آپ سو جائیں گے تو کیا جلسہ ان کو جگانے کے لیے کیا تھا؟ اس لیے بڑے جلسے کے بعد پھر چھوٹی چھوٹی میٹنگز مسلسل جاری رکھیں تاکہ اس جلسے کے پورے پورے فوائد حاصل ہو سکیں، آپ باطل کے خلاف جلسہ کررہے ہیں ان کو جگالیں اور خود آپ چھوڑ دیں تو باطل متحرک ہو جائے گا آپ سو جائیں گے تو بتاؤ جلسے کا فائدہ ہوا یا نقصان [نقصان۔ سامعین]۔ اس لیے ان کا مطلب یہ ہے کہ بڑے جلسے کرو سو یا نہ کرو پھر ان ثمرات کو لوٹا کرو اور جلسے مسلسل جاری رکھا کرو، تو ہم اپنے بڑوں کے جملے سمجھتے نہیں ان کو اپنے لیے مستقل فتنہ بنالیتے ہیں۔ اللہ ہمیں اکابر کی باتوں کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور نا بھی سمجھیں تو رد پھر بھی نہ کریں ایک وقت آتا ہے اللہ بات سمجھا ہی دیتے ہیں، لہذا اپنے بڑوں کی بات رد نہ کیا کرو۔

حضرت نانوتوی کا رسالہ تحذیر الناس:

حضرت مولانا قاسم نانوتوی فرماتے ہیں: ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بات کا انکار نہیں کرتے اس کا معنی کرتے ہیں۔ اس پر مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی مستقل کتاب ہے، تحذیر الناس اس کتاب کا نام ہے۔ اور بڑی پڑھنے والی کتاب ہے،

دار العلوم دیوبند کے چالیس سالہ مہتمم مولانا، قاری محمد طیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے اس کتاب کو سبقاً پڑھا ہے تو تب مجھے سمجھ آئی ہے اب بتائیں کتنی مشکل کتاب ہو گی۔ میں نے اس کتاب کو ادھر چناب نگر میں تربیتی نشست میں بیان کیا تو مجھے وہ حضرات فرمانے لگے کہ آپ ہمیں یہ کیسٹ بھجوادیں، ہمارا جی چاہ رہا ہے کہ اس کو چھاپ دیں اتنا آسان اس کتاب کو بیان کرنا یہ بڑا مشکل ہے۔

خاتم النبیین کون سے محمد ہیں؟

اب اشکال یہ ہے کہ اگر سات زمینوں میں سے ہر زمین پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تو آخری نبی کون سے محمد ہیں۔ تو مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ دنیا کا اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ اگر کوئی مکان سات منزلہ بنا ہو تو اس میں ہوتا ہے کہ پہلی منزل کون سی ہے اور آخری کون سی ہے، جو سب سے نیچے ہو اس کو پہلی منزل کہتے ہیں اور جو سب سے اوپر ہو اس کو آخری منزل کہتے ہیں۔ تو اگر سات زمینیں بنی ہیں تو ہماری زمین کے اوپر آسمان ہے اس کے نیچے چھٹی زمین ہے، اس کے نیچے پانچویں اس کے نیچے چوتھی، اس کے نیچے تیسری، اس کے نیچے دوسری اور اس کے نیچے پہلی، تو پہلی زمین سب سے نیچے ہے اور ہماری زمین سب سے آخری ہے تو جب ہماری زمین آخری ہے تو ہماری زمین کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی آخری ہیں، اس لیے آخری نبی یہی ہیں۔ اس میں اشکال کی بات کیا ہے؟ اب دیکھو کوئی بات مشکل تو نہیں ہے نا۔

ظلمات جمع ہے اور نور واحد...... کیوں؟:

میں اس لیے اس پر نکتہ عرض کر رہا ہوں کہ اللہ نے زمین سات بنائی اور آسمان بھی سات بنائے ہیں۔ ﴿وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ﴾ اللہ پاک نے ظلمات بھی بنائے ہیں اور نور بھی بنائے ہیں، نور کو لیں گے تو روشنی ملے گی اور اگر نور کو چھوڑ دیں گے تو اندھیرا ملے گا۔ یہاں بھی اللہ پاک نے ظلمات کو جمع کر کے ذکر فرمایا اور نور کو

واحد کر کے ذکر فرمایا، نور ایک ہے اور اندھیرے کئی ہیں اور یہ بتانے کے لیے کہ حق ایک ہوتا ہے اور باطل کئی ہوتے ہیں، سنت ایک ہوتی ہے بدعتیں کئی ہوتی ہیں۔

ہر علاقے کی بدعت جدا ہوتی ہے:

آپ پوری دنیا میں گھوم لیں آپ میں سے وہ حضرات جو کاروبار کے لیے جاتے ہیں یا جماعت کے ساتھ جاتے ہیں جماعت والوں کے اسفار تجارت والوں سے بھی زیادہ ہوتے ہیں وہ اس کا تجربہ بخوبی رکھتے ہیں پوری دنیا میں جائیں تو سنت ایک ہی ہوتی ہے لیکن ہر علاقے کی بدعت الگ الگ ہوتی ہے۔ سنت یہ نور ہے اور بدعت یہ ظلمت ہے، بدعتیں کئی ہوتی ہیں اور سنت ایک ہوتی ہے۔

اس لیے فرمایا: ﴿وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ﴾ اللہ نے ظلمات بھی بنائے اور نور بھی بنائے، ظلمات اس لیے نہیں بنائے کہ انسان اندھیریوں میں چلا جائے بلکہ اس لیے بنائے کہ انسان اس سے بچے اور نور میں چلا جائے چونکہ دنیا دارالامتحان جو ہے امتحان تو بنتا ہی تب ہے جب نفع کی چیز بھی بنائے اور نقصان کی چیز بھی بنائے اور پھر بندے سے کہے یہ نقصان کی چیز ہے اور یہ نفع کی چیز ہے، بندہ نقصان کو چھوڑ کر نفع کو لے لے یہ امتحان ہے اور اگر نقصان والی چیز کو پیدا ہی نہ فرمائیں تو دنیا دارالامتحان بنے گی کیسے؟

جہنم خواہشات کے پردوں میں لپٹی ہوئی ہے:

جب اللہ نے جنت اور جہنم کو پیدا فرمایا تو حکم دیا ملائکہ کو ذرا اس کی سیر کریں، ملائکہ نے کہا یا اللہ دنیا میں کوئی بندہ بھی جہنم میں نہیں جائے گا سارے ہی جنت میں جائیں گے جہنم میں جاتا کون ہے۔ حدیث مبارک میں ہے اللہ نے جہنم کو خواہشات کے ساتھ ڈھانپ دیا اور جنت پر اللہ نے پردہ ڈال دیا اور کہا اب دیکھو جا کے انہوں نے کہا: اللہ اب سارے جہنم میں جانے کی کوشش کریں گے جنت میں جانے والے اب کم

ہونگے کیونکہ جہنم پر پردہ خواہشات کا ہے خواہش کی چیزوں سے ڈرو۔ یہ جہنم کا پردہ ہے جب وہاں جاؤگے تو نیچے جہنم پڑی ہو گی۔

خواہشات کی قربانی کا نتیجہ جنت ہے:

جنت کا معاملہ ایسا نہیں ہے جنت میں جانے کے لیے ناپسندیدہ چیزوں سے گذرنا پڑتا ہے سخت سردی ہو تو وضو کرنے کو جی نہیں چاہتا، مسجد میں جا کر نماز پڑھیں تو یہ مشکل لگتا ہے۔ بازار میں جائیں تو جی چاہتا ہے نا محرم عورتوں کو دیکھیں، بازار میں جائیں تو جی چاہتا ہے گانے سنیں یہ جی چاہنے کی باتیں ہیں یہ جو گانے والا پردہ ہے اگر یہ گانا سنے گا تو جہنم میں جائے گا اور اگر نہیں سنے گا تو بظاہر دل کو چوٹ لگے گی یہ دل کی چوٹ انسان کو جنت میں پہنچا دے گی۔

رسول کسے کہتے ہیں ؟:

ربیع الاول میں ایک بحث لمبی چھڑی ہوئی ہوتی ہے اللہ ہمیں بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میرا اپنے گاؤں میں آج جمعہ پورا لفظ رسول پر تھا اور میں ان کو سمجھا رہا تھا اللہ پاک فرماتے ہیں: ﴿لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ﴾[120] اللہ نے فرمایا تمہارا اعزاز یہ ہے تمہارے پاس وہ رسول آیا ہے جو تم میں سے ہے۔

ہمارا اعزاز ہے کہ اللہ نے جنس بشر میں سے نبی بنایا ہے اور ہم کہتے ہیں ہمیں اعزاز نہیں چاہیئے یہ فرشتوں میں سے ہے، نوریوں میں سے ہے، اللہ کے بندو جبرائیل کو سید النور کہتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سید البشر کہتے ہیں۔

سید البشر مخدوم ہیں:

سید النور خادم ہے اور سید البشر مخدوم ہے، مخدوم اعلیٰ ہوتا ہے اور خادم ادنی

120۔ التوبۃ 128:9

ہوتا ہے۔ تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مخدوموں کی فہرست میں سے نکال کر خدام کی فہرست میں نہ لاؤ۔ اس لیے ہم کہتے ہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بشر ہے اور نبی کے اوصاف سارے کے سارے نور ہیں۔

انسان کی تخلیق مٹی سے:

آگے دوسری آیت میں فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝۲﴾

میں نے صرف ایک چھوٹا سا نکتہ بیان کرنا ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔

موت کا مقرر وقت اللہ کے علم میں:

﴿ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا﴾ اور پیدا کرنے کے بعد تمہاری موت کا ایک وقت مقرر فرمادیا آگے پھر فرماتے ہیں: ﴿وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ﴾ اور ایک مقرر موت کا وقت اللہ کے پاس موجود ہے، بندہ سمجھتا ہے یہ عجیب جملہ ہے، پہلے فرمایا کہ تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا اور موت کا وقت مقرر کردیا پھر فرمایا: ﴿وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ﴾ اور ایک موت کا وقت مقرر ہے اللہ کے پاس موجود ہے۔

عالَم اجمالی اور عالَم تفصیلی:

اصل وجہ یہ ہے کہ عالم دو قسم کے ہیں، ایک ہوتا ہے عالم اجمالی اور ایک ہوتا ہے عالم تفصیلی، بندے کا وجود یہ عالم اجمالی ہے اور پوری کائنات یہ عالم تفصیلی ہے ایک جہان بندے کا وجود ہے اور ایک جہان پوری کائنات ہے، بندے کا وجود ایک مستقل جہان ہے لیکن درجہ اجمال میں ہے لیکن پوری کائنات ایک مستقل جہان ہے جو

درجہ تفصیل میں ہے آپ پوری زمین کو دیکھ لیں یا کسی دیکھنے والے سے کہہ دیں جو جو چیزیں آپ کو زمین میں نظر آئیں گی ان سب کا نقشہ اللہ نے انسان کے وجود میں رکھا ہوا ہے۔

حضرت انسان......عالم اجمالی:

لوگ کہتے ہیں فلاں علاقے کی زمین چٹیل ہے، چٹیل کا معنی وہاں پر گھاس ہوتی ہی نہیں ہے، آدمی کے جسم میں ایسے حصے موجود ہیں جہاں بال ہوتے ہی نہیں ہیں۔ آپ تلوے کو دیکھ لیں یہاں بال اگتے ہی نہیں ہیں۔ کہتے ہیں جی فلاں ایسی زمین جہاں پر فصل اگتی ہے اور ختم ہو جاتی ہے زمین بڑی شور ہے۔ بعضوں کے سر ایسے ہوتے ہیں کہ بال اگتے ہیں اور گر جاتے ہیں۔ اب دیکھو جو جو اقسام آپ زمین کی بتائیں گے وہ انسان کے جسم میں موجود ہیں اور جو آپ دریاؤں اور نالوں کی قسمیں بتائیں گے نا وہ انتڑیوں کی شکل میں انسان کے جسم میں موجود ہیں۔ جو دنیا کے موسم ہیں نا کہیں گرم ہے کہیں سرد ہے انسان کے وجود میں بھی موجود ہیں کوئی حصہ گرم ہے کہیں سرد ہے ایسے ہے کہ نہیں؟ اچھا کہیں پانی جما ہوا ہے کہیں حرکت میں ہے۔ انسان کے وجود میں ہمہ وقت کہیں خون جما ہوا ہے جیسے انسان میں جو کلیجی ہے یہ جما ہوا خون ہے کہیں حرکت والا خون ہے جتنے مناظر دنیا میں درجہ تفصیل میں موجود ہیں، وہ درجہ اجمال میں انسان کے جسم میں موجود ہیں۔

قیامت بڑے جہان کی موت کا نام ہے:

اللہ تعالی فرماتے ہیں میں نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے اور پھر موت کا وقت مقرر کر دیا ہے۔ ایک وقت موت کا میں نے جہانِ اجمالی کا رکھا ہے اور ﴿وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ﴾ ایک وقت موت جہانِ تفصیلی کا رکھا ہے، جب انسان پر موت آتی

ہے تو یہ موت چھوٹے جہان کی ہے اور جب قیامت آئے گی تو موت بڑے جہان کی ہو گی، چھوٹے جہان کا نام انسان ہے اور بڑے جہان کا نام پوری کائنات ہے، موت انسان کے وجود پر بھی آتی ہے اور پوری کائنات پر بھی ہم جسے قیامت کہتے ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں: ﴿ثُمَّ اَنۡتُمۡ تَمۡتَرُوۡنَ ۝۲﴾ روزانہ تم مرتے ہوئے بندے دیکھتے ہو پھر بھی قیامت کے بارے میں شک کرتے ہو۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے تڑپ

﴿وَاِنۡ كَانَ كَبُرَ عَلَيۡكَ اِعۡرَاضُهُمۡ فَاِنِ اسۡتَطَعۡتَ اَنۡ تَبۡتَغِىَ نَفَقًا فِى الۡاَرۡضِ اَوۡ سُلَّمًا فِى السَّمَآءِ فَتَاۡتِيَهُمۡ بِاٰيَةٍ‌ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمۡ عَلَى الۡهُدٰى فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡجٰهِلِيۡنَ ۝۳۵﴾

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک وصف اللہ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے: ﴿حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ﴾ میرے پیغمبر حریص ہیں تم لوگوں پر۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر طلب اور تڑپ تھی کہ میرا کوئی امتی جہنم میں نہ جائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی طلب تھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اتنا کڑھتے اتنا روتے اتنی محنت فرماتے اللہ رب العزت نے خود ارشاد فرمایا اے میرے پیغمبر اگر یہ ایمان قبول نہ کریں کیا ان کی فکر میں آپ اپنے آپ کو مار کے رکھ دیں گے؟

اے میرے پیغمبر آپ یوں نہ کریں، آپ اپنی صحت کا خیال فرمائیں جن کے مقدر میں ہدایت لکھی ہے وہ سیدھے رستے پر آجائیں گے اور جن کے مقدر میں ہدایت نہیں لکھی وہ نہیں آئیں گے۔

فرمائشی معجزے طلب کرنا:

کفار آپ سے بعض فرمائشی معجزے طلب کرتے۔ ان کا ایک فرمائشی معجزہ

یہ بھی تھا اگر آپ اس فلاں پہاڑ کو سونے کا بنادیں تو ہم کلمہ پڑھ کے ایمان لے آئیں گے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش ہوتی یہ سونے کا بن جائے اور شاید یہ ایمان لے آئیں اور جنت میں چلے جائیں۔ اللہ تعالی نے فرمایا میرے پیغمبر تجھے بہت غم ہے اور صدمہ ہے اور تیری خواہش ہے کہ کوئی بھی فرمائشی معجزہ مل جانا چاہیئے میرے پیغمبر اگر آپ کو بہت دکھ ہے نا آپ ان کے ایمان کے لیے بہت ہی حریص ہیں۔

اللہ کی مشیت:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ﴾ اگر آپ کو اس بات سے بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے کہ یہ کیوں نہیں مانتے، ﴿فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ﴾ اے پیغمبر پھر آپ ایسا کریں ایک سیڑھی لے لیں اور آسمان پر چڑھ جائیں یا آپ ایک سرنگ بنائیں اور زمین میں اتر جائیں، ﴿فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ﴾ پھر ان کے لیے فرمائشی معجزے لے کر آجائیں۔ فرمایا نہیں میرے پیغمبر! ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى﴾ اگر اللہ چاہتا تو یہ سارے ہدایت پر آجاتے لیکن سب کا ہدایت پر آنا اللہ کو منظور نہیں ہے اللہ نے اختیار دے دیا ہے اس اختیار سے یہ ایمان قبول کریں گے مومن بن جائیں گے نہیں قبول کریں گے تو کافر بن جائیں گے۔

جو دلیل نہیں مانتے:

اس لیے میرے پیغمبر آپ اتنی فکر نہ کریں کہ جس سے آپ کے وجود اطہر کو خطرہ لاحق ہو جائے اللہ رب العزت نے نبی پاک کو تسلی بھی دی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ان کے لیے فرمائشی معجزوں کی ضرورت نہیں ہے اس سے بہت بڑا اصول اور مسئلہ سمجھ آیا، مسئلہ کیا سمجھ آیا؟ بعض حضرات ضرورت سے زیادہ فکر مند ہوتے ہیں

مولوی صاحب اس لڑکے کی بات سنو۔ اچھا سن لی ہے، دلیل دی ہے نہیں مانتا پھر اور کوئی نئی دلیل دیں اچھا پھر کوئی اور خاص ٹائم اس کے لیے نکالیں۔ میں کہتا ہوں کہ دلائل سے سمجھا دیں، اللہ تعالی ہدایت دیں تو بہت بہتر ورنہ اس کی فکر میں دبلا ہونے کی ضرورت نہیں۔

ابلیس کا تکبر اور حسد:

اللہ نے فرمایا: آدم کو سجدہ کرو۔ تمام ملائکہ نے سجدہ کیا، ابلیس نے سجدہ نہیں کیا۔ اللہ نے فرمایا: ابلیس تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ ابلیس نے کہا: یا اللہ اس کو تو نے مٹی سے بنایا اور مجھے آگ سے بنایا میں اس سے افضل ہوں، کیونکہ مٹی اوپر پھینکو تو نیچے آتی ہے اور آگ نیچے پھینکو تب بھی اوپر جاتی ہے، میں اس سے افضل ہوں میں اس کو سجدہ کیوں کروں؟ یہ بتاؤ جو ابلیس نے دلیل دی تھی اللہ کو اس کا جواب نہیں آتا تھا؟ [آتا تھا۔ سامعین] پھر جواب دیا [نہیں۔ سامعین] کیا فرمایا: "اُخْرُجْ" دفع ہو جا میری جنت سے۔

اگر سوال کرنے والا ضدی ہو تو......:

ہر بات کا جواب نہیں دیتے یہ دیکھتے ہیں سوال کرنے والا ضدی ہے یا غلط فہمی کا شکار ہے؟ ابلیس ضدی تھا غلط فہمی کا شکار نہیں تھا جواب مل جاتا اس بے ایمان نے پھر بھی نہیں ماننا تھا۔ خدا نے فرمایا اس کو باہر نکال دو۔ اللہ تعالی نے فرمایا میرے پیغمبر فرمائشی معجزے ان کو مت دکھائیں، یہ معجزے ماننے والے نہیں ہیں۔ میرے پیغمبر ان کا بات نہ ماننا اگر آپ کو گراں گزرتا ہے تو پھر آپ سیڑھی لیں اور آسمان پر چڑھ جائیں اور خود معجزہ لے کر آ جائیں۔ اللہ نے اپنے پیغمبر کو سنایا ہے، مجھے اور آپ کو سمجھانے کے لیے بس آپ دلائل دیا کریں اور ضرورت سے زیادہ فکر مند نہ ہوا کریں آپ بلاوجہ فکر مند ہو جاتے ہیں۔

گناہ اور مجلس گناہ دونوں سے بچیں:

﴿وَ اِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾﴾

یہ مسئلہ ذہن میں رکھیں کہ جس طرح گناہ سے بچنا ضروری ہے اسی طرح گناہ کی مجلس سے بھی بچنا ضروری ہے، بعض لوگ خود تو گناہ نہیں کرتے لیکن گناہوں کی مجلسوں میں شرکت کر لیتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَ اِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا﴾ جب تم دیکھو کہ لوگ ہماری آیات کے بارے میں مذاق بازی سے کام لیتے ہیں، تو پھر وہاں نہ بیٹھا کرو، ﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ﴾ وہاں سے اٹھ جایا کرو، وہاں مت بیٹھو ان سے الگ ہو جاؤ اس مجلس سے علیحدگی اختیار کر لینی چاہیئے۔ اس سے پتا چلا جس طرح گناہ سے بچنا ضروری ہے اسی طرح گناہ کی مجلس سے بچنا بھی ضروری ہے۔

عدی بن زید کا قیمتی شعر:

حضرت عدی بن زید کا ایک بہت قیمتی شعر ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ

عَنِ الْمَرْءِ لَا تَسْأَلْ وَاَبْصِرْ قَرِيْنَهٗ
فَكُلُّ قَرِيْنٍ بِالْمُقَارِنِ يَقْتَدِيْ
فَاِنْ كَانَ ذَا شَرٍّ فَجَنِّبْهُ سُرْعَةً
وَاِنْ كَانَ ذَا خَيْرٍ فَقَارِنْهُ تَهْتَدِيْ

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ نہ دیکھا کرو کہ بندہ کیسا ہے یہ دیکھا کرو کن کے پاس بیٹھتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ بندہ ہو تو نیک اور مجلس جب بھی رکھے تو برے

لوگوں کی۔ اس کا معنی یہ ہے کہ مصنوعی تقویٰ ہے، اس میں غلاظت موجود ہے جو اس مجلس کے بغیر اس کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتی۔ تو جس طرح گناہ سے بچنا ضروری ہے اسی طرح گناہ کی مجلس سے بھی بچنا ضروری ہے۔

مال نیک آدمی پر خرچ کریں:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی ہے۔ فرمایا:

"لَا تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ" [121]

جب بھی بیٹھو تو نیک آدمی کی مجلس میں بیٹھو، کبھی برے آدمی کی مجلس میں نہ بیٹھا کرو اور دوسری نصیحت فرمائی کہ اس بات کا اہتمام کرو کہ تمہارے مال کو کوئی ایسا آدمی نہ کھائے جو بد کردار ہو، کوشش کرو تمہارے مال کو ایسا آدمی کھائے جو نیک ہو اس کا اہتمام کرو کہ نیک آدمی کھائے۔

مجلس نیک آدمی کی اختیار کریں:

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مثال سے کیسے سمجھایا ہے یہ بڑی سمجھنے والی مثال ہے جو فضائل اعمال میں موجود ہے۔ فضائل اعمال ہے تو فضائل اعمال لیکن کس کس چیز کے دلائل وہاں موجود ہیں، وہ کبھی فضائل اعمال پڑھنے والے عام آدمی کو خود کو بھی نہیں معلوم ہو گا کہ اس میں کون کون سی دلیل موجود ہے۔

فضائل اعمال لاجواب کتاب ہے:

آپ حضرات کا بہت بڑا امکان ہے اور مکان کے باہر لان ہے اور ساتھ دو چار کنال جگہ بھی ہے۔ اب اس میں کئی جڑی بوٹیاں موجود ہوتی ہیں اس کا آپ کو پتا نہیں ہوتا، کبھی آپ کا مہمان آجائے اور وہ حکیم ہو تو اس کو پتا ہوتا ہے۔ فضائل اعمال والے

121۔ سنن ابی داؤد، رقم:4832

فضائل اعمال پڑھتے ہیں ان کو یہ پتا نہیں ہوتا اس میں کون سی دلیل ہے، ہم وہاں سے گزرتے ہیں، ہمیں اندازہ ہوتا ہے اس فضیلت میں دلیل کون سی شیخ نے لکھی ہے حضرت شیخ کا مزاج چونکہ بہت مثبت قسم کا تھا تو فضائل اعمال کے انداز میں اپنے مسلک کے دلائل شیخ نے ارشاد فرمادیے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے ایک آدمی کی دوستی خوشبو والے سے ہے اس کے پاس بیٹھے گا تو خوشبو ملے گی اگر اس کو خوشبو نہیں دے گا تو خوشبو سونگھتا تو رہے گا اور اگر کسی کی دوستی لوہار سے ہے تو اس کے جسم پر انگارے پڑیں گے اگر انگارے نہ بھی پڑ سکے تب بھی اس لوہے کی بھٹی کا دھواں اس کی ناک میں جاتا رہے گا۔ اچھی مجلس کی مثال ایسے ہے جیسے خوشبو والے کی دوستی ہے اور بری مجلس کی مثال ایسے ہے جیسے لوہے والے کی دوستی ہے یا بھٹی والے کی دوستی ہے۔ اللہ نے فرمایا جب ایسی مجلس موجود ہو تو وہاں نہ بیٹھا کرو۔

عام آدمی اور قوم کا مقتدا:

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ دو قسم کے لوگ ہیں اور یہ مسئلہ بڑا یاد رکھنے کا ہے۔ ایک ہے مقتدا اور ایک ہے عامی آدمی، بعض مسائل میں مقتدا کے لیے تو کوئی گنجائش نہیں ہوتی عامی آدمی کے لیے کچھ گنجائش ہوتی ہے۔ مثلاً ایک ایسی مجلس ہے جو خاندان میں ہے اگر یہ بندہ اٹھے تو اس کو یا مال کا خطرہ ہے یا جان کا خطرہ ہے یا آبرو کا خطرہ ہے اور یہ بندہ اس کا متحمل نہیں ہے کہ اپنی برادری کی اس رسم سے جان چھڑا سکے تو اس کے لیے اگر گنجائش نکل بھی آئے لیکن مذہبی رہنما کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔

خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ:

یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ اگر کوئی بندہ خودکشی کر کے مر جائے تو عام بندے کو

جنازہ پڑھ دینا چاہیے مگر مذہبی رہنما کو نہیں پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ اگر مذہبی رہنماء پڑھیں گے، اس کی وجہ سے لوگ کہیں گے شاید خودکشی میں کوئی گنجائش ہے اس لیے اس کو قطعاً نہیں پڑھنا چاہیے۔ ہمیں اس کا بہت خیال رکھنا چاہیئے اور یہ ضروری ہے۔

فتویٰ اور تقویٰ:

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ امام صاحب کی چادر پر ہلکا سا دھبہ لگ گیا امام صاحب دھونے لگ گئے، ایک آدمی نے کہا: حضرت آپ تو خود فرماتے ہیں: اتنی مقدار کی گنجائش معاف ہوتی ہے اور اپنی چادر کا چھوٹا سا دھبہ بھی دھوتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا: یہ مسئلہ عام آدمی کا ہے اور میں تمہارا امام ہوں۔ اس لیے مولویوں کے لیے بسا اوقات ان مسائل کی گنجائش نہیں ہوتی جس کی گنجائش آپ کے لیے ہوتی ہے۔

عالم دین جہالت کا عذر نا قابل قبول:

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے بڑی پیاری بات لکھی ہے۔ فرمایا: اگرچہ جہالت ایک بہت بڑا جرم ہے اور عذر نہیں ہے۔ لیکن اس درجے میں عذر بن سکتا ہے کہ مجھے مسئلہ کا پتا نہیں تھا۔ بتاؤ عالم کیا عذر پیش کرے گا کہ مجھے پتا نہیں تھا۔ تو جہاں عالم کے فضائل بہت ہیں، وہاں اس کے جرائم پر سزائیں بھی سخت ہیں۔ اللہ پاک ہم سب کو جرائم سے محفوظ رکھے اللہ ہمیں عافیت والی زندگی عطا فرمائے تو گناہ سے بچنا بھی ضروری ہے اور گناہ کی مجلس سے بچنا بھی ضروری ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حق پر ثابت قدمی:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک گفتگو اللہ رب العزت نے نقل فرمائی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں تین گفتگوئیں بڑی اہم ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک گفتگو ہے اپنے باپ سے، ایک اپنی قوم سے اور ایک ہے

بادشاہ سے۔ والد بھی مومن نہیں، قوم بھی مومن نہیں اور بادشاہ بھی مومن نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام اکیلے خدا کا نام لے کر ڈٹے ہوئے ہیں۔ یہ باتیں کہنی بہت آسان ہیں اور ان پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔ بادشاہ وقت بھی مخالف ہے، ہمارے محلے کا ایس ایچ او مخالف ہو تو ہمارا پانی بند ہو جاتا ہے اور جب بادشاہ مخالف ہو تو بتاؤ کتنے بڑے حوصلے کی ضرورت ہے؟ جبکہ ابراہیم علیہ السلام ڈٹے رہے ہیں۔

تحمل اور برداشت کا فقدان:

ہم لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پر دل چھوٹا کر لیتے ہیں میں یہ بات تمہیں کیسے سمجھاؤں دنیا کا باطل تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا میں کن لفظوں میں کس درد سے میں تمہیں یہ بات سمجھاؤں کہ کچھ نہیں بگڑتا، اپنا حوصلہ اور دل تھوڑا سا بڑا رکھا کرو۔

مشکل اوقات میں استقامت کا مظاہرہ کریں:

مدد ہمیشہ حق والوں کے ساتھ ہے، تھوڑے سے جھٹکے لگتے ہیں۔ بیمار کو شفا ملتی ہے لیکن کچھ انجکشن لگتے ہیں۔ بیمار کو شفا مل جاتی ہے دو چار کڑوی گولیاں کھانی پڑتی ہیں۔ ہم کہتے ہیں کڑوی گولی بھی نہ کھائیں اور بخار اتر جائے یہ اللہ کے قانون کے خلاف ہے ایسا نہیں ہوتا۔ کبھی ہو جاتا ہے لیکن قانون یہی ہے کیونکہ اللہ نے دنیا کو دار الاسباب بنایا ہے، کچھ اسباب اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ ہمارے حضرات تھوڑی سی مشقت آجائے تو بالکل پھسل جاتے ہیں تھوڑی سی مشقت ہو جائے تو فوراً ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔

مشکلات اہل حق اور اہل باطل دونوں کو پیش آتی ہیں:

اللہ رب العزت نے بڑی پیاری بات ارشاد فرمائی ہے، کبھی تم نے اس پر غور کیا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا: اگر دین کے راستے میں کوئی مشکل آئی ہے تو مشکل تو تمہارے مخالف کو بھی آئی ہے، اگر زخم تمہیں لگے ہیں تو زخم تو ان کو بھی لگے ہیں،

اگر دو دن تمھیں جانا پڑا تو دو دن وہ بھی جائیں گے۔ فرق اتنا ہے کہ تم حق پر ہو اور وہ باطل والے ہیں، ان کے لیے عذاب ہو گا تمھارے لیے یہ ثواب ہے۔

اللہ کے نام پر قربانی کا صلہ:

ابراہیم علیہ السلام کی کوئی چھوٹی محنت نہیں ہے۔ باپ مخالف، قوم مخالف اور بادشاہ بلکہ پوری کی پوری سلطنت مخالف ہے اور تنہا خدا کی زمین پر ایک بندہ ڈٹا ہوا ہے۔ جب تھوڑی سی قربانی دی ہے نا تو ہزاروں سال گزر گئے ہیں، ابراہیم علیہ السلام گزر گئے، دنیا میں کوئی کافر بھی اپنے بیٹے کا نام نمرود نہیں رکھتا لیکن مسلمان بیٹے کا نام ابراہیم رکھتے ہیں، دنیا میں کوئی کافر بھی اپنے بیٹے کا نام فرعون نہیں رکھتا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نام پر موسیٰ نام رکھتے ہیں، دنیا میں کوئی کافر بھی اپنے بیٹے کا نام ابو جہل نہیں رکھتا لیکن بلال نام رکھا جاتا ہے۔ اس کا مطلب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا جو مقام ہے وہ دنیا کے بڑے بڑے فرعونوں کا مقام بھی نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم کی اپنی قوم سے گفتگو:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین گفتگوئیں ہوئی ہیں، ان میں ایک گفتگو جو اپنی قوم سے ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو یہاں ذکر فرمایا:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ﴾

اصل گفتگو آگے قوم سے جو ہے، وہ آرہی ہے یہ شروع میں باپ کا تذکرہ ہے۔

حضرت ابراہیم کے والد:

آزر کون تھا؟ بعض مفسرین کہتے ہیں: ابراہیم کے والد کا نام تھا تارخ، اور آزر اس کا لقب تھا۔ اور بعض مفسرین کہتے ہیں: نہیں ان کے چچا کا نام تھا آزر اور عربی

میں چچا کو باپ کہا جاتا ہے۔ اس آیت میں ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ﴾ اپنے باپ سے کہا، اس سے مراد چچا ہے۔

مشرک باپ کا توحیدی بیٹا:

اب ان دونوں میں سے جو بھی ہو، بہر حال اللہ نے فرمایا:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٤﴾﴾

ابا جی آپ بت بناتے ہیں۔ اللہ اکبر! باپ بت بنا رہا ہے اور بیٹا دین کی دعوت دے رہا ہے، باپ مشرک بناتا ہے اور بیٹا توحیدی بناتا ہے، ﴿اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً﴾ اور جملہ سنو! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا فرمایا: ﴿اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٤﴾﴾ ابا جی! آپ اور آپ کی قوم دونوں گمراہی پر ہیں، میں تم کو دعوت دیتا ہوں خود کو اور ان کو کفر سے بچانے کی کوشش کرو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت توحید:

ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو دلائل سمجھائے، اور دلائل وہ سمجھائے کہ ان کی قوم میں سے بعض وہ تھے جو بت پرست تھے، بعض لوگ ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ بعض لوگ چاند کی اور بعض سورج کی پوجا کرتے تھے ابراہیم علیہ السلام نے سب پر دلائل دیے۔

ستارہ پرستی کی تردید:

جب رات ہو گئی ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا﴾ جب رات چھا گئی ستارہ نکل آیا فرمایا: ﴿هٰذَا رَبِّيْ﴾ یہ میرا رب ہے؟ اے! قوم تم اسے خدا سمجھتے ہو؟

ابھی دیکھتے ہیں یہ ستارہ رہتا ہے یا نہیں اگر ڈوب گیا تو یہ رب نہیں ہے اور اگر چلتا رہا تو چلو تمہاری بات مانیں گے۔ ﴿فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝٧٦﴾ جب وہ ستارہ ڈوبا تو فرمایا کہ ڈوبنے والے سے میں پیار نہیں کرتا۔

حضرت تھانوی کی حکیمانہ تشریح:

حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ بیان القرآن میں لکھتے ہیں: یہ نہیں کہا کہ میں خدا نہیں مانتا یہ فرمایا میں محبت نہیں کرتا کیوں آدمی جسے خدا مانتا ہے اس سے محبت بھی کرتا ہے کیسے پیارے انداز میں بات کی ہے۔ یوں نہیں فرمایا میں خدا نہیں مانتا۔ فرمایا: جس سے میں محبت کرنا گوارہ نہیں کرتا اسے خدا ماننا گوراہ کرلوں گا؟ جس کو محبوب بنانا مجھے پسند نہیں ہے اس کو خالق بنانا میں پسند کرلوں گا؟ میں اس کو نہیں مانتا۔

چاند پرستی کی تردید:

﴿فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا﴾ پھر دیکھا چاند کو وہ ستارے کی نسبت کچھ روشن تھا پھر کہا: ﴿هٰذَا رَبِّيْ﴾ یہ میرا خدا ہے، ﴿فَلَمَّآ اَفَلَ﴾ جب وہ بھی ڈوبا تو پھر فرمایا: ﴿لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝٧٧﴾ اے میری قوم! اگر خدا نے رہنمائی نہ کی تو پھر میں بھی تمہاری طرح گمراہ ہو جاؤں گا۔ خدا نے مجھے سمجھایا ہے کہ یہ چاند میرا خدا نہیں ہے۔

سورج پرستی کی تردید:

﴿فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ﴾ جب سورج چمک رہا تھا تو فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے یہ رب ہے؟، ﴿هٰذَآ اَكْبَرُ﴾ یہ تو بہت بڑا ہے، ﴿فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝٧٨﴾ جب سورج بھی ڈوب گیا تو فرمایا:

میں بری ہوں تمہارے شرک سے میں بے زار ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دلیلیں دے دے کے اپنی قوم کو سمجھا رہے تھے کہ ڈوبنے والا کبھی خدا نہیں ہو سکتا۔

قبر کے تین سوال:

اس سے ایک چھوٹا سا نکتہ سمجھیں!

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں: "مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟"[122] اس شخص یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو کیا کہتا تھا؟ یہ میں صحیح بخاری کے الفاظ پڑھ رہا ہوں، بعض کتابوں میں "مَنْ نَبِيُّكَ؟" کے الفاظ بھی آتے ہیں کہ تیرا نبی کون ہے؟

اور صحیح بخاری میں یہ الفاظ ہیں: "مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟" اس سے اہل بدعت استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر اور ناظر ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ پر ہیں۔ دلیل کیا ہے؟ کہتے ہیں میت ہے سرگودھا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مدینہ میں جیسے تم اھل السنۃ والجماعۃ دیوبند والے کہتے ہو، پھر تو فرشتے کو یوں کہنا چاہیے تھا: "مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ ذٰلِكَ الرَّجُلِ؟" عربی زبان میں دو لفظ ہیں؛ ایک ہے "هٰذَا" اور دوسرا ہے "ذٰلِكَ"، اگر چیز قریب ہو تو "هٰذَا" کہتے ہیں اور اگر دور ہو تو "ذٰلِكَ" کہتے ہیں۔ "هٰذَا" کا معنی یہ اور "ذٰلِكَ" کا معنی وہ۔ یہ اصول تو ٹھیک ہے نا۔ تو پھر فرشتہ کہتا ہے: "مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ" اس شخص کے بارے میں تو کیا کہتا تھا؟

122۔ صحیح البخاری، رقم: 1338

نبی کو حاظر وناظر ثابت کرنے کی مبتدعانہ کوشش:

اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول قبر میں آتے ہیں تبھی تو "هٰذَا" کہتا ہے، اگر قبر میں نہ آتے ہوتے اور مدینہ منورہ میں ہوتے تو کہتا: "مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ذٰلِكَ الرَّجُلِ؟ ان کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ لہٰذا فرشتے کا لفظ "هٰذَا" کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ قبر میں ہیں، اور ایک وقت میں ایک بندہ فوت نہیں ہوتا، ایک وقت میں لاکھوں بندے فوت ہوتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ رسول لاکھوں قبروں میں تشریف لاتے ہیں یہی معنی تو حاضر وناظر کا ہوا۔

اہل بدعت کی دلیل کا جواب:

اب دلیل کا جواب سمجھنا۔ میں نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام زمین پر ہیں اور ستارہ آسمان پر ہے۔ زمین اور ستارے کے درمیان کروڑوں کلومیٹر کا فاصلہ ہے اور سرگودھا اور مدینہ منورہ کے درمیان ہزاروں کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ﴾ جب رات چھاگئی تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿هٰذَا رَبِّيْ﴾ یہ ہے میرا رب؟ میں نے کہا: اگر قریب والے کو "هٰذَا" اور دور والے کو "ذٰلِكَ" کہتے ہیں تو ستارہ تو ابراہیم علیہ السلام سے کروڑوں کلومیٹر کے فاصلے پر تھا تو پھر "هٰذَا" کے بجائے "ذٰلِكَ" کہنا چاہیے تھا لیکن قرآن نے فرمایا "هٰذَا"۔ تو پتا چلا کہ جس طرح قریب والے کو "هٰذَا" کہتے ہیں اسی طرح دور والے کو بھی "هٰذَا" کہتے ہیں۔

قرآن کریم اور عربی گرائمر:

کہنے لگا: نہیں نہیں! یہ تو نحو کے خلاف ہے، گرائمر کے خلاف ہے گرائمر کا ضابطہ تو یہ ہے قریب والے کو یہ، دور والے کو وہ کہتے ہیں، قریب والے کو "هٰذَا" اور

دور والے کو "ذٰلِكَ"۔ میں نے کہا: قرآن گرائمر کے خلاف نہیں ہے۔ اس گرائمر کے اصول کے نیچے ایک اصول اور ہے، وہ تو نے نہیں پڑھا اس لیے تجھے الجھن پیش آئی ہے، اگر جس چیز کو دیکھا جائے اور دیکھنے والا ان دونوں کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ ہو کوئی پردہ نہ ہو، کوئی حجاب نہ ہو دور بھی ہو تب بھی "هٰذَا" کہتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام زمین پر ہیں ستارہ آسمان پر ہے درمیان میں رکاوٹ کوئی نہیں ہے تو "هٰذَا" فرمایا ہے میت یہاں سرگودھا میں ہے نبی مدینہ میں ہے درمیان میں پردہ نہیں ہے تو "مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ" فرمایا ہے۔ میں نے کہا یہ نہ کہو کہ دیوبند والوں کے پاس دلیل نہیں ہے۔

ضابطہ در ضابطہ:

تو نے ایک ضابطہ سنا ہم نے ضابطے کے نیچے ضابطہ تھا وہ بھی سنا دیا ہے، صرف ضابطہ نہیں ضابطے کی تہہ میں ایک ضابطہ ہوتا ہے ہمیں اس کا بھی علم ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوں اپنی قوم کو سمجھایا۔

ایمان اور ظلم کی آمیزش:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٨٢﴾﴾

آیت کا مطلب جو لوگ ایمان لائے اور پھر ایمان کے ساتھ ظلم کو ملایا نہیں ہے، انہیں امن بھی ملے گا ہدایت بھی ملے گی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن کو سمجھتے تھے عربی تھے نا، اور پریشان ہو جاتے، ہم نہ سمجھتے ہیں نہ پریشان ہوتے ہیں۔ قاری صاحب نے کیا پڑھا، نہ سمجھ آئی نہ پریشانی ہوئی، ہنستے ہوئے آئے ہنستے ہوئے چلے گئے۔

ظلم سے کیا مراد ہے؟:

صحابہ عربی جانتے تھے فوراً پریشان ہو جاتے۔ پریشانی کیا لگی؟ قرآن کہتا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٨٢﴾﴾ جو ایمان لائے اور ایمان کے ساتھ ظلم کو نہ ملایا انہیں امن بھی ملے گا ہدایت بھی ملے گی۔ کہا: یارسول اللہ! "أَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ؟" اللہ کے نبی! ظلم کا معنی کمی کوتاہی ہے۔ ہم میں سے وہ کون سا بندہ ہے جو کمی کوتاہی نہ کرے اس کا کیا مطلب کہ ہمیں ہدایت نہیں ملے گی؟ صحابہ پریشان ہو گئے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہاں ظلم کا معنی وہ نہیں جو تم سمجھے ہو یہاں ظلم کا معنی اور ہے۔ سورہ لقمان میں ہے حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کی ہے: ﴿يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿١٣﴾﴾ جو ظلم کو شرک کہا۔ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔[123] اب آیت کا معنی ہو گا: "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْ وَلَمْ يُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا" کہ جو شخص ایمان لائے اور اپنے ایمان کے ساتھ شرک کو نہ ملائے اسے امن بھی ملے گا، اسے ہدایت بھی ملے گی۔

قرآن سمجھنے کا اصول:

اس سے ایک اصول نکلا ہے۔ توجہ رکھیں! قرآن کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کو قرآن کا پس منظر معلوم ہو اور پس منظر معلوم ہوتا ہے پیغمبر کے صحابہ سے، صحابہ ہوں گے تفسیر سمجھ آئے گی صحابہ نہیں ہوں گے تفسیر سمجھ نہیں آئے گی صحابہ کو چھوڑ کر تفسیر سمجھ آ ہی نہیں سکتی کیونکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بتائیں

---

[123] ۔ صحیح البخاری، رقم:6937

گے کہ یہ کس موقع پر آیت نازل ہوئی ہے، اترتی دیکھی جو انہوں نے ہے ان کے علاوہ کون بتا سکتا ہے۔

کیا اللہ کو دیکھا جا سکتا ہے؟

﴿لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ وَهُوَ يُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ ﴿۱۰۳﴾﴾

آیت کا مطلب: کوئی آنکھ بھی خدا کو نہیں دیکھ سکتی، اللہ ساری آنکھوں کو دیکھتے ہیں اللہ لطیف بھی ہے اللہ رب العزت نے فرمادیا اور اللہ خبیر بھی ہے اور لطیف بھی ہیں۔ خبیر کا معنی تمہارے معاملات کی خبر رکھتے ہیں۔ لطیف کا معنی بڑے باریک بین ہیں کوئی ذرہ بھی خدا کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہے پہلے آیت کا ترجمہ سن لیں کوئی آنکھ بھی خدا کو نہیں دیکھ سکتی اللہ ساری آنکھوں کو دیکھتے ہیں۔

کیا رویت باری تعالیٰ کا عقیدہ حدیث کے خلاف ہے؟:

گمراہ لوگوں کا ایک نظریہ کیا ہے پہلے اصول ٹھیک بیان کریں گے اس پر مسئلے غلط چڑھائیں گے۔ پہلے اصول سمجھنا! اصول بیان کریں گے جی پہلے قرآن ہے پھر حدیث ہے، اگر حدیث قرآن کے مقابلے میں آجائے قرآن کو لیتے ہیں حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں۔ سمجھ آگئی [جی ہاں۔ سامعین] یہ پہلے اصول بیان کریں گے پھر اگلا مسئلہ کہیں گے جی علماء دیوبند کے بعض عقیدے ہیں جو ایسی حدیث سے ثابت ہیں جو حدیث قرآن کے خلاف ہے، اب یہاں یہ دیوبند کے عقیدوں پر رگڑا لگائیں گے اور بحث شروع ہو جائے گی۔ اس آیت کی روشنی میں ایک مسئلہ اور جواب سمجھنا۔

اہل السنت والجماعت کا نظریہ:

ہمارا نظریہ ہے امت مصطفیٰ کو دیکھتی ہے اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کو دیکھتے ہیں، امت نے مصطفیٰ کو دیکھا اور مصطفیٰ نے خدا کو دیکھا۔ ایک شخص تقریر

کرر ہا تھا۔ کہتا ہے: دیوبند کا عقیدہ بالکل غلط ہے۔ میں نے کہا: میرا عقیدہ حدیث سے ثابت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

إِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ رَاٰى رَبَّهُ.[124]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا ہے۔

حدیث مبارک پر اعتراض کا جواب:

کہنے لگا یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے۔ میں نے کہا: کون سی آیت ہے۔ کہتا ہے: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ کہ کوئی آنکھ بھی خدا کو نہیں دیکھ سکتی، تو جب کوئی بھی آنکھ نہیں دیکھ سکتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے دیکھ سکتے ہیں؟ میں نے کہا: اپنی بات پر قائم رہنا۔ خدا تجھے ہدایت دے اور ہدایت کے بعد جنت میں جگہ دے۔ ہم تبلیغ والے ہیں ہم بد دعائیں نہیں کرتے ہم تمہیں بھی دعائیں دیتے ہیں، ہم رائے ونڈ والے ہیں ہمارے ہاں بد دعا نہیں ہوتی۔

میں نے کہا: تو جنت میں جائے اور وہاں جا کے خدا کو دیکھے گا۔ کہتا ہے: جی ہاں۔ میں نے کہا: کہاں لکھا ہے۔ کہا: جی حدیث میں ہے۔ میں نے کہا: میں نہیں مانتا۔ مجھے کہتا ہے: کیوں؟ میں نے کہا: قرآن کے خلاف ہے۔ کہتا ہے: یہ قرآن کے خلاف نہیں ہے۔ میں نے کہا: کیوں نہیں ہے۔ تو کہا اس آیت کا مطلب ہے زمین پر رہتے ہوئے کوئی خدا کو نہیں دیکھ سکتا، میں زمین پر نہیں جنت میں جا کے دیکھوں گا۔

حضور علیہ السلام نے اللہ کی زیارت کہاں کی؟

میں نے کہا: ہم نے کب کہا کہ مصطفیٰ نے زمین پر دیکھا ہے، ہم بھی کہتے ہیں مصطفیٰ نے عرش معلیٰ پر جا کے دیکھا ہے۔ [سبحان اللہ۔ سامعین] میں نے کہا: تیری

124۔ المعجم الکبیر للطبرانی: ج5 ص353 رقم الحدیث 11454

حدیث قرآن کے خلاف نہیں ہے تو ہماری حدیث کیسے قرآن کے خلاف ہے۔ بس ضد ہے۔ حدیث آپ کی نہیں مانی آپ میری مانیں۔ ہم دونوں مانتے ہیں تیری بھی مانتے ہیں اپنی بھی مانتے ہیں۔ امتی جنت میں جائے گا وہ خدا کو دیکھے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر گئے ہیں تو خدا کو دیکھا ہے۔

دعوت دین کا نبوی طرز:

﴿وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾[125]

اللہ نے ضابطہ بیان کر دیا۔ مشرکین مکہ ابو جہل اینڈ کمپنی ابو طالب کے پاس آئے اور کہا اپنے بھتیجے کو سمجھائیں، ہمیں اس کی دعوت پر اعتراض نہیں ہے، بس ہمارے معبودوں کو اور ہمیں کچھ نہ کہے۔ ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا کہا: بھتیجے یہ تیری شکایت لے کر آئے ہیں۔

فرمایا: چچا میں کہتا ہوں "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھ لو عرب و عجم تمہارے غلام بن جائیں گے۔ میرے اللہ نے قرآن کی آیت اتاری ہے میرے نبی جو تیرا طرز ہے نا یہ طرز امت کو تو سمجھا دے، ﴿وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ تم معبودان باطلہ کو گالیاں دو گے وہ تمہارے سچے خدا کو گالیاں دیں گے۔ کسی کے جھوٹے خدا کو گالی مت دو تا کہ تمہارا سچا خدا گالی سے بچ جائے۔

اپنے ماں باپ کو گالی:

ایک حدیث میں آتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے ماں

125۔ المائدۃ 108:5

باپ کو گالیاں مت دو۔ صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! بھلا کوئی ماں باپ کو گالیاں دے سکتا ہے؟ فرمایا: جی ہاں۔ جب تم کسی کی ماں کو گالیاں دو گے وہ تمہاری ماں کو گالیاں دے گا، کسی کے باپ کو گالی دو گے وہ تمہارے باپ کو گالی دے گا۔ اگر اپنی ماں اور اپنے باپ کو گالی سے بچانا چاہتے ہو تو دوسرے کی ماں اور باپ کو گالی مت دو۔[126]

اللہ کو نہ ماننا اور اللہ کی نہ ماننا:

﴿اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٦٥﴾﴾

اللہ رب العزت نے اس سورت کے اختتام پر ہمیں درس دے دیا ہے کہ بندے دو قسم کے ہیں۔ بعض اللہ کو ماننے والے اور بعض اللہ کو نہ ماننے والے، بعض اللہ کی ماننے والے اور بعض اللہ کی نہ ماننے والے، ان دو لفظوں میں غور کرنا بعض لوگ اللہ کو نہیں مانتے، بعض اللہ کی نہیں مانتے۔ کافر اللہ کو نہیں مانتا، مسلمان اللہ معاف فرمائے اللہ کی نہیں مان رہا۔ اللہ کو بھی مانو اللہ کی بھی مانو۔

تبلیغی جماعت کی محنت کا دائرہ:

میں اس پر ایک چھوٹی سی بات کہتا ہوں، ہمارے لوگ بھی اعتراض کرتے ہیں جماعت والوں پر، ہمیں دعوت دیتے ہو ہندوؤں کو دعوت دو، ہمیں مسلمان بناتے ہو سکھوں کو دعوت دو، ہم کہتے ہیں کہ تمہیں کیوں غلط فہمی ہے، وہ اللہ کو نہیں مانتا، تُو اللہ کی نہیں مانتا، وہ رسول کو نہیں مانتا ظلم یہ ہے کہ تُو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں مانتا۔ انہیں کہیں گے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مانو تمہیں کہیں گے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مانو۔ ان کو اور دعوت دیں گے تجھے اور دعوت دینی ہے، ان والی دعوت اور ہے تیرے والی دعوت اور ہے۔

126۔ صحیح البخاری، رقم:5973

اللہ غفور بھی ہیں اور رحیم بھی:

فرمایا: ﴿اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ﴾ جو آدمی نہ مانے تو خدا سخت اور تیز اور جلدی سزا دے سکتا ہے، ﴿وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ جو مان لے اور توبہ کرلے اللہ پھر معاف بھی کرتے ہیں۔ "رَحِيْمٌ" یہ "غَفُوْرٌ" کی علت بیان کی ہے یعنی اللہ اس لیے تمہیں معاف نہیں کرتے کہ معافی تمہارا حق ہے بلکہ اس لیے معاف کرتے ہیں کہ اللہ کو رحیم کہتے ہیں۔ اب میں علماء کے لیے ایک جملہ کہنے لگا ہوں۔ قرآن کریم میں اللہ جب بھی دو صفتیں اکٹھی ذکر فرمائیں تو پہلی صفت دعویٰ ہوتی ہے اور دوسری صفت دلیل ہوتی ہے۔ "غَفُوْرٌ" دعویٰ ہے "رَحِيْمٌ" دلیل ہے۔ اللہ تمہیں معاف کرے گا، اس لیے نہیں کہ تمہارا حق ہے اس لیے کہ اللہ رحیم ہے۔

حضرت تھانوی کا خوبصورت فرمان:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے ہم اللہ سے جنت مانگتے ہیں اس لیے نہیں کہ ہم جنت کے مستحق ہیں بلکہ اس لیے مانگتے ہیں کہ ہم جہنم کو برداشت نہیں کرسکتے۔ اللہ ہم سب کو جہنم سے محفوظ رکھے ہمیں جنت کی نعمت عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

سورۃ الاعراف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿الٓمّٓصٓ ۚ﴿۱﴾ کِتٰبٌ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ فَلَا یَکُنۡ فِیۡ صَدۡرِکَ حَرَجٌ مِّنۡہُ
لِتُنۡذِرَ بِہٖ وَ ذِکۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲﴾ اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ لَا
تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۳﴾﴾

تمہید:

قیامت کے دن میدان حشر میں تین قسم کے لوگ ہوں گے، انسانیت تین طبقات میں تقسیم ہو گی:

1: اصحاب الجنۃ، 2: اصحاب النار، 3: اصحاب الاعراف۔

جنت، جہنم کا نام تو سنا ہے، اعراف کا نام بعض لوگوں نے سنا ہے اور بعض لوگوں نے نہیں سنا، قیامت کے دن تین قسم کے لوگ ہوں گے، بعض وہ کہ جن کے نیک اعمال زیادہ ہیں اور بعض وہ کہ جن کے گناہ اور اعمال بد زیادہ ہیں، اور بعض وہ کہ جن کے نیک اعمال اور برے اعمال مساوی (برابر) ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جن کے نیک اعمال زیادہ ہوں گے ان کو جنت میں بھجوا دیں گے اور وہ لوگ جن کے اعمال بد زیادہ ہوں گے ان کو جہنم میں بھجوا دیں گے۔ اور وہ لوگ جن کے نیک اعمال اور برے اعمال برابر ہوں گے ان کو اعراف میں رکھا جائے گا۔

اعراف کسے کہتے ہیں؟:

اعراف "عُرُف" سے ہے، "عُرُف" کا معنی ہوتا ہے تعارف۔ عرف، اعراف کا مطلب جنت اور جہنم کے درمیان ایک دیوار ہے، اس دیوار کے بالائی حصہ کا نام اعراف ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لیں، اعراف ہے عرف سے، عرف کہتے ہیں تعارف اور معروف کو، جو چیز بلندی پر ہو وہ معروف ہوتی ہے اور پہچان لیا جاتا ہے، چونکہ قیامت کے روز بعض لوگ وہ ہوں گے جو اس بالائی دیوار پر ہوں گے، ان کے جتنے گناہ ہیں اتنے ہی نیک اعمال ہوں گے۔

نیک اعمال زیادہ تو اصحاب جنت اور گناہ زیادہ ہوں تو اصحاب النار اور اگر نیک اعمال اور گناہ برابر ہیں تو اصحاب اعراف۔ جنت میں جانے والوں کو اصحاب الجنۃ کہتے ہیں اور جہنم میں جانے والوں کو اصحاب النار کہتے ہیں اور اس دیوار پر رہنے والوں کو اصحاب الاعراف کہتے ہیں۔

وجہ تسمیہ سورۃ:

تو اس سورۃ کا نام اعراف کیوں ہے؟ اس لیے کہ اس میں اعراف کا تذکرہ ہیں۔ اب آپ کہیں گے کہ اس میں تو اصحاب الجنۃ بھی ہیں اور اصحاب النار بھی ہیں، تو نام اصحاب الجنۃ اور اصحاب النار رکھنے کے بجائے اعراف کیوں ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ اعراف درمیانی چیز ہے، جنت ایک طرف اور جہنم ایک طرف، درمیان میں اعراف ہے، تو درمیان میں اعراف ہونے کی وجہ سے اس سورۃ کا نام اعراف رکھا گیا ہے، اس میں اعراف کا مستقل تذکرہ ہے۔

اور قرآن کریم میں تینوں طبقات کا تذکرہ کیا گیا ہے: ﴿وَ نَادٰۤی اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ اَصۡحٰبَ النَّارِ اَنۡ قَدۡ وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا﴾

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جنت والے جہنم والوں سے کہیں گے جو خدا نے ہم سے وعدہ کیا ہم نے اس کو سچا پالیا، ﴿فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا﴾ جو خدا نے تمہارے ساتھ جہنم کا وعدہ کر لیا تھا آج تم نے پالیا؟ جہنم والے کہیں گے تم سچ کہتے ہو ہم دنیا میں نہ اس بات کو مانتے تھے اور نہ سمجھتے تھے، لیکن آج یہ پتا چلا ہے کہ خدا کی جنت کی بات بھی سچی ہے اور جہنم کی بات بھی سچی ہے۔

جہنم والے کہیں گے: ﴿وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾

جہنم والے جنت والوں سے کہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں نعمتیں عطا فرمائی اور پانی جو تم کو دیا ہے اس میں سے کچھ ہمیں بھی دے دیں، جنت والے کہیں گے یہ جنت کی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے جہنم والوں پر حرام قرار دی ہیں، یہ جنت کی نعمتیں تمہیں مل نہیں سکتیں۔

اعراف والوں کا تذکرہ ہے: ﴿وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ﴾

کہ یہ جو اعراف والے ہیں یہ جنت والوں کو بھی پہچانتے ہیں اور جہنم والوں کو بھی پہچانتے ہیں۔ جنت والوں سے کہیں گے: ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ﴾ ان کا دل یہ چاہے گا کہ جنت میں داخل ہوں، لیکن یہ جا نہیں سکیں گے۔ کیونکہ گناہ ان کے نیک اعمال کے برابر ہوں گے اور جب جہنم والوں کو دیکھیں گے اس وقت کہیں گے: ﴿اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۸﴾

اعراف والے آخر کار جنت میں:

لیکن ایک وقت آئے گا اللہ تعالیٰ اعراف والوں کو بھی جنت میں داخل

فرمادیں گے۔ یہ پھر بھی خوش قسمت ہیں کہ آخر ان کو جنت ہی میں چلے جانا ہے۔ اب دو طبقے رہ جائیں گے بعد میں، جنت والے اور جہنم والے، اللہ تعالی مجھے اور آپ سب کو جنت والا بنائے (آمین۔ سامعین)

کریم ذات کسے کہتے ہیں؟

ہم بے شک مجرم، نالائق اور گناہ گار ہیں، لیکن اپنے اعمال کے بجائے اللہ تعالی کی رحمت پہ نظر رکھنی چاہیے کہ کریم کہتے ہی اسے ہیں جو نالائقوں کو عطا فرمائیں، جو مستحق کو دے اسے کریم نہیں کہتے، کریم اسے کہتے ہیں جو غیر مستحقین کو عطا فرمائیں، ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اے اللہ آپ کریم ہیں ہم جنت کے مستحق نہیں ہیں، آپ اپنے فضل اور کرم سے ہمیں بھی جنت میں جگہ عطا فرمائیں۔

مقطعات کسے کہتے ہیں؟:

﴿الٓمّٓصٓ ۝۱﴾ انہیں عربی زبان میں حروف مقطعات کہتے ہیں۔ مقطعات کیوں کہتے ہیں؟ حروف جمع ہے حرف کی، مقطعات جمع ہے مقطعة کی، اور مقطعة بنا ہے قطع سے، قطع کا معنی ہوتا ہے کاٹنا، چونکہ یہ وہ حروف ہیں جن کو الگ الگ کرکے پڑھا جاتا ہیں، ایک کو دوسرے سے کاٹ کے پڑھا جاتا ہے، اس لیے ان کو مقطعات کہتے ہیں۔ مثلا دیکھئے: ﴿الٓمّٓصٓ ۝۱ كِتٰبٌ اُنْزِلَ﴾ اب "كِتٰبٌ" اس کو یوں نہیں پڑھتے کہ ک، ت، ب، الگ الگ کرکے، بلکہ اس کو ملا کر "كِتٰبٌ" پڑھتے ہیں، اسی طرح "اُنْزِلَ" کو الگ الگ، ا، ن، ز، ل، یوں نہیں پڑھتے بلکہ ملا کر "اُنْزِلَ" پڑھتے ہیں۔ لیکن "الٓمّٓصٓ" کو ملا کر نہیں پڑھتے بلکہ "الف" کو الگ پڑھتے ہیں، "لام" کو الگ پڑھتے ہیں، "میم" کو الگ پڑھتے ہیں اور "صاد" کو الگ پڑھتے ہیں۔ یہ حروف جو الگ الگ پڑھے جاتے ہیں ان کو حروف مقطعات کہتے ہیں۔

حروف مقطعات؛متشابہات میں سے ہیں:

ان کے بارے میں مفسرین علیہ الرحمہ کا فیصلہ ہے کہ یہ حروف مقطعات مَتَشابہات میں سے ہیں۔متشابہات قرآن کریم کی ان آیات کو کہتے ہیں کہ جن کا معنی اللہ تعالی کے علاوہ کوئی نہیں جانتا یہ اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز ہیں۔ اس لیے بندے کو اس راز میں دخل دینے کی ضرورت ہی نہیں۔ مقطعات، مَتَشابہات اللہ تعالی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک راز ہے۔ اس لیے ایک عام آدمی کو اس راز میں دخل دینا ہی نہیں چاہیے۔

بعض حضرات کے ذہن میں ایک سوال آتا ہے کہ جب ان کا معنی کوئی بندہ جانتا ہی نہیں تو ان کے نازل کرنے کا فائدہ کیا ہے؟اس کے علماء نے کئی جوابات دیئے ہیں، آپ بنیادی طور پر دو جواب ذہن نشین فرمالیں۔

اہل علم کے امتحان کے لیے:

پہلا جواب یہ ہے کہ ایک امتحان عالم کا ہے اور ایک امتحان غیر عالم کا ہے، غیر عالم سے کہتے ہیں پڑھو اور عالم سے کہتے ہیں کہ بس کرو، رکو۔عالم کا امتحان کیا ہے؟ بس کرو،اور غیر عالم کا امتحان کیا ہے؟ پڑھو۔اگر کوئی بچہ محنت نہ کرے اسے آپ کہتے ہیں بیٹا!عشاء کے بعد پڑھا کرو۔اور کوئی بچہ بہت پڑھے اسے آپ کہتے ہیں بیٹا! تھوڑی دیر سویا بھی کرو۔

تو دونوں کو الگ الگ بات کہتے ہیں نا!نہ پڑھنے والے سے کہتے ہیں پڑھا کرو اور پڑھنے والے سے کہتے ہیں تھوڑی دیر سویا بھی کرو۔تو غیر عالم سے کہتے ہیں دین کا علم حاصل کرلیا کرو،اور عالم سے کہتے ہیں کہ کسی جگہ رکا بھی کرو۔تو غیر عالم کا امتحان یہ ہے کہ پڑھا کریں اور عالم کا امتحان یہ ہے کہ بعض جگہوں پہ رک جائے۔

﴿الٓمّٓصٓ﴾ کا معنی جب اللہ تعالی کے علاوہ کسی کو معلوم ہی نہیں ہے تو علماء

کو چاہیے کہ یہاں رک جائیں اور اس کے معانی بیان کرنے کی ہمت نہ کریں۔ بعض لوگ بلاوجہ اپنا علم جھاڑنے کے لیے ان کے معانی بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سب سے بہترین بات یہ ہے کہ یہ اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز ہے، اس کا معنی ہمیں معلوم نہیں ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور مان لیتے ہیں۔ تو یہ مقطعات غیر علماء کے امتحان کے لیے نہیں ہیں بلکہ علماء کے امتحان کے لیے ہیں۔

گمراہی سے بچنے کے لیے:

اس کا دوسرا جواب سمجھیں کہ ایک امتحان اللہ تعالی یوں لیتے ہیں کہ عام آدمی کو ناز ہوتا ہے اپنی گرائمر پہ، عام آدمی کو ناز ہے اپنی ادبیت پہ، لوگ گمراہ کیوں ہوتے ہیں؟ بعض لوگ گمراہ ہوتے ہیں اپنی کم علمی کی وجہ سے، اور بعض لوگ گمراہ ہوتے ہیں زیادتِ علم کی وجہ سے۔ بعض لوگ گمراہ ہوتے ہیں کم علمی کی وجہ سے اور بعض لوگ گمراہ ہوتے ہیں علم کے زیادہ ہونے کی وجہ سے۔ بعضوں کا دماغ تھوڑا ہوتا ہے اور علم زیادہ ہونے کی وجہ سے ان سے سنبھالا نہیں جاتا، اس لیے وہ اپنے اکابرین کے خلاف بولنا شروع کر دیتے ہیں، علماء کے خلاف بولنا شروع کر دیتے ہیں۔

کون کیسے گمراہ ہوتا ہے؟:

تو بعض گمراہ ہوتے ہیں علم کے نہ ہونے سے اور بعض گمراہ ہوتے ہیں علم کے زیادہ ہونے سے اور یہ علم کے زیادہ ہونے والا گمراہ کب ہوتا ہے؟ جب یہ علم مطالعے سے حاصل کرلیتا ہے، علم کسی استاذ کے سامنے دوزانو بیٹھ کر حاصل نہیں کرتا۔ اگر علم حاصل کریں کتابوں سے پھر شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں، اور جب استاذ سے علم حاصل کریں تو شکوک وشبہات ختم ہو جاتے ہیں۔ آدمی جہاں پھنس جاتا ہے استاذ سے پوچھ لیتا ہے اور اس کو کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا، اگر استاذ سے رابطہ نہ ہو شبہ پیدا ہو گا

اور اس شبہ کو پکا کر لے گا، آئندہ مزید امت کو گمراہ کرنا شروع کر دے گا۔

اہل علم کی آزمائش:

تو یہ آیات مقطعات، متشابہات کیوں ہیں؟ ان آیات میں اللہ تعالی علماء کو بتانا چاہتے ہیں کہ تم نے عربیّت اور ادب پہ ناز کیا کرنا ہے تمہارا علم تو اتنا ہے کہ تمہیں "الف" کا معنی بھی نہیں آتا۔ تم نے کیا کرنا ہے تمہارا علم تو یہ ہے کہ تمہیں تو "لام" کا معنی بھی نہیں آتا، تمہیں "میم" کا معنی بھی نہیں آتا، اور تمہیں "صاد" کا معنی بھی نہیں آتا۔ تم ہمارے علم کے مقابلے میں اتنا تھوڑا علم رکھتے ہو کہ الف اور لام کا معنی بھی نہیں جانتے۔

عاجزی کا اعتراف:

اس لیے اگر تم قرآن کریم پڑھنا اور امت کو سمجھانا چاہتے ہو تو اپنی عاجزی کا اعتراف کرو۔ اللہ تعالی علم دے تو پتا چلتا ہے اگر اللہ تعالی نہ دے تو الف کے معنی کا بھی پتا نہیں چلتا، بس اللہ تعالی عطا فرمائیں تو پورا قرآن کریم سمجھ آتا ہے اور نہ عطا فرمائیں تو الف کا معنی بھی سمجھ نہیں آتا، حروف مقطعات انسان کے امتحان کے لیے ہیں۔

تسلی برائے حبیبِ کبریا ﷺ:

﴿كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝٢﴾

اللہ تعالی نے اس آیت میں اپنی پیغمبر کو تسلی دی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا دکھ اور بڑا درد ہوتا کہ اے اللہ تعالی میں سمجھاتا ہوں یہ سمجھتے نہیں ہے، میں منواتا ہوں یہ مانتے نہیں ہے، میں دلائل بیان کرتا ہوں قبول ہی نہیں کرتے، اللہ یہ جنت کے بجائے جہنم میں جائیں گے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہت پریشان

ہوتے۔

نبی کا منصب حکم خدا پہنچانا ہے، منوانا نہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے پیغمبر! ﴿كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ میں نے یہ کتاب اس لیے نازل فرمائی، ﴿لِتُنْذِرَ بِهٖ﴾ تاکہ اس کے ذریعے آپ امت کو ڈرائیں، اور اگر یہ بات نہیں مانتے تو درمیان میں فرمایا: ﴿فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ﴾ ان کے نہ ماننے کی وجہ سے آپ کا دل تنگ نہیں ہونا چاہیے۔ آپ کے ذمے سمجھانا ہے آپ کے ذمے منوانا نہیں ہے۔

دین کے داعی دل چھوٹا نہ کریں:

ہمارے بہت سارے لوگ پریشان ہوتے ہیں کہ جی دلائل دیتے ہیں لوگ مانتے ہی نہیں ہے، میں نے سمجھایا وہ سمجھتے ہی نہیں ہے۔ میں نے کہا جو نبی کی بات نہیں مانتا وہ میری اور آپ کی نہ مانے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ ایک بندہ رسول کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہے وہ میری اور آپ کی بات قبول نہ کرے تو بتائیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ آپ مثبت انداز میں دلائل کے ساتھ بات پیش کریں اگر لوگ قبول کر لیں تو ان کا فائدہ ہے اگر قبول نہ کریں تو ان کا نقصان ہے۔ آپ اس پہ دل چھوٹا نہ کیا کریں۔

ابلیس کی نخوت:

﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾﴾

ان آیات میں اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا اور ان کے مقابلے میں ابلیس کا تذکرہ کیا۔ یہ قصہ آپ نے کئی بار سنا ہے، میں پورا قصہ بیان نہیں کرتا میں بنیادی طور پر کچھ نکات اور نظریات بیان کرتا ہوں۔

سجدہ کا حکم ابلیس کو بھی تھا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو تمام ملائکہ سے فرمایا کہ تم میرے آدم کو سجدہ کرو، حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم صرف ملائکہ کو دیا، ابلیس کا نام لے کر نہیں فرمایا تو بھی سجدہ کرلے۔ لیکن ابلیس چونکہ ان میں موجود تھا اور ابلیس کو حکم خود بخود ہے اگرچہ ابلیس فرشتہ تھا نہیں لیکن عبادت کرنے کی وجہ سے اس کا شمار ملائکہ میں ہوتا تھا۔

﴿اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ اگرچہ خطاب ملائکہ کو کیا ہے لیکن جو جو ملائکہ میں شامل تھے یہ خطاب ان سب کے لیے موجود تھا، سب ملائکہ نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا، ابلیس نے کہا میں سجدہ نہیں کروں گا۔

ابلیس؛ سجدے کا انکاری:

اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے پوچھا کہ اے ابلیس تو بتا جس آدم کو میں نے سجدے کا حکم دیا، تُو نے اس کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ ﴿مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ﴾ جب میں نے حکم دیا تو تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟

شیطانی دلائل:

ابلیس کہنے لگا:

﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿١٢﴾﴾

اللہ آپ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا۔ آگ افضل ہوتی ہے بنسبت مٹی کے، تو افضل سجدہ کیوں کرے آدم کو جو مٹی سے بنا ہے؟ اگر آپ نے سجدہ کروانا تھا تو مجھے آپ افضل نہ بناتے، افضل مجھے بنایا اور مجھے کہتے ہیں سجدہ بھی کرو، اس لیے میں سجدہ نہیں کرتا۔

ابلیس کی بنیادی غلطی:

آپ ذرا اس بات کو سمجھیں کہ ابلیس کو غلطی لگی کہاں سے ہے؟ اس نے خود کو اعلیٰ کیسے سمجھ لیا؟ ابلیس کا ذہن یہ تھا کہ آدم مٹی سے بنا ہے اور میں آگ سے بنا ہوں، اور آگ مٹی سے اعلیٰ ہوتی ہے۔

ابلیس کی دلیل کا علمی رد:

حالانکہ آگ اعلیٰ نہیں ہے، آگ ادنیٰ ہے اور مٹی اعلیٰ ہے۔ یہ میں ابلیس کی دلیل کا جواب دینے لگا ہوں جو آپ نے شاید نہ سنی ہو، ابلیس آگ سے بنے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنے ہیں، ابلیس کی دلیل کا خلاصہ کیا تھا کہ آگ اعلیٰ ہے اور مٹی ادنیٰ ہے، اور ہم کہتے ہیں نہیں مٹی اعلیٰ اور آگ ادنیٰ ہے، اس کی وجہ کیا ہے کہ ابلیس کا ذہن یہ تھا کہ جب آگ جلاؤ تو اوپر جاتی ہے اور مٹی اوپر پھینکو تو نیچے آتی ہے، اس سے پتا چلا یہ ادنیٰ اور وہ اعلیٰ ہے۔

ہم کہتے ہیں نہیں آگ میں خِفَّت [ہلکاپن] بھی ہے، آگ میں حِدَّت بھی ہے، آگ میں طیش بھی ہے، آگ میں حرارت بھی ہے، آگ میں اکڑ بھی ہے، آگ میں علو بھی ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں مٹی کو دیکھو مٹی میں متانت بھی ہے، مٹی میں سنجیدگی بھی ہے، مٹی میں تواضع بھی ہے، مٹی میں حلم بھی ہے، اور مٹی میں تثبت بھی ہے۔ آگ کبھی اوپر اور کبھی نیچے، مٹی کو جب بھی اوپر پھینکو ایک جگہ پر ہے مٹی جم جاتی ہے۔ آگ نہیں جمتی، مٹی میں ٹھہراؤ ہے آگ میں نہیں ہے، مٹی میں تواضع ہے آگ میں کبر ہے، آگ میں اکڑ ہے مٹی میں عاجزی ہے، اور آگ میں ٹھہراؤ نہیں مٹی میں تثبت ہے، آگ میں دیکھو حلم نہیں مٹی میں دیکھو بردباری ہے، لہٰذا مٹی اعلیٰ ہے آگ ادنیٰ ہے۔

ابلیس سمجھتا تھا کہ نہیں آگ اعلیٰ ہے مٹی ادنیٰ ہے، میں سجدہ کیوں کروں؟

اب آپ بتائیں آگ اعلیٰ ہے یا مٹی؟ [مٹی۔ سامعین] آگ تو کچھ بھی برداشت نہیں کرسکتی، مٹی تو سارا کچھ برداشت کرتی ہے۔

مٹی کی خصوصیات اور مزاج:

مٹی کیسے برداشت کرتی ہے؟ کہ مٹی کے سینے میں بلڈنگ بناؤ تب بھی اٹھا لیتی ہے، مٹی پر پانی رکھو تب بھی اٹھا لیتی ہے، مٹی پر آگ جلاؤ تب بھی اٹھا لیتی ہے، مٹی پہ پاخانہ پھینک دو تب بھی اٹھا لیتی ہے، مٹی پہ خوشبو گرادو تب بھی اٹھا لیتی ہے۔

تو مٹی کے مزاج میں تواضع بھی ہے اور مٹی کے مزاج میں عاجزی بھی ہے، مٹی کے مزاج میں انکساری بھی ہے، مٹی کے مزاج میں حلم بھی ہے، اور اہم بات کیا ہے کہ مٹی کے مزاج میں تثبت بھی ہے۔ آگ کو دیکھو تو اس میں ٹھہراؤ نہیں اور مٹی کو دیکھو اس میں ٹھہراؤ ہے۔ اب بتاؤ اعلیٰ کون ہے؟ مٹی یا آگ۔ [مٹی۔ سامعین] ابلیس کہتا تھا کہ آگ افضل ہے۔

اب آپ لوگ ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ مجھ جیسا بندہ سمجھ سکتا ہے کہ مٹی آگ سے افضل ہے۔ تو کیا اللہ تعالی کو پتا نہیں تھا؟ پتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے جواب نہیں دیا۔ ابلیس نے کہا: ﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾ اللہ میں آگ سے بنا ہوں اور میں اعلیٰ ہوں۔

ہر سوال کا جواب نہ دینا بھی خدائی اصول ہے:

خدا نے ابلیس کو جواب نہیں دیا۔ پتا یہ چلا کہ ہر بات کا جواب نہیں دیتے۔ ہمارے لوگ پریشان ہیں کہ فلاں نے جواب کیوں نہیں دیا؟ فلاں نے جواب کیوں نہیں دیا؟ ہر بات کا جواب نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو جواب نہیں دیا فرمایا اُخْرُجْ" جواب نہیں دیا فرمایا میری جنت سے بھی نکل جا۔ جب ہم حکم دیتے ہیں آگے سے دلیلیں نہیں دیتے، پتا یہ چلا ایک طرف چھوٹا ہے اور ایک طرف بڑا ہے، اگر بڑا چھوٹے کو بات کہے اور چھوٹا دلیل دے تو بڑا دلیل کا جواب نہیں دیتا، پوچھتا ہے کہ

جب میں نے حکم دیا تو تو نے مانا کیوں نہیں ہے؟ ابلیس کو وہاں سے نکال دیا اس کا جواب نہیں دیا، اس لیے ہر بات کا جواب نہ ضروری ہوتا ہے اور نہ آپ جواب کے لیے پریشان ہوا کریں۔

جب شیطان نے دعا مانگی:

جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا: ﴿فَاخْرُجْ﴾ کہ نکل جا، تو ابلیس نے کہا: ﴿اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴾

اللہ میں ایک آپ سے دعا مانگتا ہوں، آپ نے نکال تو دیا ہی ہے نا۔ لیکن آپ میری ایک دعا، میری ایک چیز ہے مجھے عطا فرما دیجئے، اللہ تعالی نے فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے؟

اس نے کہا: ﴿اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴾ اللہ جب لوگوں کو قیامت کو دوبارہ اٹھایا جائے گا نا اس وقت تک کے لیے مجھے زندگی دیجئے، مجھے مہلت دیجئے، اللہ تعالیٰ سے جب ابلیس نے یہ دعا مانگی ہے، تو اللہ تعالی نے یوں نہیں فرمایا کہ جا تجھے اس دن تک مہلت ہے، نہیں، نہیں، فرمایا: ﴿اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴾ کہ تجھے مہلت ہے، اور کتنی ہے؟ دوسرے مقام پر ہے کہ ﴿اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ﴾[127] کہ ایک خاص وقت تک تجھے مہلت دیتے ہیں۔

شیطان کی شیطانی:

ابلیس نے کہا: اللہ! مجھے مہلت دیں! قیامت تک نہیں بلکہ ﴿اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴾ تک۔ قیامت کے دو حصے ہیں، قیامت کو صور پھونکا جائے گا دو مرتبہ،

127۔ الحجر 38:15

ایک مرتبہ جب صور پھونکا جائے گا تو سارے لوگ مر جائیں گے، اور جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو پھر مردے اٹھ جائیں گے۔ ابلیس کتنا چالاک تھا آپ نے ابلیس کی دعا پر غور نہیں کیا، یہ نکتہ آپ نے کبھی نہیں سنا جو میں سنانے لگا ہوں، ابلیس کی چالاکی دیکھیں، صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا، جب ایک بار صور پھونکا جائے گا تو سارے مر جائیں گے، اور جب دوبارہ پھونکا جائے گا تو پھر سارے مردے اٹھائے جائیں گے۔

تو ابلیس نے کیا کہا؟ ﴿اَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾﴾ اللہ مجھے اس وقت تک زندگی دینا جب مردے اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں اس وقت تک زندگی دیں گے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ شیطان پر موت آنی ہی نہیں، جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو سب کو مرنا ہے، تو ابلیس نے یہ نہیں کہا کہ مجھے اس وقت موت دینا جب سارے لوگ مریں گے بلکہ ابلیس نے یہ کہا کہ مجھے اس وقت تک مہلت دینا اس وقت تک مجھے موت نہیں دینا۔

وقت معلوم کا معنٰی:

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: اس وقت تک مہلت دیتا ہوں بلکہ فرمایا: تجھے مہلت دیتا ہوں لیکن وقت معلوم تک، وقت معلوم کا معنی جب تک سارے نہیں مریں گے اس وقت تک تجھے بھی مہلت دیں گے۔ اور جب سارے مریں گے تو تجھ پر بھی موت آنی ہے۔

خدا کو دھوکہ دینے کی شیطانی کوشش ناکام:

ابلیس بہت چالاک تھا، اس نے عجیب دعا مانگی ہے لیکن یہ نہیں سوچا کہ میں خدا کو دھوکا دینا چاہتا ہوں، خدا کو دھوکہ کون دے سکتا ہے؟ فرمایا: ﴿وَمَا یَخْدَعُوْنَ

﴿اِلَّآ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ﴾[128] تو اسی طرح ابلیس کو ماننے والے منافق بھی خدا کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ فرمایا کہ نہیں، نہیں، تم خدا کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔

جمعہ کی پہلی اذان اور کاروبار:

اسی سورۃ میں ایک تذکرہ ہے اصحاب السبت کا، سبت کہتے ہفتہ کے دن کو، ہمارے لیے حکم ہے کہ جمعہ کی پہلے اذان کے بعد کاروبار کرنا جائز نہیں ہے، جمعہ کے دن کے کاروبار کرنے پر پابندی نہیں، جمعہ کی اذان کے بعد کاروبار پر پابندی ہے۔

جمعہ کے دن کی چھٹی:

ہمارے بعض لوگ بہت عجیب ہیں، ہم کہتے ہیں جمعہ کے دن چھٹی ہو، ہم اس سے بحث نہیں کرتے کہ جمعہ یا ہفتہ اور اتوار کے دن چھٹی ہو، میں مسئلہ یہ سمجھا رہا ہوں کہ جمعہ کے دن چھٹی کرنا یہ شریعت نہیں ہے۔ جمعہ کی پہلی اذان کے بعد چھٹی ہو یہ شریعت ہے۔

جمعہ کے دن آپ کاروبار کریں جب پہلی اذان ہو جائے تو آپ کاروبار بند کریں اور جمعہ کی تیاری کریں اور جب جمعہ ہو جائے تو پھر کاروبار شروع کریں۔ قرآن کریم میں کیا ہے؟ کبھی قرآن کریم بھی پڑھا کرو:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نُوۡدِىَ لِلصَّلٰوةِ مِنۡ يَّوۡمِ الۡجُمُعَةِ فَاسۡعَوۡا اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الۡبَيۡعَ﴾[129]

اور جب اذان ہو جائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑو اور کاروبار بند کرو۔ اگر دکان کھلی ہے تو بند کرو اگر ہے ہی بند، پھر بند کیا کرنا ہے؟

128۔البقرۃ 9:2

129۔الجمعۃ 9:62

چھٹی برائے نماز جمعہ:

اس لیے ہمارا مطالبہ یہ نہیں ہوتا کہ جمعہ کے دن کی چھٹی کرو، بلکہ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ جمعہ کے وقت کی چھٹی کرو، جمعہ کے دن کی کرو یا نہ کرو لیکن جمعہ کے وقت کی چھٹی کرو۔ ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ﴾ اور جب جمعہ کی نماز ہو جائے، ﴿فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ زمین پر جاؤ، ﴿وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ اور کاروبار کرو، رزق کو تلاش کرو کون منع کرتا ہے؟

اصحاب السبت کی ناجائز تاویلیں:

ہم پر جمعہ کی نماز کے وقت کی پابندی ہے، اور ان پر ہفتہ کے دن کی پابندی ہے کہ تم ہفتہ کے دن کام نہ کرنا، اور ہفتہ کے دن کا شکار نہ کھیلنا، انہوں نے ایک نیا حیلہ نکالا کہ دریا کے ساتھ تالاب نکالا، دریا اور تالاب کے درمیان انہوں نے ایک نالا بنا لیا، اور اس پر ایک ناکا لگایا، ہفتہ کا دن آتا تو وہاں سے تختہ اٹھا لیتے، اور مچھلیاں ادھر چلی جاتی، اور وہ وہاں سے پکڑ لیتے، اور کہتے کہ ہم نے ہفتہ کے دن شکار نہیں کیا بلکہ یہ تو خود آئی ہیں۔ بھئی خود کرو تو بھی گناہ ہے اور یوں کرو تو بھی گناہ ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم خدا کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔

ابلیس نے دھوکے دینے کے لیے دعا مانگی لیکن اللہ تعالیٰ ابلیس کی چالیں سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں تجھے اس وقت تک مہلت نہیں دوں گا، بلکہ ایک خاص وقت تک مہلت دوں گا۔

ابلیس میں تین عین موجود تھے:

اس پر ایک بات سمجھیں، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابلیس عابد بھی تھا، آسمان کے چپے، چپے پہ سجدے کرتا تھا۔ اور سجدے

کرنے کی وجہ سے فرشتوں کے صفوں میں جا بیٹھا، ابلیس عابد بھی تھا، ابلیس عالم بھی تھا، ابلیس کو مسئلوں کا بھی پتا تھا، یہ ساری باتیں تھی، ابلیس عارف بھی تھا، عارف کا مطلب اللہ تعالی کے مزاج کو جانتا تھا۔ اللہ تعالی نے حکم دیا سجدہ کر، ابلیس نے نہیں کیا، جب بات نہیں مانی، اللہ تعلالی غصے میں آئے، یہ خدا کے مزاج کو جانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ غصے میں ہوں بندہ مانگے تب بھی دیتے ہیں۔ اسے کہتے ہیں عارف، یہ مزاج کو جانتا تھا۔ اس لیے غصے کی حالت میں بھی خدا سے مانگ لیا، وہاں سے دوڑا نہیں ہے، جاتے ہوئے بھی کہا اے اللہ مجھے ایک چیز چاہئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا لے لو۔ یہ عارف تھا اللہ تعالیٰ کے مزاج کو جانتا تھا۔

چوتھا عین موجود نہیں تھا:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا جملہ سننا، فرمایا ابلیس عابد بھی تھا، ابلیس عالم بھی تھا، ابلیس عارف بھی تھا۔ لیکن ابلیس عاشق نہیں تھا۔

عاشق دلیل کا مطالبہ نہیں کرتا:

ابلیس میں یہ ساری صفات تھیں لیکن ابلیس عاشق نہیں تھا کیوں؟ اس لیے کہ عاشق دلیل نہیں پوچھتا عاشق حکم پر عمل کرتا ہے۔ اس میں ساری خوبیاں موجود تھیں، لیکن ایک کوالٹی کم تھی کہ یہ عاشق نہیں تھا، اگر عاشق ہوتا نا پھر یہ نہ کہتا کہ کیوں سجدہ کروں میں تو اعلیٰ ہوں۔ خدا حکم دیتے فوراً سجدہ کرلیتا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عبادت کی توفیق بھی دیں، اللہ تعالیٰ معرفت بھی دے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم بھی دے اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہم سب کو اپنا عشق بھی عطا فرمائیں۔

ابلیس کی جھوٹی قسم:

﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

حضرت آدم علیہ السلام سے خطا ہو گئی، آدم علیہ السلام بھول گئے، اور بھول کر خطا کر لی ہے، اور بھلوایا کس نے؟ ابلیس نے، اور چکر اتنا سخت دیا اور اتنی سخت انہوں نے گیم کھیلی کہ حضرت آدم علیہ السلام جیسا بندہ بھی فوراً اس کی چال کو نہ سمجھ سکا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ اس درخت کو کھالے، آدم علیہ السلام نے فرمایا مجھے اللہ تعالی نے منع کیا ہے، ابلیس نے خدا کی قسم اٹھائی، اس نے کہا میں خدا کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ جو خدا نے تمہیں منع کیا تھا، اس کا معنی یہ نہیں تھا کہ تم نے ہمیشہ نہیں کھانا۔

جب تمہیں پیدا کیا ابھی تمہارے مزاج میں ابھی تمہارے معدے میں یہ پھل کھانے کی ہمت نہیں تھی، اس لیے منع کیا تھا، اب تو تم بڑے ہو گئے ہو، اب کھالو تو کیا حرج ہے؟ اور یہ جو اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو دھوکہ دیا ہے نا، اسی طرح کا دھوکہ غزوہ احد میں اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان نے دیا ہے۔

احد کے میدان میں:

وہ دھوکہ کس طرح تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے میدان میں صحابہ کی تشکیل فرمائی۔ فرمایا دیکھو یہ پیچھے درّہ ہے، خالی جگہ ہے، میں پچاس آدمی یہاں ٹھہرا رہا ہوں، ہمیں فتح ہو یا شکست تمہیں یہاں سے ہٹنا نہیں ہے۔ صحابہ کرام وہاں ٹھہر گئے اور جم گئے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ابھی کلمہ نہیں پڑھا اور مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ابھی تو "رضی اللہ عنہ" بنے نہیں تھے، حضرت خالد، مشرکین مکہ کی طرف سے لڑنے کے لیے آئے اور تھے بہت بڑے جرنیل، جب مشرکین مکہ کو شکست ہوئی وہ دوڑے، تو خالد چونکہ میدان جنگ کو سمجھتے تھے وہ جرنیل تھے اس نے

کہامیرے خیال میں دوڑنے کے بجائے ذرا پیچھے سے ہو کے اس درے سے مسلمانوں پر حملہ کریں۔

ظاہری شکست کے اسباب:

اس درے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ٹھہرایا تھا، فرمایا تم نے یہاں سے ہلنا نہیں ہے، جب دشمن دوڑ گیا، مسلمان مال غنیمت جمع کرنے لگے، ایک صحابی نے کہا کہ چلو ہم بھی چلیں، دوسرے صحابی نے کہا نہیں، نہیں، ہم نہیں جائیں گے۔ کہا کیوں نہیں جاؤ گے؟ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا میں جب تک نہ کہوں تم کو یہاں سے جانا نہیں ہے۔

دوسرے نے کہا تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء سمجھے نہیں ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ جب تک جہاد جاری ہو میں نہ بلاؤں تو تم نے نہیں آنا، اب تو جہاد ختم ہو گیا ہے، فتح ہو گئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مقصد کے لیے ہمیں یہاں ٹھہرایا تھا اب وہ مقصد پورا ہو گیا ہے، اب چلو اور جا کر ان کا ہاتھ بٹاؤ، اور مال غنیمت جمع کرو۔ مقصد یہ تھا کہ تم اس وقت تک نہیں ہٹنا جب تک جنگ ختم نہ ہو، اب جنگ ختم ہو گئی ہٹنے میں حرج نہیں ہے۔ دشمن ادھر سے آیا ہے، اور فتح شکست میں بدل گئی ہے۔

آدم علیہ السلام کو شیطان نے دھوکہ دیا:

ادھر بالکل اسی طرح ابلیس نے آدم علیہ السلام سے کہا خدا نے تم سے کہا تھا یہ درخت کے پھل نہ کھانا کیونکہ اس وقت تمہارے معدے میں اور تمہارے پیٹ میں اس پھل کا تحمل نہیں تھا، اب تمہارا معدہ ٹھیک ہے، اب تم بڑے ہو گئے ہو اب کھانے میں کیا حرج ہے، ابلیس نے کہا میں خدا کی قسم اٹھا کر کہہ رہا ہوں میں جھوٹ نہیں بولتا۔ جب خدا کا نام لیا چونکہ خدا کے نام سے آدم علیہ السلام کو محبت تھی تو آدم

علیہ السلام نے سوچا کہ خدا کا نام لے کر بھی بھلا کوئی جھوٹ بول سکتا ہے۔ فوراً پھل کھالیا، جوں ہی پھل کھانا تھا حضرت آدم اور حوا علیہا السلام کے جسم پہ جنت کا جو لباس تھا وہ اتر گیا، اور قرآن کریم میں ہے اب دونوں نے درخت کے پتوں سے اپنے جسم کو ڈھانپنا شروع کیا۔

شیطانی دھوکہ...... انسانیت ننگی ہو رہی ہے:

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب حضرت آدم اور حوا علیہا السلام کو شیطان نے دھوکہ دیا، ﴿فَدَلّٰـهُمَا بِغُرُوْرٍ﴾

جب دھوکہ دیا تو سب سے پہلا کام کیا کروایا، ان کو پھل کھلوایا پھل کھانے سے ان کے کپڑے اتر گئے، اس وقت بھی شیطان نے پہلا دھوکہ دے کے کپڑے اتروائے، اب بھی جب شیطان دھوکہ دیتا ہے تو انسانیت کو ننگا کر دیتا ہے۔ پہلا حملہ شیطان کا یہ ہوگا کہ ان کے لباس چھوٹے کرو، مختصر کرو، آہستہ آہستہ ننگا کروادو، یہ شیطان کے حملوں کا حصہ ہے۔

آدم علیہ السلام شیطانی دھوکے کا شکار کیوں ہوئے؟:

آدم علیہ السلام کے سامنے اس نے خدا کا نام لیا نیک آدمی تھے فورا نام سنا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر بھی کوئی جھوٹ بول سکتا ہے ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔

ہمارے ہاں ایک واقعہ لکھا ہے کہ بادشاہ عالمگیر رحمہ اللہ کے دور میں ملا جیون رحمہ اللہ بہت بڑے آدمی تھے، ان کی کتابیں ہمارے ہاں درس نظامی میں شامل ہیں، نیک بھی تھے، عالم بھی تھے، متقی بھی تھے، ان کے پاس ایک بندہ آیا اس نے آکر کہا کہ حضرت یہ جو سامنے دریا ہے نا اس پر جو پل ہے عالم گیر بادشاہ اس کو یہاں سے اکھاڑ کر کہیں اور لے جانا چاہتا ہے، اگر وہاں لے کر چلا گیا تو ہمارا بہت نقصان ہوگا، آپ جائیں اور عالم گیر سے سفارش کریں کہ یہاں سے پل اٹھا کر وہاں نہ لے جائے،

حضرت جانے لگے شاگردوں نے کہا بھئی کدھر جارہے ہو، شاگردوں سے کہا کہ ایک غریب آدمی آیا ہوا تھا کہ بادشاہ پل یہاں سے اکھاڑ کر وہاں لے جارہا ہے، تو میں چاہتا ہوں کہ جاکر عالمگیر سے سفارش کروں ان بے چاروں کا نقصان نہ ہو۔

انہوں نے کہا حضرت قبلہ آپ بھی عجیب آدمی ہیں کبھی پل بھی اٹھا کر بدل سکتے ہیں؟ کہ ادھر سے اٹھائیں اور وہاں لے جائیں۔ اب حضرت ملا جیون رحمہ اللہ کا جواب سنو فرمانے لگے یہ تو ہو سکتا ہے کہ پل بدل جائے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ مسلمان بدل جائے، مسلمان کیسے جھوٹ بول سکتا ہے؟ اس لیے میں جارہا ہوں سفارش کرنے کے لیے۔ جو آدمی نیک ہوتا ہے وہ دوسروں کو نیک سمجھتا ہے۔

جھوٹی قسم شیطانی خصلت اور منافق کی عادت:

آدم علیہ السلام بھی سمجھتے تھے کہ خدا کا نام لے کر کوئی جھوٹ نہیں بول سکتا، ابلیس نے خدا کا نام لے کر قسم کھائی تو آدم علیہ السلام نے اعتبار کر لیا، پتا چلا کہ منافق قسم کھا کر بات کریں، تو بھی اعتبار کبھی نہیں کرنا۔ اس لیے منافق کی علامت یہ ہے کہ منافق بات بات پر قسم کھاتا ہے، اور مسلمان سمجھتا ہے کہ بھئی اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کون جھوٹ بول سکتا ہے۔

جنت سے زمین کی طرف کا سفر:

اس ابلیس نے ان کو دھوکہ دیا آدم اور حوا دونوں کو جنت سے نکال دیا گیا، یہ دونوں روتے رہے چالیس سال تک روتے رہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو حج پہ لے جائے۔ ادھر میدان عرفات میں جاتے ہیں دعائیں مانگتے ہیں۔

میدان عرفات کا نام عرفات کیوں؟:

میدان عرفات، عرفات یہ معرفت سے ہے، معرفت کا معنی پہچاننا ہے، حضرت آدم اور حوا اس میدان میں جمع ہوئے، ایک دوسرے کو پہچان لیا اس میدان کا

نام میدان عرفات ہے، پہچاننے کی جگہ وہاں جاکر بندہ خدا سے دعائیں مانگتا ہے۔

آدم و حوا علیہما السلام کی دعا:

آدم اور حوا علیہما السلام نے چالیس سال تک دعائیں مانگی ہیں:

﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾﴾

منکرینِ وسیلہ کا استدلال:

بعض لوگ یہ آیت پڑھتے ہیں اور آیت پڑھ کر دھوکہ دیتے ہیں، میں اس دھوکہ کو صاف کرنے لگا ہوں، میں نے اپنے کانوں سے بیان سنا ایک مولانا بیان فرمارہے تھے کہ دیکھو آدم اور حوا علیہما السلام دونوں نے یہ دعا مانگی ہے: ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾﴾ کسی نبی کا وسیلہ دے کر تو دعا نہیں مانگی نا، جب آدم اور حوا نے وسیلہ دے کر دعا نہیں مانگی، تو تم وسیلے دے کر دعائیں کیوں مانگتے ہو؟

منکرین وسیلہ کو مدلل جواب:

میں نے کہا: قبلہ! تم نے قرآن کریم تو پڑھا ہے ساتھ حدیث بھی تو پڑھ لیتے، مستدرک علی الصحیحین میں ہے، امام حاکم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: "يَا رَبِّ أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لِمَا غَفَرْتَ لِي" اے اللہ! میں آپ کو محمد کا واسطہ دے کر دعا مانگتا ہوں کہ میرے گناہ کو معاف کر دیں۔ اے اللہ! میں محمد کا وسیلہ دے کر دعا مانگتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے پوچھا: "وَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ أَخْلُقْهُ؟" میں نے تو حضرت محمد کو پیدا نہیں کیا اے آدم آپ نے محمد کو کیسے پہچان لیا ہے؟

انہوں نے کہا: "لِأَنَّكَ لَمَّا خَلَقْتَنِي بِيَدِكَ" اے اللہ! جب آپ نے مجھے پیدا فرمایا، "وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوحِكَ" اے اللہ! اس وقت جب آپ نے میرے بدن میں روح کو ڈالا ہے، "رَفَعْتُ رَأْسِي" میں نے سر اٹھایا، "فَرَأَيْتُ عَلَى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوبًا لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ" میں نے عرش کے پاؤں میں لکھا ہوا دیکھا "لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ"، مجھے اس وقت یقین آ گیا "فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تُضِفْ إِلَى اسْمِكَ إِلَّا أَحَبَّ الْخَلْقِ إِلَيْكَ" اپنے نام کے ساتھ اسی کا نام آپ لکھتے ہیں جو آپ کو پوری کائنات میں محبوب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "صَدَقْتَ يَا آدَمُ" آدم! آپ نے بالکل ٹھیک کہا ہے، "إِنَّهُ لَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَيَّ" پوری مخلوق میں میرا محمد مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، "أُدْعُنِي بِحَقِّهِ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ" تو نے میرے محمد کا وسیلہ دے کر مانگا ہے تو میں نے تجھے معاف کر دیا ہے۔ "وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ" اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا ہی نہ کرتا۔[130]

ہم قرآن وحدیث دونوں کو مانتے ہیں:

میں نے کہا ہم منکر حدیث تو نہیں کہ قرآن لے لیں اور حدیث چھوڑیں، ہم قرآن والی دعا بھی مانتے ہیں اور حدیث والی دعا بھی مانتے ہیں۔ وسیلہ دیں تو بھی ٹھیک ہے اور وسیلہ نہ دیں تو بھی ٹھیک ہے، لیکن وسیلہ کا انکار تو نہ کریں۔

درس قرآن کی آڑ میں احادیث کا انکار:

بعض لوگ یوں قرآن پڑھ کر دھوکہ دیتے ہیں اور لوگ کیا کہتے ہیں ماشاءاللہ جی بڑا درس قرآن ہے۔ کیوں؟ حدیثوں کا انکار ہے! یہ کون سا درسِ قرآن

130۔ المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ج3 ص517 رقم الحدیث 4286

ہے جس میں حدیثوں کا انکار کر دیا جائے۔ ہم قرآن بھی مانتے ہیں اور ہم احادیث بھی مانتے ہیں، اور یاد رکھیں کوئی قرآن کا انکار کرے تب بھی ایمان ختم ہوتا ہے اور کوئی حدیث کا انکار کرے تب بھی ایمان ختم ہوتا ہے، تو ایک دعا قرآن میں ہے اور ایک دعا حدیث میں ہے، ہم قرآن والی دعا بھی مانتے ہیں اور حدیث والی دعا بھی مانتے ہیں، دونوں مانتے ہیں۔

نماز کا ادب:

﴿یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ وَّ کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا وَ لَا تُسۡرِفُوۡا ۚ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ﴿۳۱﴾﴾

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نماز کا ادب بیان فرمایا۔ فرمایا کہ جب تم نماز پڑھنے لگو اور نماز پڑھنے کے لیے مسجد جانے لگو تو: ﴿یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ﴾ فرمایا: تم لباس اچھا پہننا، صرف یہ نہیں فرمایا کہ لباس پہننا، بلکہ فرمایا لباس اچھا پہننا، ﴿کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا﴾ کھایا بھی کرو اور پیا بھی کرو، ﴿وَ لَا تُسۡرِفُوۡا﴾ لیکن اعتدال سے بڑھا نہ کرو، میں دونوں لفظوں پہ بات کرتا ہوں۔

﴿خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ﴾ جب نماز کے لیے جاؤ، ﴿عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ﴾ مسجد سے مراد "صلوٰۃ" ہے، جب نماز پڑھنے کے لیے جاؤ تو کپڑا کون سا پہنو؟ صرف لباس یا اچھا لباس؟ [اچھا لباس۔ سامعین] صرف لباس نہیں بلکہ اچھا لباس پہننا ہے۔

ہمارے مزاج اور فقہی مسئلہ:

اس لیے فقہاء نے لکھا ہے اگر لباس اچھا نہ ہو اور آدمی نماز پڑھے ایسے لباس سے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ ہمارے ہاں مزاج کیا ہے، جو لباس رات کو پہن کے سوتے ہیں صبح اسی لباس کے ساتھ مسجد میں جاتے ہیں، نماز پڑھ لیتے ہیں، اور جب دفتر جاتے

ہیں تو لباس بدل لیتے ہیں، ایسے لباس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے جس لباس کو پہنتے ہوئے مجمع میں جانے سے آپ کو شرم محسوس ہو۔

اچھا لباس کب پہنیں؟:

بڑا تعجب ہوتا ہے ہم فجر میں اٹھتے ہیں اور کپڑے بالکل تیار ہیں پھر بھی نہیں پہنتے۔ کہتے ہیں میں ذرا نماز پڑھ آؤں، نماز پڑھ لی اب ناشتہ کرنا ہے، ناشتہ کیا پھر کہے گا ذرا کپڑا لے آ، مجھے اب بازار جانا ہے۔ بھئی کدھر جانا ہے؟ شادی میں، میں ذرا نماز پڑھ لوں پھر کپڑے بدلتا ہوں، کیونکہ وضو کرتے ہیں پھر خراب ہو جاتے ہیں، عجیب بات نہیں ہے!

قرآنی حکم:

میں اس لیے کہتا ہوں کہ قرآن سمجھ لیا کریں، ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ صرف لباس نہیں پہننا بلکہ زینت والا لباس پہننا ہے۔

لباس کی دو بنیادی خوبیاں:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا﴾

کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں لباس عطا کیا ہے نا، اس میں دو خوبیاں ہیں:

نمبر 1: ﴿يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ﴾ ستر عورت جس سے پردہ پوشی ہو۔

نمبر 2: ﴿رِيْشًا﴾ لباس زینت کا ذریعہ ہو۔

پردہ پوشی بھی ہو اور زینت بھی ہو۔ نماز میں پردہ پوشی کا بھی خیال کرو اور زینت کا بھی خیال کرو۔ اللہ تعالیٰ کے دربار سے دنیا کا کون سا دربار بہتر ہے؟ اس لیے میری آپ سے گزارش ہے کہ یہ نیت کریں کہ جب مسجد میں آئیں گے تو اچھے سے

اچھا لباس پہن کر آئیں گے۔

مسجد کے آداب:

مسجد میں آئیں تو خوشبو لگا کر آؤ خوشبو کوئی مہنگی تو نہیں ہے، بہت زیادہ مہنگی خوشبو نہیں خرید سکتے تو سستی ہی خرید لو، دو تین مہینے نکل جاتے ہیں، آدمی اچھی خوشبو کا اہتمام کرے۔

قرآن سے ماخوذ ایک فقہی اصول:

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا﴾ کھاؤ اور پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو، مفتی شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے فرمایا کھاؤ، اور پیو یہ نہیں فرمایا کہ کیا کھاؤ اور کیا پیو، کیوں؟ فرماتے ہیں کہ یہاں سے ایک اصول نکلا، میں گرائمر کی اور تفصیلی بات نہیں کرتا، اصول یہ نکلا ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا کھاؤ یہ نہیں فرمایا کیا کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پیو یہ نہیں فرمایا کہ کیا پیو۔ اس سے اصول یہ نکلا کہ تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے، تمام اشیاء میں اصل جواز ہے، تمام اشیاء ایمان والوں کے لیے حلال ہیں، حلال پر دلیل نہیں چاہیے، حرام پر دلیل چاہیے۔

تقویٰ کا ہیضہ:

بعض لوگ متقی نہیں ہوتے بلکہ ان کو تقویٰ کا ہیضہ ہوتا ہے۔ وہ بلاوجہ بعض حلال چیزوں کو بھی حرام کہتے ہیں۔ تو حلال چیزوں کو حرام نہ کہو، تمام اشیاء میں اصل جواز، حلت، اور اباحت ہے۔ حرام پر دلیل چاہیے، حلال پر دلیل نہیں چاہیے۔

دنیا میں جتنی بھی چیزیں خدا نے پیدا کی ہیں وہ سب انسانوں کے لیے حلال ہیں، اور جو جو حرام ہیں، خنزیر سے بچو حرام ہے، دم مسفوح سے بچو حرام ہے، مردار سے بچو حرام ہے۔ فلاں چیز سے بچو جو حرام ہے، تو جو جو چیزیں حرام تھیں سب بتادیں

اور ان سب کے علاوہ بقیہ حلال ہیں۔ اس لیے جب تک حرمت پہ دلیل نہ ہو تو بلاوجہ چیزوں کو حرام نہ کہا کرو۔

شریعت کا مزاج ...... عہد فاروقی کا ایک واقعہ:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ ایک جنگل کے ساتھ گزر رہے تھے۔ جنگل میں پانی موجود نہیں تھا، ایک جگہ پر پہنچے وہاں پر پانی مل گیا، پانی کھڑا ہوا تھا، صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کو ضرورت تھی کہ وضو کریں اور پانی پییں، ایک دیہاتی آدمی وہاں جنگل میں تھا ایک صحابی نے آواز لگا کر پوچھنے لگے بھائی ہماری ایک بات سنو، اس نے کہا وہ کیا؟ تو اس صحابی نے کہا ہمیں یہ بتاؤ اس پانی سے درندے پانی تو نہیں پیتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا انہیں نہ بتانا فرمایا بھئی جب چیز خدا نے حلال دی ہے، تو تم بلاوجہ پوچھ کر حرام کیوں کرتے ہو؟ تمہیں پانی کی ضرورت تھی تمہیں مل گیا، اور تم نے تفتیش شروع کر دی ہے۔ پانی کا استعمال شروع کر دو اگر کوئی بندہ کہے کہ درندہ منہ ڈالتا ہے تو چھوڑ دینا، جب تک نہ کہیں استعمال کرنا۔

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سوچ ہے، یہ بات آپ کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی اس لیے کہ آپ کو گھر میں پانی تازہ مل جاتا ہے، گھر میں نہ ملے اور ضرورت پڑے تو آپ کو باہر بازار سے پانی مل جائے گا۔ پانی نہ ملے نا تو اس وقت سمجھ آتا ہے شریعت کے اس مسئلے کی حقیقت کیا ہے۔ بسا اوقات بندہ کو مال ملتا ہے نا تو بندے کو یہ مثالیں سمجھ نہیں آتیں۔

بھوکا کیوں مانگتا ہے؟:

کہتے ہیں کہ ایک گاڑی جا رہی تھی۔ ٹریفک سگنل پر گاڑی رکی، ایک مانگنے والا آیا کہ مجھے کچھ دے دو روٹی کھانی ہے، اب بچہ اپنے باپ سے پوچھتا ہے، یہ کیا کہتا

ہے؟ اس نے کہا بیٹا یہ پیسے مانگتا ہے، بیٹے نے کہا یہ کیوں مانگتا ہے؟ کہا بیٹا اس کو بھوک لگی ہے روٹی کھانے کے لیے مانگ رہا ہے۔ تو بیٹے نے کہا ابو پھر پر اٹھے کھالے مانگتا کیوں ہے؟ اس نے کہا بیٹا تو ٹھیک کہتا ہے!

جب آدمی منرل واٹر کے علاوہ کوئی پانی ہی نہ پیتا ہو اس کو یہ بات کیا سمجھ آئے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مت بتاؤ، پانی استعمال کرو جب کوئی کہے گا درندے منہ ڈالتے ہیں تو پھر چھوڑ دینا۔ یہ اس کو سمجھ نہیں آتی جو صبح اور شام منرل واٹر پیتا ہو۔

اعتدال کا کیا مطلب؟:

میں کہہ رہا تھا: ﴿وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اعتدال کا خیال کرو۔ اعتدال کا کیا مطلب؟ فقہائے کرام نے ایک مسئلہ لکھا ہے کہ کھانے کا ایک لقمہ جس کے بارے میں آپ کو پتا ہو کہ یہ بیماری کا سبب بنتا ہے اس ایک لقمہ کا کھانا حرام ہے۔ یہ ہے: ﴿وَ لَا تُسْرِفُوْا﴾ اور جب یہ خدشہ نہ ہو تو آپ جتنا کھا سکتے ہو کھالو اس پر شریعت آپ کو منع نہیں کرتی اور پابندی بھی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر جگہ پر موجود ہیں:

﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۫ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا ۙ وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۴﴾﴾

ہمارا اہل السنۃ والجماعۃ کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض ہر جگہ پر ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ پر ہے۔ یہ ہمارا نظریہ ہے۔

جب اللہ عرش پر مستوی ہیں تو......؟:

بعض لوگ کہتے ہیں نہیں اللہ کی ذات ہر جگہ پر نہیں، وہ سورۃ الاعراف کی آیت ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ بطور دلیل آپ کے سامنے پیش کریں گے، بھئی اگر اللہ ہر جگہ پر ہیں تو قرآن نے کیوں کہا: ﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ اللہ عرش پر مستوی ہے اگر ہر جگہ پر ہے تو عرش پر مستوی کیسے ہے؟

جواب:

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ پر ہیں۔ تو بتاؤ جب ہر جگہ پر ہیں تو عرش پر بھی ہیں؟ [جی ہاں۔ سامعین] تو یہ آیت ہماری دلیل یا ہمارے خلاف بنے گی؟ یہ آیت ہمارے عقیدہ ہر جگہ ہونے کے خلاف ہے؟ [نہیں۔ سامعین] جب ہر جگہ ہیں تو عرش پر بھی ہیں۔ تو یہ آیت ہمارے خلاف نہیں یہ تو ہماری دلیل ہے۔ پھر ایک بندہ آپ سے کہے گا کہ جب اللہ ہر جگہ پر ہے تو اللہ تعالی نے کیوں فرمایا: ﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ اللہ مستوی علی العرش ہے اللہ تعالیٰ اتنا کہہ دیتے کہ اللہ ہر جگہ پر ہے؟

اللہ کے ہر جگہ ہونے پر قرآنی دلائل:

اور دلائل قرآن کریم میں موجود ہیں کہ خدا تعالیٰ ہر جگہ پر ہیں۔

[1]: ﴿وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ

وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾[131]

مشرق بھی اللہ کا اور مغرب بھی اللہ کا، تم جدھر رخ پھیر و گے وہاں اللہ تعالیٰ موجود ہیں۔

[2]: قرآن کریم میں ہے: ﴿مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ﴾ تم تین ہو تو چوتھا اللہ ہے، ﴿وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ﴾، تم پانچ ہو تو چھٹا اللہ ہے، ﴿وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا﴾[132] تم کم ہو یا زیادہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔

[3]: قرآن کریم میں ہے: ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ﴾[133] میرے پیغمبر! اگر میرے بندے پوچھیں کہ میں کہاں ہوں؟ انہیں بتاؤ خدا قریب ہیں۔ اگر پوچھیں کتنا قریب ہیں؟ تو بتانا: ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾﴾[134] تمہارے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں۔

اللہ شہ رگ سے زیادہ قریب کیسے ہیں؟:

ذرا اس میں ایک نکتہ سمجھنا، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ لامثال ہیں، خدا کی مثال دے نہیں سکتے، لیکن اگر میں تمہیں

131۔البقرۃ2:115

132۔المجادلۃ58:7

133۔البقرۃ2:186

134۔ق50:16

مثال نہ دوں تو آپ لوگ بات کو سمجھیں گے نہیں، یہ حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے لفظ ہیں۔ فرمایا مثال سمجھو!

اللہ تعالیٰ شہہ رگ سے زیادہ قریب ہیں اس کی مثال کیا ہے، ایک کاغذ دوسرے کاغذ سے ملا ہے، اور درمیان میں گوند لگی ہے، کاغذ کاغذ سے ملا بواسطہ گوند ہے، اور گوند کاغذ سے ملی بلاواسطہ ہے، فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں، ایک بندہ اور ایک بندہ کی شہ رگ ہیں، بندہ اور شہ رگ آپس میں ملے ہیں لیکن بواسطہ خدا ملے ہیں، اگر خدا نہ ہو تو یہ شہ رگ اور بندہ مل سکتے ہی نہیں ہے، اگر دو کاغذوں کے درمیان گوند نہ ہو دونوں کاغذ ایک دوسرے سے مل سکتے ہی نہیں ہیں، تو جس طرح گوند کاغذ سے بلاواسطہ ملتی ہے، کاغذ اور کاغذ آپس میں بواسطہ گوند ملتے ہیں، اسی طرح شہ رگ بندے سے بواسطہءِ خدا ملتی ہے۔ اور خدا شہ رگ سے بلاواسطہ ملتا ہے۔﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾﴾ اللہ تعالیٰ شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔

مستوی ہونے کا مطلب:

میں سوال کا جواب دے رہا تھا کہ جب اللہ ہر جگہ پر ہیں تو مستوی علی العرش کیوں فرمایا؟ اس کا جواب سمجھنا مستوی کا معنی ہے کہ اللہ تعالی عرش پہ غالب ہے۔ یہ کیوں فرمایا، میں مثال دوں گا تو بات سمجھ آئے گی، ایک بچے کے باپ کے پاس سائیکل ہے اور دوسرے بچے کے باپ کے پاس سائیکل اور موٹر سائیکل ہیں، اور تیسرے لڑکے کے باپ کے پاس سائیکل، موٹر سائیکل اور گاڑی تینوں ہیں۔

ایک کہتا ہے میرے ابو کے پاس سائیکل ہے اور دوسرا کہتا ہے میرے ابو کے پاس اسکوٹر ہے اور تیسرا کہتا ہے میرے ابو کے پاس کار ہے۔ اب دیکھو کار تو کہتا ہے یہ سائیکل اور موٹر سائیکل کی بات نہیں کرتا، کیوں؟ بھئی سائیکل اور موٹر سائیکل

توان کے پاس بھی ہے لیکن کار توان کے پاس نہیں تھی نا! اس لیے اس نے کار کا نام لیا، سائیکل اور موٹر سائیکل کا نام نہیں لیا۔

ظاہری ملکیت اور حقیقی ملکیت:

اللہ تعالیٰ فرمائیں مکان میرا ہے، کوئی بندہ کہہ دے گا نہیں مکان میرا ہے، ظاہری ملک تو میری ہے نا! اللہ تعالیٰ فرمائیں پانی میرا ہے، کوئی بندہ کہہ دے گا ایک تالاب میرے پاس بھی تو ہے، ظاہری ملک تو اس کی ہے نا! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کائنات کا مالک میں ہوں، ایک بندہ کہتا ہے کہ پلازے کا مالک میں ہوں، کچھ تو بتائے گا! خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔ بلکہ فرمایا: ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ تم زمین کی بات کرتے ہو میرا تو عرش پر بھی غلبہ ہے۔

اور یہ صاحب یہ عقیدہ بنا کر بیٹھا ہے کہ خدا عرش پہ رہتا ہے (العیاذ باللہ) اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ عرش پہ ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پہ غالب ہیں، اللہ تعالیٰ کی عرش پہ حکومت ہے۔

فرعونی تدبیریں ناکام ہو گئیں:

﴿وَ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿١٢٠﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢١﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿١٢٢﴾﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعلان نبوت فرمایا، توحید کا اعلان فرمایا، فرعون اور اس کے درباری بہت پریشان ہیں کہ یہ جادوگر ہیں۔ کیوں؟ انہوں نے معجزہ کو جب دیکھا تو اس کو جادو کہہ دیا، حضرت موسی علیہ السلام نے فرمایا تمام جادوگروں کو جمع کرو ہم مقابلہ کر لیتے ہیں، ادھر سے ستر ہزار جادوگر ہیں ادھر موسی علیہ السلام اکیلے مقابلے میں کھڑے ہیں۔ انہوں نے رسیاں پھینکیں وہ سانپ بنے نہیں ہیں، لیکن

سانپ نظر آئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی پھینکی ہے، وہ سانپ نظر نہیں آیا ہے بلکہ سانپ بنا ہے۔ اس نے سب کچھ ہڑپ کر لیا۔

قرآن کریم میں ہے جتنے جادوگر تھے وہ سمجھتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کا جادو نہیں ہے، جادو والا سمجھتا ہے، یہ سامنے معجزہ ہے۔

جب جادوگر ایمان لے آئے:

قرآن نے کہا:﴿وَ اُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ﴿۱۲۰﴾﴾

وہ سارے جادوگر جو تھے سب سجدے میں گر گئے۔ سورۃ الاعراف میں ہے

ان جادوگروں نے کہا: ﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۱﴾﴾ ہم رب العلمین پر ایمان لاتے ہیں۔ آگے فرمایا:﴿رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾﴾ موسیٰ اور ہاورن کے رب پر ایمان لائے ہیں۔ صرف اتنا کیوں نہیں کہا کہ رب العلمین پر ایمان لائے ہیں؟ یہ کیوں کہا موسی اور ہارون کے رب پر ایمان لاتے ہیں؟

اگر وہ صرف کہتے کہ رب العلمین پر ایمان لائے ہیں تو فرعون کہتا رب العلمین تو میں ہوں! دیکھو مجھے یہ بھی مان گئے ہیں، کہا نہیں نہیں ہم اس رب العلمین پر ایمان لائے ہیں جو ہارون اور موسیٰ علیہما السلام کا رب ہے۔ ہم تجھے نہیں مانتے اسے مانتے ہیں۔

بسا اوقات وضاحتی بیان دینا ضروری ہوتا ہے:

جب وضاحت کرنی پڑے پھر مسئلہ کھول کے بیان کرنا اگر نہیں کھولو گے تو الجھن ہو گی، اگر وہ درباری کہتے :﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ رب العلمین پر ایمان لائے ہیں، فرعون کہتا یہ میرے ہیں، انہوں نے کہا نہ صرف رب العلمین نہیں بلکہ ﴿رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ﴾ کہہ کر بتایا ہم تیرے نہیں ہم موسیٰ اور ھارون کے ہیں۔

ہم تیرے گروپ کے نہیں فلاں گروپ کے ہیں۔

معراج جسمانی تھا محض روحانی نہیں:

اھل السنۃ والجماعۃ کا نظریہ یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں معراج جسمانی نہیں روحانی ہوئی ہے، آپ کہیں کہ نہیں نہیں ہم صرف معراج نہیں کہتے بلکہ ہم معراج جسمانی کہتے ہیں تاکہ الجھن ختم ہو جائے کہ ہم کون ہیں۔

حیات النبی کا شفاف عقیدہ:

الحمد للہ آج فضا بدل گئی ہے وہ لوگ بھی کہتے ہیں ہم بھی تو حیات کے قائل ہیں ہم کون سے منکر ہیں؟ آپ ان سے پوچھیں کہ تم کون سی حیات کو مانتے ہو؟ حضور کا زمین والا جسم زندہ مانتے ہو یا صرف روح کو زندہ مانتے ہو؟ وہ کہے گا نہیں نہیں میں زندگی مانتا ہوں لیکن برزخی۔ آپ کہیں برزخی تو میں بھی مانتا ہوں۔ جھگڑا یہ نہیں ہے کہ برزخ میں زندہ ہیں۔ یہ بتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح زندہ ہے یا جسم زندہ ہے؟ کہے گا جی روح۔ ہم نے کہا تو ہمارا نہیں ہے، ہم کہتے ہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم برزخ میں زندہ ہیں صرف روح نہیں بلکہ جسد مبارک بھی زندہ ہے۔

جیسے فرعون کے دربار میں ستر ہزار جادوگروں نے یہ نہیں کہا: ﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ رب العلمین کہتے تو فرعون کہتا یہ میرے ہیں۔ بلکہ کہا: ﴿رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ﴾ اسی طرح ہم بھی صرف برزخی نہیں کہتے بلکہ برزخ کے ساتھ دنیا والے جسم کو بھی زندہ مانتے ہیں۔

حیات جسمانی اور حیات برزخی:

کوئی بندہ برزخی مانے اور دنیاوی جسم کو زندہ نہ مانے وہ حیاتی نہیں ہے، وہ

حیات کا قائل نہیں ہے وہ تمہیں دھوکہ دیتا ہے، اس لیے وہ تمہیں کہے گا حیات یہ بھی مانتا ہے اور میں بھی مانتا ہوں، یہ حیات ادنیٰ مانتے ہیں ہم اعلی مانتے ہیں۔

آپ متاثر نہ ہونا کہ علامہ صاحب نے بڑی دلیل دی ہے، یہ حیات ادنیٰ مانتا ہے اور ہم اعلیٰ مانتے ہیں، اعلیٰ کون سی ہے؟ کہتے ہیں ہم تو حضور کو جنت الفردوس میں زندہ مانتے ہیں، اوپر مانتے ہیں۔ ہم نے کہا حضور تو نیچے ہیں اوپر تو کیسے زندہ مانتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اوپر ہیں یا مدینہ میں ہیں؟ [مدینہ میں ہیں۔ سامعین] تو اوپر کیسے زندہ مانتا ہے؟ دیکھو جی دھوکہ کتنا ہے؟ ہم تو اعلیٰ زندگی مانتے ہیں اور یہ ادنیٰ زندگی مانتے ہیں۔

اہل السنت والجماعت کا عقیدہ:

ہم جنت الفردوس میں مانتے ہیں اور یہ روضہ میں مانتے ہیں۔ ہم نے کہا نہ جہاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر ہے اس قبر کے مٹی کے ذرے جو حضور کے وجود سے ملے ہیں وہ جنت الفردوس سے بھی اعلیٰ ہیں۔ اعلیٰ یہ نہیں ہے کہ اوپر مان، اعلی یہ ہے کہ وہاں مان جہاں حضور رہتے ہیں۔ اس دھوکے میں مت پڑو۔

﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾﴾ انہوں نے کہا: ہم موسیٰ کے رب پر ایمان لائے ہیں۔ صرف رب العٰلمین نہیں کہا۔ صرف رب العٰلمین کہتے تو فرعون نے دھوکہ دینا تھا۔ اسی طرح اگر تم برزخی حیات کہو گے تمہیں مماتی نے دھوکہ دینا ہے۔ اس لیے کہو ہم حضور کو زندہ مانتے ہیں لیکن زمینی قبر روضہ مبارک میں زندہ مانتے ہیں۔

عملی زندگی میں عقیدہ حیات النبی کی اہمیت:

ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مولانا صاحب اگر زندہ نہ مانیں تو اس سے عملی زندگی میں کیا فرق پڑتا ہے؟ پریکٹیکل لائف میں کیا فرق پڑتا ہے؟ میں

نے کہا اگر تمہیں پتا ہو کہ تمہارے ادارے کو باس چیک کرتا ہے، اور یہ پتا ہو کہ چیک نہیں کرتا، فرق پڑتا ہے کہ نہیں؟ کسی شاپ کو ہیڈ کوارٹر کو چیک کرتا ہو تو فرق پڑتا ہے کہ نہیں پڑتا؟ یہ پتا ہو کہ اعمال پیش ہوتے ہیں اور یہ پتا نہ ہو کہ اعمال پیش ہوتے ہیں فرق پڑے گا کہ نہیں؟ فرق تو پڑتا ہے!

عرضِ اعمال کا عقیدہ:

جب عقیدہ ہو کہ سوموار کو میرے اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت پیش ہونے ہیں، تو حیا بھی کروں گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ ہو۔ میں نے کہا کیوں فرق نہیں پڑتا؟ تو اپنے گھر جائیں اور آپ کے والد صاحب بہرے ہوں تب سلام کرنے کا مزہ آتا ہے یا سنتے ہوں تو مزہ آتا ہے؟

کہتا ہے سنتے ہیں تب مزہ آتا ہے۔ میں نے کہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پہ جائے اور تیرا عقیدہ ہو کہ نہیں سنتے تجھے سلام میں لطف کیا آنا ہے؟ لطف تب آئے گا جب یہ عقیدہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔ کہنے لگا جواب دیتے ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں! کہتا ہے ہم سنتے نہیں ہیں؟ میں نے کہا بھئی ہر کسی کو سنائی نہیں دیتا۔

حضرت مدنی کا عقیدہ:

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ گئے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پہ اور کہتے ہیں "اَلسَّلَامُ عَلَيۡكَ يَا جَدِّیۡ!" روضے سے جواب آتا ہیں "وَعَلَيۡكَ السَّلَامُ يَا وَلَدِیۡ!" تجھے اور مجھے جواب سنائی نہ دے اس کا مطلب یہ ہے کہ سنتے ہی نہیں ہیں؟ بھئی ہمیں آواز آئے تب بھی سنتے ہیں اور اگر ہمیں آواز نہ آئے تب بھی سنتے ہیں۔

سماع باری تعالیٰ اور سماع النبی:

آپ ایک بار کہیں "اللہ" کیا اللہ تعالیٰ نے سنا؟ اور جواب بھی دیا؟ جب آپ کو سنائی نہیں دیا تو کہہ دیں اللہ نہیں سنتا! کیونکہ ہم نے جو نہیں سنا، ہم خدا تعالیٰ کا نام بھی لیتے ہیں اور خدا تعالیٰ جواب بھی دیتے ہیں، ہم نہیں سنتے اس کا مطلب کیا یہ ہے کہ خدا نے جواب ہی نہیں دیا؟

درود پڑھنے کا لطف کب آئے گا؟:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پہ درود پڑھ اس نیت سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں، پھر دیکھ پڑھنے کا مزہ کتنا آتا ہے۔ تیرے آنکھ سے آنسو نکلے جب یہ ذہن تو ہو نا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روضے میں سنتے ہیں۔ میں نے کہا جب سنتے نہیں تو وہاں جاتا کیوں ہے؟

روضہ پر صلوٰۃ وسلام:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پہ جا کر "اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیۡكَ یَارَسُوۡلَ اللہِ" کہنا ہے۔ چلو اس کو اگر تو نہیں مانتا صرف سلام کو مانتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پہ جا کر کہے: اَلسَّلَامُ عَلَیۡكَ؟ کہتا ہے جی مانتا ہوں۔ میں نے کہا جب سنتے نہیں تیرے عقیدے کے مطابق تو کیوں مانتا ہے؟ تو کہتا ہے جی یہ تو دعا ہے۔ میں نے کہا پھر روضہ پہ نہ جانا، دعا ادھر سے مانگ لے ادھر منہ کر اور کہہ دے "اَلسَّلَامُ عَلَیۡكَ" لوگ پوچھیں کیوں؟ کہو جی یہ تو دعا ہی ہے وہاں کے بجائے میں نے یہاں مانگ لی ہے۔ تو کہہ پھر ہمیں پتا چلے تجھ میں اور ان میں کیا فرق ہے۔

خوش بختوں کو جواب بھی سنائی دیتا ہے:

کہنے لگا اگر سنتے ہیں تو جواب کیوں نہیں سنائی دیتا؟ تو میں نے کہا حضرت

حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر گئے ہیں، سلام کیا:

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا جَدِّيْ!" جواب آیا: "وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا وَلَدِيْ!"

آپ نے اللہ اکبر کہا اللہ نے سنا؛ یا نہیں سنا؟ جواب دیا؛ یا نہیں؟ آپ نے سنا نہیں تو اس کا کیا مطلب ہے انہوں نے جواب ہی نہیں دیا؟

شریعت نہ ماننے والے جانوروں سے بدتر:

﴿وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾﴾

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر یہ بات نہیں مانتے یہ جانور کی طرح ہیں۔ آگے فرمایا نہیں نہیں بلکہ یہ جانور سے بھی بدتر ہیں۔ کیا اتنا کہنا کافی نہیں تھا کہ یہ جانور کی طرح ہیں بدتر کیوں فرمایا؟ اس کی وجہ ہے کہ انسان کی دو خصلتیں ہیں، ملکیت اور بہیمیت۔

مزاج انسانی میں دو صفتیں:

تو انسان کے مزاج میں اللہ نے دو صفتیں رکھی ہیں ایک مان کر چلنا اور ایک اپنی من مانی کرنا جانوروں کے مزاج میں ایک صفت ہے من مانی کرنا اور فرشتوں کے مزاج میں ایک صفت ہے مان کر چلنا اور انسان میں دونوں رکھی ہیں اور اختیار پورا دیا ہے کہ چاہے تو مان کر چلے اور چاہے تو اپنی من مانی کرے۔

حضرت یوسف اور زلیخا:

اس کے ساتھ ایک اور بات سمجھتے جایئے حضرت یوسف علیہ السلام پر

تم نے غلام کو دیکھا نہیں ہے اگر دیکھ لیتیں تو کبھی طعنہ نہ دیتیں۔ انہوں نے کہا کہ چلو دکھادو۔ زلیخانے دعوت کی اور دستر خوان بچھادیا۔

عالم الغیب صرف اللہ:

زلیخا نے کہا: ﴿اُخۡرُجۡ عَلَيۡهِنَّ﴾ آپ ذرا باہر تشریف لائیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام باہر آئے۔ نبی علم غیب نہیں جانتا ان کے علم میں نہیں کہ باہر کون سا تماشا لگا رکھا ہے۔ تو انہوں نے دستر خوان پر سے پھل اٹھائے ہوئے تھے چھریاں ہاتھ میں تھیں اس پر ابھی بات نہیں کرتا انہوں نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو کہا: ﴿مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيۡمٌ ﴿۳۱﴾﴾ یہ یوسف بشر نہیں ہے فرشتہ ہے حضرت یوسف علیہ السلام بشر تھے کہ فرشتہ؟

ماھذا بشرا کا جملہ:

انہوں نے کیا کہا بشر نہیں ہیں فرشتہ ہیں انہوں نے بات صحیح کہی تھی یا غلط؟ (غلط) تو اللہ کو انکی بات کی تردید کرنی چاہیے تھی اس کو بیان کیوں نہیں فرمارہے ہیں جب اس کو بیان کیا تو معلوم ہوا کہ ان کا جملہ ٹھیک تھا: ﴿مَا هٰذَا بَشَرًا﴾، اگر غلط ہوتا تو اللہ تعالی تردید کرتے اللہ نے تردید نہیں کی تو معلوم ہوا جملہ ٹھیک ہے۔

جملے کا صحیح مطلب:

جملے کا مطلب کیا ہے یہ سمجھیں انسان میں دو خصلتیں ہیں فرشتہ پن ڈنگر پن فرشتوں کے مزاج میں ایک ہی ہے مان کر چلنا اور جانوروں میں ایک ہے من مانی کرنا اور انسان کے مزاج میں دونوں ہیں اگر یہ من مانی کرے تو اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ یہ جانور ہے بلکہ جانور سے بھی بدتر ہے کیونکہ جانور کے مزاج میں مان کر چلنا تھا ہی نہیں انسان کے مزاج میں مان کر چلنا رکھا تھا لیکن پھر بھی من مانی کرے۔

جملے کی وضاحت ایک مثال سے:

مثلاً: آپ کی گاڑی ہے آپ نے پندرہ لاکھ کی لی ہے موٹروے پر جارہے ہیں اے سی نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے اور آپ کے ساتھ دوسری ایک گاڑی جارہی ہے تیرہ لاکھ کی جو نان اے سی ہے تو اب آپ کہتے ہیں کہ ہماری گاڑی تو نان اے سی سے بھی بدتر ہے کیونکہ اس میں تو اے سی تھا ہی نہیں لیکن اس میں تھا لیکن کام نہیں کررہا تو اسی طرح انسان کے مزاج میں من مانی کرنا بھی ہے اور مان کر چلنا بھی ہے اور جب یہ من مانی کرے تو جانور سے بھی بدتر ہے کیونکہ جانور کے مزاج میں مان کر چلنا تھا ہی نہیں اس کے مزاج میں تو مان کر چلنا تھا لیکن پھر بھی یہ من مانی کرتا ہے تو یہ جانور سے بھی بدتر ہے اب اس جملے پر چلیں جو ان عورتوں نے کہا تھا "ماھذا بشرا" کہ یوسف علیہ السلام بشر نہیں بلکہ فرشتہ ہیں اور صرف فرشتہ نہیں بلکہ کریم فرشتہ ہے۔

"معزز فرشتہ" کا مطلب:

عام فرشتہ نہیں بلکہ کریم فرشتہ ہے۔ کیا معنیٰ حضرت یوسف علیہ السلام انسان ہیں اس کے مزاج میں دونوں صفتیں ہیں مان کر چلنا بھی اور من مانی کرنا بھی تو ﴿مَا هٰذَا بَشَرًا﴾ کہ یہ وہ بشر نہیں ہے جو من مانی کرتا ہے بلکہ یہ وہ بشر ہے جو مان کر چلتا ہے مان کر چلے تو، "مَلَكٌ" ہے لیکن ملک وہ ہوتا ہے جس کے مزاج میں مان کر چلنا ہوتا ہے تو یہ انسان جب مان کر چلے تو فرشتہ اور اس کے مزاج میں من مانی ہے پھر بھی یہ مان کر چلے تو یہ ملک کریم ہے۔ اگر یہ من مانی کرے تو یہ جانور نہیں بلکہ یہ جانور سے بھی بدتر ہے کیونکہ جانور کے مزاج میں تو صرف من مانی ہے اور اس کے مزاج میں تو مان کر چلنا تھا لیکن یہ پھر بھی من مانی کرتا ہے تو یہ جانور سے بھی بدتر ہے انسان کے مزاج میں دونوں چیزیں ہیں اگر من مانی کرے تو یہ جانور سے بھی بدتر ہے اور اگر مان

کر چلے تو فرشتوں سے بھی آگے گزر جاتا ہے۔

نماز میں آمین آہستہ کہیں:

﴿وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾﴾

ہمارے ہاں مسئلہ ہے جب امام صاحب ﴿وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾﴾ کہے تو مقتدی آمین کہے آہستہ یا اونچی (آہستہ) آہستہ کہنے کی دلیل کیا ہے میں دلیل دینے لگا ہوں دیکھ لینا۔

شوافع کا اعتراف:

ہم آمین آہستہ کیوں کہتے ہیں؟ امام فخر الدین رازی، شافعی المسلک ہیں تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک بلند آواز سے آمین کہنا ہے لیکن اس کے باوجود یہ شافعی عالم لکھتے ہیں کہ جب امام ﴿وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾﴾ کہے تو مقتدی آمین آہستہ آواز سے کہے۔ دلیل قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ ہے اور یہ امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کا ساتھ دیتی ہے۔

آمین؛ دعا ہے یا اللہ کا نام ہے:

آمین ہے کیا؟ آمین یا تو دعا ہے یا اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔

[1]: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"آمِيْنَ" اِسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ" 135

آمین اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

135۔ مصنف عبد الرزاق: ج2 ص64 رقم الحدیث 2653

[2]: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَقَالَ عَطَاءٌ: آمِينَ دُعَاءٌ" [136]

امام عطاء رحمہ اللہ جلیل القدر تابعی ہیں، انہوں نے فرمایا: آمین دعا ہے۔

اب یہ دعا ہو یا ذکر، ہر دو صورت میں آہستہ کہیں گے۔ قرآن دعا کے بارے میں کہتا ہے: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ﴾ اللہ سے دعا آہستہ مانگو۔

اور اگر اللہ کا نام ہو تو قرآن کہتا ہے: ﴿وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً﴾ [137] اللہ کا نام لو تو آہستہ لیا کرو۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آمین آہستہ کہو کیونکہ اگر یہ دعا ہے تو بھی قرآن آہستہ کہنے کا حکم دیتا ہے اور اگر اللہ کا نام ہے تو ذکر کے بارے میں بھی قرآن آہستہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔

امام رازی کی دیانت:

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ میں شافعی المسلک ہوں لیکن دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ اس مسئلے میں قرآن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ساتھ دیتا ہے اور پھر فرمایا: میں اس مسئلہ میں وہی کہتا ہوں جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا۔ [138]

دعا؛ آہستہ یا بلند آواز سے؟

میں نے ایک جگہ بیان کیا اور کہا کہ آمین دعا ہے اور آہستہ آواز سے کرنی چاہیے۔ ایک ساتھی کا فون آیا کہ ایک آدمی نے اپنے رسالے میں مضمون لکھا ہے اور

136۔ صحیح البخاری: کتاب الاذان، تحت باب جہر الامام بالتامین

137۔ الاعراف 205:7

138۔ التفسیر الکبیر للرازی: ج14 ص107

اعتراض کیا ہے اس کا جواب دو۔ میں نے کہا: اعتراض کیا کیا ہے؟ تو اس نے لکھا ہے کہ یہ کہتے ہیں: دعا آہستہ کرنی چاہیے تو پھر رائیونڈ والے اونچی آواز سے کیوں دعا کرتے ہیں۔ سوال تو ٹھیک ہے۔ اب اگر یہ سوال بیان کے بعد آپ سے ہو تو آپ نے پھر پھنس جانا ہے۔ رائیونڈ والے اونچی آواز سے کرتے ہیں تو دعا دو قسم کی ہے؛ ایک وہ جو اپنے لیے کرتے ہیں اور ایک وہ جو دوسروں کے لیے کرتے ہیں اور جب اپنے لیے کرے تو اس کا اور خدا کا معاملہ ہے تو یہاں آہستہ کرنی چاہیے اور رائیونڈ والے بتاتے ہیں کہ میں کیا دعا مانگ رہا ہوں تا کہ دوسروں کو بھی پتا چل جائے کہ کیا دعا ہو رہی ہے لیکن جب امام ﴿وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ۟﴾ کہتا ہے اور یہ آمین کہتا ہے تو اس کی آمین اپنے لیے ہے اس لیے آہستہ آواز سے کرنی ہے اور اگر دوسروں کو ساتھ ملانا ہو تو جہر ہوتا ہے اب بات سمجھ آئی کہ آہستہ آواز سے کیوں کی جاتی ہے۔

مثال سے مسئلہ کی وضاحت:

مثلاً ابھی بھائی عبدالوحید یوسف کہہ رہے تھے بچوں کے لیے اور ایک عورت بیمار ہے اس کے لیے دعا کرنی ہے تو اب میں اونچی آواز سے کروں گا کہ اللہ بیماروں کو صحت دے تو آپ کہیں گے کہ لو ابھی بیان میں کہا تھا کہ دعا آہستہ آواز میں مانگنی ہے اور اب خود ہی اونچی آواز سے دعا کر رہے ہیں تو بھائی جب میں خود دعا مانگوں گا تو آہستہ اور جب آپ ساتھ ہوں گے تو اب دعا اونچی آواز سے نہیں کر رہا بلکہ آپ کو بتا رہا ہوں کہ بیماروں کے لیے دعا کریں اب لوگ مسئلہ سنتے نہیں ہیں اعتراض کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سب کو بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.

سورۃ الانفال

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ
اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ ۪ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱﴾﴾

تمہید:

سورۃ الانفال مدنی سورت ہے، اس میں 10 رکوع ہیں اور 75 آیتیں ہیں۔
اس سورۃ کا نام "سورۃ الانفال" ہے۔ میں ہر سورۃ کے آغاز میں عرض کرتا رہتا ہوں کہ سورۃ کے نام رکھنے کہ وجہ یعنی "وجہ تسمیہ" کیا ہے؟

انفال کسے کہتے ہیں؟:

اس سورۃ کا نام "سورۃ الانفال" اس لیے رکھا گیا ہے کہ "اَنۡفَال" عربی زبان کا لفظ ہے جو "نَفۡلٌ" کی جمع ہے، "نَفۡلٌ" کا معنی "زائد" بھی ہوتا ہے اور اس کا معنی "فضل" اور "احسان" اور "اللہ کا کرم" بھی ہوتا ہے۔ "نَفۡلٌ" کے لغوی معنی ہیں زائد، فضل اور انعام۔ جب ہم نماز پڑھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس میں اتنے فرض ہیں، اتنی سنتیں ہیں، اتنے واجب ہیں، اتنے نفل ہیں۔

تو "نَفۡلٌ" کو نفل کیوں کہتے ہیں؟ اس لیے کہ نفل فرائض سے ایک زائد چیز

کا نام ہے، اس لیے نفل کہتے ہیں، یا میں نے عرض کیا کہ "نَفَلٌ" کا معنی ہوتا ہے فضل اور انعام۔ اللہ رب العزت اپنے فضل و کرم سے فرائض کی کمی کو پورا کرنے کے لیے نفل عطاء فرماتے ہیں۔ جب انسان نفل ادا کرتا ہے تو فرائض میں جو کمی کوتاہی رہ جاتی ہے نوافل کے ذریعے اس کو پورا کر دیا جاتا ہے۔ میں وجہ پیش کر رہا ہوں کہ اس سورت کو "سورۃ الانفال" کیوں کہا جاتا ہے؟

مالِ غنیمت کا حلال ہونا:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ."

اللہ رب العزت نے مجھے چھ چیزیں وہ عطا فرمائی ہیں جو گزشتہ انبیاء علیہم السلام کو عطا نہیں فرمائیں۔ ان میں سے ایک چیز "أُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ" ہے کہ اللہ نے میرے لیے میدان جنگ کے مال "مالِ غنیمت" کو حلال قرار دیا ہے۔[139]

سابقہ شرائع اور مال غنیمت:

گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے لیے مالِ غنیمت حلال نہیں تھا یعنی ان انبیاء علیہم السلام کے لیے مال غنیمت کا استعمال کرنا ٹھیک نہیں تھا، جب جہاد میں نکلتے تھے اور میدان جنگ میں کفار کا مال جمع ہوتا تو اس مال کو کھلے میدان میں رکھ دیا جاتا تھا، آسمان سے آگ آتی اور اس مال غنیمت کو کھا جاتی۔ اگر وہ مال غنیمت آسمانی آگ کھا جاتی تو یہ اس بات کی علامت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کو قبول فرمالیا اور اگر آگ اس مال کو نہ کھاتی تو اس بات کی علامت ہوتی تھی کہ یہ جہاد قبول نہیں ہوا۔

لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے یہ اعزاز بخشا

139۔ صحیح مسلم، رقم:523

ہے کہ مالِ غنیمت کو میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے۔ اب امت جہاد کرے اور میدان جنگ میں کفار سے مال چھینے، اب آگ کے ذریعے اسے جلانے کی ضرورت نہیں، یہ اسے اپنے حلال اور پاکیزہ رزق کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں یعنی یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اعجاز ہے۔

ہمارے نبی کا دائرہ نبوت غیر محدود ہے:

اس کی وجہ کیا ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کے لیے تو مال غنیمت حلال نہیں تھا ہمارے پیغمبر کے لیے مال غنیمت حلال کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کا دائرہ نبوت محدود تھا، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دائرہ نبوت غیر محدود ہے، پہلے نبیوں نے ایک بستی میں رہنا ہے، ایک قوم میں رہنا ہے، ایک گاؤں میں رہنا ہے اور ایک خاص وقت تک اس نبی کی نبوت ہے، ہمارے نبی کی نبوت کا دائرہ محدود نہیں ہے بلکہ پوری دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نے پوری دنیا میں جانا بھی ہے۔

مال غنیمت حلال نہ ہو تو...؟

اب اگر یہاں سے چلیں اور دنیا کے کسی دوسرے کونے میں جائیں اور جا کر جہاد کریں اور مال غنیمت بھی ان کے لیے حلال نہ ہو تو پھر کھانے کی دو صورتیں ہیں:

1) یا کمائیں اور کھائیں

2) یا پھر مرکز سے مال لائیں اور کھائیں

میدان جہاد میں جا کر کمانا شروع کر دیں تو یہ جہاد نہیں کر سکیں گے اور اگر مرکز سے مال لانا چاہیں تو دور ہونے کی وجہ سے مال لا بھی نہیں سکتے۔ تو یہ امت آگے کیسے بڑھے گی؟ اس کے لیے اللہ رب العزت نے ختم نبوت کی برکت سے اعزاز دیا ہے کہ تم بڑھتے چلے جاؤ، کمانا کافر نے ہے اور کھانا تم نے ہے (سبحان اللہ۔ سامعین)

تمہیں کمانے کی ضرورت نہیں ہے، کافر کمائے گا اور تم کھاؤ گے اور یہ کھانا حلال بھی ہو گا اور طیب بھی ہو گا۔

مال کی تین اقسام:

میدان جنگ میں جو مال ملتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں:

1: مال غنیمت: مال غنیمت کا معنی کیا ہے؟ کہ میدان جنگ میں گئے ہیں اور کفار سے مقابلہ ہوا ہے اور مقابلے کے بعد آپ کو مال ملا ہے۔

2: مال فئی: بغیر جنگ لڑے کافر خود کو آپ کے حوالے کر دے، اس سے بھی مال ملتا ہے، اسے مالِ فئی کہتے ہیں۔

تو جنگ کے ذریعے مال ملے تو "مال غنیمت" بغیر جنگ لڑے ملے تو "مال فئی" ہے۔

3: انفال: ایک ہوتا ہے "انفال" جو نفل کی جمع ہوتی ہے، اس کو محدثین اور مفسرین نے تھوڑا عام رکھا ہے۔

مال کی تقسیم کا طریقہ کار:

جب میدان جنگ میں جائیں اور مال غنیمت ملے تو اس مال غنیمت کے پانچ حصے ہوتے ہیں۔ ان میں ایک حصہ جسے "خمس" کہتے ہیں یہ تو بیت المال میں جمع ہوتا ہے اور چار حصے ان مجاہدین کے درمیان تقسیم ہوتے ہیں جو جہاد میں شامل ہوتے ہیں، کبھی ان چار حصوں کو "مال انفال" کہتے ہیں اور کبھی میدان جنگ میں امیر لشکر کہتا ہے کہ جس شخص نے فلاں کافر کو قتل کیا تو اس کافر کا مال اس قاتل کو دیں گے تو اس مال کو بھی نفل کہتے ہیں۔ اور کبھی جو پانچواں حصہ بیت المال میں جمع ہوا ہے اسی مال میں سے امیر المجاہدین کسی مجاہد کے خاص کارنامے کی وجہ سے اس مجاہد کو بطور اکرام کے دیتا ہے اس مال کو بھی "مال انفال" کہتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو مال ِ خمس

(پانچواں حصہ) بیت المال میں جمع ہوا ہے ایک شخص میدان جنگ میں تو نہیں گیا لیکن مجاہدین کی خدمت کرتا ہے، اس خدمت کرنے والے کو بھی امیر لشکر اس خمس میں سے کچھ مال دیتا ہے تو اس مال کو بھی "مال انفال" کہتے ہیں۔

سورۃ میں ذکر کردہ زیادہ مضامین:

میں عرض کر رہا تھا کہ مال غنیمت ہو، مال فئی ہو یا مالِ انفال ہو کچھ بھی ہو اس سورۃ مبارکہ میں چونکہ زیادہ تر مسائل اور احکام جہاد کے ہیں اور اس سورۃ مبارکہ کا زیادہ تر حصہ اسلام کے پہلے غزوہ "غزوہ بدر" پر مشتمل ہے، غزوہ بدر میں جب صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نکلے ہیں میدان میں، مال غنیمت بھی ملا ہے اور مال غنیمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم بھی ہوا ہے، اس مال کی وجہ سے اس سورت کا نام "سورۃ الانفال" رکھ دیا گیا ہے۔ اللہ رب العزت ہم سب کو یہ حلال اور پاکیزہ مال عطا فرمائے۔ (آمین)

ہم نے مالِ غنیمت استعمال کیا:

میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جن دنوں روس افغانستان میں آیا اور بڑا سخت قسم کا جہاد جاری تھا، اللہ رب العزت نے اس مال غنیمت میں سے وافر حصہ ہمیں بھی عطاء فرمایا تھا سبحان اللہ، ہم جتنا اللہ کا شکر ادا کریں کم ہے آپ نے مال غنیمت کا لفظ سنا ہے ہم نے مال غنیمت کو استعمال کیا ہے مال غنیمت کو حلال اور طیب سمجھ کر اسے استعمال کرنا چاہیے خدا کا کرم اور احسان سمجھنا چاہیے۔

مالِ غنیمت اللہ اور رسول کا ہے:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾

اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ﴾ اے میرے

پیغمبر! یہ صحابہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ مال غنیمت کا کیا کرنا ہے؟ ﴿قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ آپ فرمادیں یہ مال غنیمت اللہ کے حکم سے آپ کو ملا ہے اور اللہ کے حکم کے مطابق اور پیغمبر کے بتائے ہوئے طریقے سے تقسیم ہوگا، اس لیے تمہاری مرضی اور تمہاری رائے کو اس مال غنیمت کی تقسیم میں کوئی بھی دخل نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارکہ:

اس کی وجہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ ایک غزوہ میں مجاہدین کے امیر بنے اور تاریخ اسلام کا سب سے پہلا واقعہ تھا حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 11 گیارہ صحابہ کرام دے کر بھیجا اور فرمایا کہ میں رقعہ دے رہا ہوں آپ نے اس کو فلاں مقام پر جا کر پڑھنا ہے اس سے پہلے پڑھنا نہیں ہے وہ رقعہ لیا اور صحابہ کو لے کر چل دیے جب وہ خاص جگہ پر پہنچے تین دن بعد وہاں رقعے کو کھول کر دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلاں جگہ پر فلاں تمہارا معرکہ ہوگا تم نے اس میں شرکت کرنی ہے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے فرمایا یہ رقعہ ہے اور اس میں جہاد کا حکم ہے جو میرے ساتھ چل سکتا ہے چلے اور جو نہیں چل سکتا نہ چلے تمہاری مرضی ہے۔

ان گیارہ کے گیارہ نے عرض کیا کہ کیسے ممکن ہے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک کام کے لیے بھیجیں اور ہم واپس چلے جائیں اور یہ جو گئے اور ایک بڑے خاص لشکر پہ حملہ کیا اور اس حملے سے جو ان کو مال غنیمت میں کچھ مال ملا ابھی تک مال غنیمت کا حکم نازل ہوا نہیں تھا اب کرنا کیا چاہیے؟

صحابی رسول کا اجتہاد:

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے 4 حصے مجاہدین

میں تقسیم کر دیے اور پانچواں حصہ مدینہ منورہ میں بیت المال میں جمع کروادیا ابھی حکم نازل نہیں ہوا تھا تو جب یہ مدینہ منورہ پہنچے کہا یارسول اللہ ہمیں مال ملا ہے اور ہم نے یہ کیا اب آپ فرمائیں کیا کریں اللہ فرماتے ہیں: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ﴾ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے پوچھا ہے اور ابھی تک حکم نازل نہیں ہوا ہے لہذا میں کچھ نہیں کہہ سکتا حکم آئے گا تو بتاؤں گا۔

اجمالی اور تفصیلی احکام:

تو جب یہ آیت اتری ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کے نازل ہونے کے بعد بہت سارے احکامات بتادیے اس سورت کی پہلی آیت میں اجمال ہے اور جب دسواں پارہ شروع ہوگا ﴿وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ﴾ وہاں جا کر پوری تفصیل بیان فرمادی ہے چار حصے مجاہدین کے ہیں اور پانچواں حصہ جسے خمس کہتے ہیں بیت المال کا ہے جو امیر اپنی مرضی کے مطابق مختلف شعبہ جات میں اس مال کو تقسیم کرتا ہے اس میں مساکین بھی ہوتے ہیں فقراء بھی ہوتے ہیں اور دیگر کچھ حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔

غزوہ بدر کا خلاصہ:

اس آیت سے آگے غزوہ بدر کے تفصیلی احکام اور تفصیلی تذکرہ بڑی تفصیل سے فرمایا ہے میں بجائے اس کے کہ ایک آیت پڑھوں اور اس آیت سے غزوہ بدر کے مسائل بیان کروں اس میں تو بہت دیر لگ جائے گی میں نے عرض کیا اگر ایک ایک آیت پر بات کرتے رہیں تو پورا مہینہ مسلسل اس بیان میں لگ جائے گا، میں خلاصہ عرض کرتا ہوں جو آگے ان آیات میں اللہ رب العزت نے تذکرہ فرمایا ہے غزوہ بدر کے متعلق۔

غزوۂ بدر کیوں پیش آیا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئے اس کے بعد کفار کی مسلسل خواہش یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کر دیا جائے ان کے اصحاب کو مٹا دیا جائے اس کے لیے کافر جو محنت کر سکتے تھے محنت کی ہے اللہ رب العزت نے ہر موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی ہے تو کفار مکہ نے ایک مرتبہ اپنے اموال جمع کیے اور ابو سفیان (امیر معاویہ کے والد) ان کی قیادت میں شام کی طرف ایک وفد بھیجا کہ وہاں جا کر تجارت کرو اموال جمع کر کے لاؤ مکہ مکرمہ میں طاقت مضبوط کریں پھر مسلمانوں کا مقابلہ کریں ابو سفیان مکہ مکرمہ کا مال لے کر تجارت کے لیے شام پہنچے اس مال میں مکہ مکرمہ کا شاید ہی کوئی گھر ہو کہ جس گھر نے اپنا مال تجارت کے اندر نہ لگایا ہو ہر کسی نے اپنا پیسہ اس تجارت میں لگایا اس دور میں ابو سفیان جو مال تجارت لے کر آئے اس کی مالیت بنتی ہے 50 ہزار دینار ایک دینار ہوتا ہے ساڑھے 4 ماشے کا اب یہ کتنے تولہ بنتے ہیں آپ خود حساب کریں سُنَّار ہی حساب کر سکتے ہیں ہمارے بس میں تو حساب نہیں ہے پچاس ہزار دینار کا مال تھا اور ایک دینار ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے اب ساڑھے چار ماشے کو پچاس ہزار سے ضرب دیں تو کتنے ماشے بنتے ہیں؟ کتنے تولے بنتے ہیں؟ تو پھر آپ اندازہ کریں گے کہ کتنے کروڑ مالیت کا سامان تھا جو اس وقت شام سے مکہ مکرمہ لے کر آ رہے تھے۔

صحابہ سے مشاورت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب پتا چلا اپنے صحابہ سے مشورہ لیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ کرتے ہیں جو مال شام جا رہا ہے اگر اس شام سے واپس آنے والے مال کو راستے میں کفار سے چھین لیا جائے یہ مال ہمارے خلاف استعمال ہونا ہے ہمارے خلاف استعمال ہونے کی بجائے مسلمانوں کے حق میں استعمال ہو میں یہ لفظ کیوں استعمال کر رہا

ہوں کہ کسی بندے کا ذہن منفی طرف نہ جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بے گناہ قافلے پر حملہ کر کے ان کا مال العیاذ باللہ لُوٹنا چاہ رہے تھے یہ مقصد نہیں تھا کیونکہ اس مال نے مسلمانوں کے خلاف استعمال ہونا تھا اس لیے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مال راستے سے روک لو بلاک کر دو تاکہ یہ مال مکہ نہ پہنچے جو ہمارے خلاف استعمال ہو بلکہ اس مال کو لے کر مسلمانوں کے حق میں استعمال کرنا چاہیے۔

ابھی جنگ کا ارادہ نہیں تھا:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ارادے سے مدینہ منورہ سے نکلے ہیں اب چونکہ جنگ کا ارادہ بھی نہیں ہے جہاد کا ارادہ بھی نہیں ہے کوئی لڑنے کا پروگرام بھی نہیں ہے اس لیے جو جانا چاہتا تھا اس کو لے گئے ہیں اور جو نہیں جانا چاہتا تھا اس کو چھوڑ دیا ہے نہ جانے والے پر کوئی عتاب بھی نہیں ہے کوئی ڈانٹ بھی نہیں کوئی ڈپٹ بھی نہیں اور فرمایا جن کے پاس سواری ہے وہ آجاؤ جن کے پاس سواری نہیں ہے رہنے دو۔

دیہات والے صحابہ کرام سے گفتگو:

بعض صحابہ ایسے بھی تھے جو مدینہ منورہ میں رہتے تھے انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہمارے دیہات قریب ہیں وہاں سواری موجود ہے آپ اجازت دیں ہم دوڑ کر لے آتے ہیں فرمایا نہیں رہنے دو موجود ہے تو ٹھیک ہے نہیں ہے تو تم یہیں ٹھہرو ہم چلتے ہیں۔

جب 313 کا قافلہ چل پڑا:

یہ غالباً بارہ رمضان کا واقعہ ہے جب مدینہ سے نکلے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین سو تیرہ کا لشکر تھا۔ جن کے پاس ستر گھوڑے ہیں دو اونٹ ہیں چھ زرہیں ہیں اور آٹھ ان کے پاس تلواریں ہیں یہ سامان لے کر نکلے ہیں ادھر سے یہ نکلے ادھر

ابوسفیان کے قاصد کو کسی نے بتادیا العیاذ باللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے قافلے کو لوٹنے کے لیے مدینہ سے چل پڑے ہیں۔

ابوسفیان کا خدشہ:

اس دور کا رواج یہ تھا کہ بہت قیمتی سرمایہ لے کر چلنے والا قافلہ ہوتا تو آگے کچھ لوگ دور دراز تک دیکھتے۔ جیسے ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں وہ کلیئرنس دیتے رہتے تھے کہ راستہ بالکل صاف ہے پر امن ہے خطرہ نہیں ہے اپنا سفر جاری رکھو۔ تو جو قافلے کے آگے دو چار بندے تھے انہوں نے بتایا کہ تمہارے مال کو مسلمان مدینہ والے لوٹنا چاہتے ہیں ابوسفیان نے اپنا قاصد لیا اور اس دور میں اس کو دو ہزار دینار دیے اور کہا تم یہاں سے مکہ دوڑو اور ان کو جاکر کہو کہ جتنا جلدی پہنچ سکتے ہو ہماری مدد کو پہنچو اس نے اونٹنی کو لیا اور اونٹنی کا کجاوہ الٹا کر دیا اونٹنی کی کوہان کو زخمی کر دیا اپنے کپڑے پھاڑ دیے اور اونٹنی کو لے کر چل دیا۔

سابقہ ادوار کی ایمرجنسی علامات:

یہ اس دور میں ایمرجنسی کی علامات تھیں جیسے ہمارے ہاں کوئی ایمرجنسی گاڑی جائے اس پر ہوٹر بھی لگا ہوتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ یہ ایمرجنسی گاڑی ہے اس کو راستہ دو اس دور میں خطرناک سفر کی علامت یہ ہوتی اونٹنی کا کجاوہ الٹا کر دو، کوہان زخمی کر دو اپنے کپڑے آگے سے پھاڑ دو پھر یہ دوڑتا جائے گا تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ کوئی بڑی ایمرجنسی خبر لے کر آرہا ہے یہ دوڑا اور مکہ مکرمہ جارہا تھا اللہ کی شان دیکھو ابھی تک یہ مکہ میں داخل نہیں ہوا تھا۔

حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا کا خواب:

اس کے مکہ مکرمہ پہنچنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کو خواب آیا۔ آپ نے دیکھا کہ ایک شخص مکہ میں اونٹنی پر آرہا

ہے اور مکہ میں آکر اعلان کرتا ہے مکہ والو تین دن میں اندر ان جگھوں پر پہنچو جہاں تم نے قتل ہونا ہے۔ یہ اعلان کیا پھر جبل ابی قبیس پر چڑھا اور پہاڑ پر سے چٹان گرائی جب چٹان پہاڑ کے دامن میں آئی تو اس کے ٹکڑے ہوئے اور کوئی نہ کوئی ٹکڑا مکہ کے ہر گھر میں داخل ہوا۔ عاتکہ بنت عبد المطلب نے اپنے بھائی عباس سے کہا بھائی جان مجھے خواب آیا ہے لگتا ہے کہ مکہ والوں پر کوئی مشکل وقت آرہا ہے لیکن یہ خواب کسی کو بتانا نہیں۔ خواب بڑا اہم تھا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے خواب سنا ان کا ایک دوست تھا ولید، اس کو بتادیا جب ولید نے خواب سنا اس نے اپنے باپ عتبہ کو بتادیا عتبہ نے ابو جہل کو بتادیا ابو جہل بے ایمان تھا اور ذہین بہت تھا ابو جہل نے خواب سنا تو اس نے کہا یہ تو ہم نے سنا تھا کہ تمہارے مردوں نے نبوت کا دعوی کیا ہے یہ تمہاری عورتوں نے نبوت کا دعوی کب سے شروع کر دیا ہے ہم یہ سنتے تھے کہ تمہارے محمد پر وحی آتی ہے یہ تمہاری عورتوں نے بھی نبوت کے دعوے شرع کر دیے؟ مطلب یہ تھا کہ کیا تم نے غلط افواہیں پھیلا رکھی ہیں ابھی یہ تذکرہ چل رہا تھا۔

ابوسفیان کے قاصد کی آمد:

غفاری جو ابوسفیان کا قاصد تھا اسی طرح مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔ مکہ والوں نے دیکھا تو ان کو بڑا تعجب ہوا۔ اس نے فورا کہا جس قدر جلدی ہو سکتا ہے دوڑو اور قافلے کو بچاؤ ورنہ تمہارے قافلے کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان لوٹ لیں گے ابو جہل نے اعلان کیا، اور فوراً سب کو جمع کیا اس نے کہا جتنا جلدی ہو سکتا ہے تم نکلو۔ امیہ سردار تھا اس کا مکہ میں بڑا نام تھا۔

حضرت سعد کی مطاف میں گفتگو:

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اس امیہ بن خلف کے دوست تھے جب

یہ مکہ آتے اس کے پاس ٹھہرتے وہ مدینہ میں جاتا تو ان کے پاس ٹھہرتا آپس میں یاری جو تھی ایک مرتبہ یہ سعد مکہ مکرمہ میں آئے اور طواف کا ارادہ تھا تو انہوں نے اپنے دوست امیہ سے کہا کہ تم مجھے طواف کراؤ لیکن ایسے وقت میں کراؤ کہ مطاف میں بندہ کوئی بھی نہ ہو میں سہولت کے ساتھ طواف کروں دوپہر کو لے کر گئے مطاف خالی ہے کہ میں تمہیں طواف کرا دیتا ہوں جب وہاں گئے ابو جہل نے ان کو دیکھ لیا یہ بڑے پر امن طریقے سے طواف کر رہے ہیں ابو جہل نے کہا امیہ یہ کیا تم نے ان بے دین لوگوں کو کھلی چھٹی دی ہے اور ساتھ ان کو پناہ بھی دی ہے اور یہ کیسے دندناتا ہوا طواف کر رہا ہے۔ ابو جہل دشمنی میں بہت آگے تھا جب اس نے یہ بات کی تو سعد رضی اللہ عنہ نے ڈانٹ کر یہ کہا ابو جہل تم اگر مکہ کے سر دار ہو تو میں مدینہ کا سر دار ہوں اگر میرے طواف کے رستے کی رکاوٹ بنے تو تمہاری گردن اڑا کے رکھ دوں گا خبر دار کچھ کرنے کی جرأت کی۔

امیہ کے بارے آنحضرت کی پیشن گوئی:

امیہ بن خلف نے کہا سعد میری اور تمہاری یاری ہے لیکن یہ ہمارا سردار ہے ایسی اونچی آواز سے بات نہ کرو حضرت سعد رضی اللہ کے منہ سے ایک جملہ نکلا ان سے کہو کہ تم بھی خیال سے بولو مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بتایا ہے امیہ میرے ساتھیوں کے ہاتھوں قتل ہو گا۔ اس نے کہا میرے بارے میں کہا؟ ہاں تمہارے بارے میں۔ اس نے کہا مکہ میں؟ فرمایا جگہ تو مجھے نہیں بتائی، لیکن یہ کہا کہ میرے ساتھیوں کے ہاتھوں قتل ہو گا۔ وہ کانپ گیا اور اسی وقت سے محتاط ہو گیا اور پھر کبھی مکہ سے باہر نہیں نکلا کہ میں صحابہ کے ہاتھوں قتل نہ ہو جاؤں۔

امیہ کا تذبذب:

جب یہ معاملہ پیش آیا تو ابو جہل نے دونوں کو نکالا کہ چلو امیہ سے کہا تم بھی

چلو امیہ بن خلف کو سعد کی بات یاد آگئی وہ کہتا ہے میں تو باہر جانے کے لیے تیار نہیں ہوں ابو جہل نے کہا تم سردار ہو اگر تو نہیں گیا تو باقی لوگ کیسے جائیں گے ؟ اب اس نے سرداری کی وجہ سے کہا چلو میں چلتا ہوں اور ابو جہل نے یہ بھی کہا کہ اب تم یہاں سے چلو اور میں تیز رفتار اونٹ دوں گا تمہیں کوئی راستے میں خطرہ محسوس ہو تو وہیں سے دوڑ کر واپس آ جانا لیکن چلو تو سہی۔

بیوی کی یاد دہانی:

اپنی بیوی ام سفیان سے کہا کہ کجاوہ کسو اور میرے سامان کی تیاری کرو! جب تیاری کرنے لگے تو اس کی بیوی نے کہا: وہ وقت یاد ہے جب تیرے بھائی سعد نے یہ کہا تھا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا۔ اس نے کہا: مجھے یاد ہے لیکن اس کے بغیر چارہ نہیں ہے لیکن میں حفاظت کے ساتھ واپس آجاؤں گا لیکن نکلنا بڑا مشکل تھا۔

ابو جہل کا لشکر روانہ ہوا:

میں بتا یہ رہا تھا یہ تھوڑا سا پس منظر خواب اور یہ مکہ والوں کے حالات بالآخر ابو جہل اپنے ایک ہزار ساتھیوں کو لے کر نکلا جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو ابو جہل کو یہ اطلاع ملی کہ ابو سفیان کا قافلہ بچ کر نکل گیا جب ان کو اطلاع ملی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہمارے مال پر حملہ کریں گے اور مال لوٹ لیں گے انہوں نے راستہ بدل لیا راستے کو بدل کر دوسرا راستہ اختیار کر لیا لیکن ابو جہل کو اپنی طاقت پہ ناز تھا بڑے بڑے سرداروں نے کہا آؤ ہم واپس چلتے ہیں۔ قافلہ بچ گیا ہے اب لڑنے کی ضرورت نہیں ہے وہ مریں گے تو قریشی ہیں ہم مریں گے تو قریشی ہیں وہ قتل ہوئے تو ہاشمی ہیں ہم قتل ہوئے تو ہاشمی ہیں اپنے ہی خاندان کو مارنا مرنا یہ کوئی عقل کی بات نہیں ہے چلو ہم واپس چلتے ہیں۔

ابو جہل لاؤ لشکر سمیت میدان میں:

لیکن ابو جہل نے کہا میں واپس جانے کے لیے تیار نہیں ہوں بلکہ ہم جشن منائیں گے اور جشن منا کے چلیں گے۔ یہ کہہ کر قتل کے میدان میں اتر گیا ایک جماعت کے بڑے بڑے جری جوان اس کے ساتھ موجود بھی تھے ان کے پاس اونٹ بھی ہیں ان کے پاس دو سو گھوڑے بھی ہیں ان کے پاس چھ سو زرہیں اور تلواریں بھی کافی مقدار میں ان کے پاس سامان موجود تھا۔وہ قافلہ نکل گیا اور ابو جہل اپنے ساتھیوں کے ساتھ میدان میں اتر گیا۔

رسول اللہ کی صحابہ سے مشاورت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا چلا کہ ابو سفیان تو چلا گیا ہے اور ادھر تو ابو جہل آ گیا ہے اب صحابہ سے مشورہ لیا اب بتاؤ کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ ابو سفیان تو ایک طرف سے نکل گیا ہے اور ابو جہل اپنی طاقت کے ساتھ میدان میں اتر گیا ہے ہمارے پاس سامان بھی نہیں ہے لیکن ایک بات طے شدہ ہے اللہ نے بتادیا ہے کہ ان دو لشکروں میں جس کے ساتھ بھی ہمارا مقابلہ ہو گا اللہ تعالی اس لشکر پر ہمیں فتح عطا فرمائے گا،ابو سفیان مل گیا تو مال مل جائے گا اگر ابو جہل مل گیا تو فتح ہماری ہو گی لیکن ابو جہل کے لشکر سے مقابلہ ہو گا اور ابو سفیان کا قافلہ خالی ہے تو اس سے تو لڑائی نہیں ہو گی۔

صحابہ کی خواہش:

صحابہ کی خواہش یہ تھی کہ ہمارا مقابلہ ابو سفیان کے قافلہ سے ہو لڑائی نہ ہو اور مال غنیمت مل جائے اللہ تعالی یہ چاہتے تھے آج اسلام غالب کر کے اسلام کو فتح دے کر ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کی طاقت کا سکہ منوالیا جائے۔

مہاجرین صحابہ کرام کی رائے:

مشورہ ہوا کہ اب کیا کرنا چاہیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے کہا یا رسول اللہ ہم حاضر ہیں آپ جہاد کا اعلان کریں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے یا رسول اللہ ہم حاضر ہیں آپ جہاد کی بات کریں مقداد کھڑے ہوئے ہم حاضر ہیں آپ جہاد کا اعلان کریں۔

انصار صحابہ کرام کی رائے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشورہ دو کیا کرنا چاہیے انصار صحابہ سمجھ گئے کہ یہ مہاجر کھڑے ہو کے اعلان کرتے ہیں اللہ کے نبی پوچھنا چاہتے ہیں کہ انصار کیا کہنا چاہتے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ انصاری کھڑے ہوئے انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہمارا مال بھی آپ کا ہے اور ہماری جان بھی آپ کی ہے سب کچھ جو اللہ کا دیا ہوا ہے آپ کا ہے آپ بسم اللہ پڑھیں اور حکم فرمائیں آپ سمندر میں کہیں گے ہم چھلانگیں لگا دیں گے ہم پیچھے ہٹنے والے نہیں یہ موسی علیہ السلام والی قوم نہیں ہے کہ جس نے اپنے نبی سے کہہ دیا تھا: ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ کہ اے موسی! تو اور تیرا خدا لڑیں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں ہم آپ کا آخری سانس تک ساتھ دیں گے آپ بسم اللہ پڑھیں۔

گھمسان کارن:

جب سعد رضی اللہ عنہ نے یہ تقریر کی تو آپ کا چہرہ کھکھلا اٹھا فرمایا بسم اللہ پڑھو باقی سفر کے لیے کوچ کرتے ہیں اب ادھر یہ تین سو تیرہ ہیں ادھر مقابلہ ایک ہزار کے ساتھ۔ یہ تین سو تیرہ کون سے ہیں جن کے پاس دو گھوڑے ہیں چھ تلواریں ہیں اور آٹھ زرہیں ہیں اور مقابلے میں لڑنے والے ان کے دو سو گھوڑے اور ان کے

پاس چھ سو تلواریں اور ان کے پاس زرہیں اور بظاہر جوڑ بھی نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب میدان میں اترے ادھر کفار ہیں ادھر مسلمان ہیں۔

کفار کی چالاکی:

اتفاق اور اللہ کی شان دیکھو کہ جنگ کے لیے جب جگہ کا انتخاب ہونے لگا تو جو چٹیل جگہ تھی اس پر کفار نے قبضہ کر لیا جہاں پانی کے کنویں بھی ہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ پہ ہیں جو ریتلا علاقہ ہے، گرم جگہ ہے اگر ہوا آئے ریت اڑ جاتی ہے اس لیے کفار نے یہ سمجھا ہمیں جگہ بڑی عمدہ ملی ہے مسلمانوں کو جگہ بہت خطرناک ملی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ٹھہرے ادھر مشرک ہیں ادھر اللہ کے نبی ہیں جب آمنے سامنے کھڑے ہوئے صف بندی ہونے لگی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود اس کے کہ اللہ نے نصرت کا وعدہ فرمادیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تب بھی سجدے میں گر گئے اور اللہ پاک سے مانگنا شروع کر دیا پوری رات اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سامنے کھڑے اور سجدے میں اللہ سے مانگتے رہے۔

سکون کی نیند:

مفسرین نے کہا ہے کہ ایسا وقت آیا مشرکین مقابلہ میں ہیں صحابہ کرام سوئے ہوئے ہیں حالانکہ میدان جنگ میں کس کو نیند آتی ہے اللہ نے ایسی امن کی نیند عطا فرمائی کہ سکون سے سوئے پڑے ہیں جیسے کفار سے مقابلہ نہیں ہے۔

صحابہ کا رسول اللہ کے لیے حفاظتی منصوبہ:

اللہ کے نبی جہاں جس جگہ پہ ٹھہرے ہیں اللہ کی شان دیکھو حضرات صحابہ کرام نے کہا حضور آپ ایسے کریں ہم آگے جاکے لڑتے ہیں ہم آپ کے لیے ایک چھوٹا سا سائبان بنادیتے ہیں چھپر سا بناتے ہیں کپڑے کا آپ اس میں آرام فرمائیں۔ حضرت سعد کہنے لگے یارسول اللہ ہم میدان میں لڑتے ہیں اور آپ یہاں ٹھہریں اگر

اللہ نے فتح عطا فرمادی تو ہم آپ کے ساتھ ہیں اور اگر شکست ہو گئی مارے گئے آپ مدینہ میں چلیں جائیں مدینہ والے آپ کو سنبھالیں گے، ہم کفار سے لڑتے ہیں۔

خلافتِ صدیقی کے اشارے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سائبان بنادیا گیا حضرت سعد رضی اللہ عنہ سائبان سے باہر کھڑے ہو گئے اور اب اس سائبان میں دو آدمی ہیں ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ اس کا معنی سارے صحابہ سمجھتے تھے کہ حضور کے بعد وارث صدیق ہیں جیسے نبی کو بچانا ہے ضروری ہے اسی طرح نبی کے صدیق کو بچانا بھی ضروری ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنی تلوار لے کر پہرہ دے رہے ہیں۔

بلا فصل خلافت صدیقی اس وقت کے کافروں کو تسلیم تھی:

صحابہ بھی سمجھتے تھے حضور کے بعد وارث صدیق اکبر ہیں اور مشرکین بھی سمجھتے تھے حضور کے بعد باری صدیق اکبر کی ہے آپ کہیں گے وہ کیسے ؟اس پر قرائن تو کئی ہیں ایک دو عنوان ذہن میں رکھ لیں۔ جنگ بدر کے بعد ایک جنگ ہے وہ جنگ احد ہے، جب احد میں کفار نے مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کے لیے ایک گیم کھیلی ایک سازش تیار کی۔ سازش کیا تھی؟ یہ مشہور کردو حضور صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے جب یہ غلط خبر اٹھے گی تو مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ جائیں گے انہوں نے یہ افواہ مشہور کی محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے اس کے بعد دوسری افواہ یہ اڑائی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی قتل ہو گئے پھر افواہ یہ اڑائی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے ہیں اس کا مطلب ؟ کافر بھی سمجھتا تھا اگر حضور شہید ہو گئے تو مسلمان حضرت ابو بکر کے پاس جائیں گے تو یہ بھی اعلان کرو کہ حضرت ابو بکر بھی قتل ہو گئے ہیں۔

حضرت ابو بکر اگر شہید ہو گئے تو لوگ حضرت عمر کے پاس جائیں گے تو یہ

بھی افواہ اڑادو کہ حضرت عمر بھی قتل ہو گئے ہیں جب کہا کہ حضور شہید ہو گئے تو حضور خاموش رہے جب کہا حضرت ابو بکر شہید ہو گئے حضرت ابو بکر صدیق خاموش لیکن جب کہا حضرت عمر بھی شہید ہو گئے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: او بے ایمانو میں زندہ ہوں میں بھی زندہ ہوں حضور بھی زندہ ہیں اور صدیق بھی زندہ ہیں زیادہ خوشیاں نہ مناؤ۔

وعدہ نصرت خداوندی کے باوجود نبی کیوں روئے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل دعائیں مانگتے رہے حتی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پوری رات جاگتے رہے اور اللہ سے دعائیں مانگتے رہے۔ اس پر بعض لوگوں نے ایک اشکال کیا ہے کہ جب اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادیا اور وعدہ کر دیا گیا کہ آپ کو فتح ملے گی پھر اللہ کے نبی کیوں روتے ہیں؟ پھر کیوں دعا مانگتے ہیں اللہ فتح عطاء فرمادے۔ اللہ وعدہ پورا فرمادے۔ اگر یہ مٹھی بھر جماعت ختم ہو گئی تو قیامت تک تیرا نام لینے والا کوئی نہیں ہو گا۔

جواب:

اس کی دو وجوہات ہیں: اللہ نے یہ بتایا کہ آپ کو فتح ملے گی لیکن یہ نہیں بتایا کہ کب ملے گی؟ اللہ کے نبی فرمارہے ہیں اللہ ابھی دے دے اور میری اس جماعت کو بچالے۔ وعدہ تھا لیکن یہ تو نہیں بتایا تھا کہ آج ہے، کل ہے، پرسوں ہے یا ترسوں ہے۔

دوسری وجہ اللہ کے نبی کے سامنے اللہ کی دو شانیں ہوتی ہیں ایک شان اللہ اپنے وعدے کے پکے ہیں دوسری شان اللہ غنی اور بے نیاز ہے اللہ سے کوئی بندہ پوچھ سکتا ہے؟ اللہ نے جب وعدہ کیا اب وعدہ کب تک ہے جب تک ہم ٹھیک ہیں جب ہم بگڑ جائیں گے پھر اللہ کے فتوحات کے وعدے تو نہیں ہیں، نبی؛ اللہ کے وعدے پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور ساتھ نبی؛ اللہ کے غنی ہونے پر یقین بھی رکھتے ہیں۔

فتح کی بشارت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں مانگ رہے تھے صدیق اکبر پاس ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اچانک اونگھ آئی تھوڑی سی اونگھ آئی اور فوراً آنکھ کھل گئی فرمایا: اللہ کی مدد آگئی، "هٰذَا جِبْرَئِيْلُ قَامَ عَلٰى فَرَسِهٖ" یہ جبرائیل کھڑا ہوا ہے اپنے گھوڑے کو لے کر۔ جبرائیل آگیا گھبرانے کی ضرورت نہیں آپ کو اونگھ آئی ہے اور فوراً آنکھ کھلی ہے فرمایا صحابہ اب کچھ بھی نہ پڑھو اتر جاؤ میدان میں۔

اللہ کی مدد آن پہنچی:

ادھر اللہ نے کرم کیا فرمایا: میدان جنگ میں جانا تھا بادل آئے، بارش شروع ہوگئی اور جس جگہ کافر تھے وہ میدان صاف تھا وہاں کیچڑ ہو گیا مسلمان جہاں تھے وہ ریت تھی وہ جم گئی۔ جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔ کفار کیچڑ میں پڑے ہیں اور مسلمان ریت میں جمی جگہ کے ساتھ ہیں یہاں موسم ٹھنڈا ہے وہاں کیچڑ والی جگہ یہاں تو پانی نہیں تھا اللہ نے پانی کا انتظام کر دیا اس سے وضو بھی کرو، غسل بھی کرو اس پانی کو پیو۔ اللہ نے آغاز یہاں سے فرمایا جہاں جنگ کا نقشہ بدلا ہے۔

کفر اور اسلام کی معرکہ آرائی:

جب مقابلہ میں نکلے ہیں مقابلے میں کفار کی طرف سے سب سے پہلے تین آدمی نکلے ہیں عتبہ، شیبہ اور عتبہ کا بیٹا ولید ادھر سے مسلمانوں کی طرف سے بھی تین آدمی نکلے ہیں یہ مسلمان انصار صحابہ تھے۔ کفار اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے تھے انہوں نے انصار سے کہا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا میں فلاں انصاری ہوں میں فلاں انصاری انہوں نے کہا ہمارا تمہارا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ قریشی لاؤ جو ہماری ٹکر کے بندے۔ ہم تم سے لڑنے میں اپنی توہین سمجھتے ہیں انہوں نے واپس جاکر کہا یارسول اللہ ہم لڑنے کے لیے گئے ہیں لیکن مکہ والے کہتے ہیں ہماری ٹکر کے بندے لاؤ! نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے قریش والوں کو بھیجو چنانچہ حضرت عبیدہ، حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم میدان میں اترے۔

اسلام کے علمبر دار اور دشمن باہم صف آرا:

اُدھر عتبہ ہے مقابلے میں حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ ہیں، اُدھر شیبہ ہے مقابلے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں اور اُدھر ولید ہے مقابلے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔

ولید نے کہا: علی؟ فرمایا: ہاں علی۔ کہنے لگا: اب مزہ آئے گا لڑنے کا۔ دشمنی بھی تھی پھر کہتے ہیں مقابلے کا بندہ ہو جائے۔ اب یہ تینوں مقابلے میں آئے سامنے کون آیا عتبہ ان کے مقابلے میں عبیدہ ادھر سے انہوں نے حملہ کیا ادھر سے عتبہ نے حملہ کیا لڑ پڑے اللہ کی شان ادھر یہ دونوں لڑ پڑے اور حضرت حمزہ شیبہ سے حضرت حمزہ نے ایک وار کیا شیبہ قتل ہوگئے حضرت علی نے ایک وار کیا ولید قتل ہو گئے حضرت عبیدہ نے وار کیا تو عتبہ بچ گیا اس نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ پہ وار کیا ان کا پاؤں زخمی ہو گیا پنڈلی سے خون نکلنے لگا حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما آگے بڑھے اس بے ایمان کو بھی قتل کر دیا، تینوں کے تینوں دشمنان اسلام جہنم رسید ہو گئے۔

کاش ابو طالب زندہ ہوتے!

حضرت عبیدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے زخمی تھے کہا یارسول اللہ! میرے بچنے کی توقع ہے؟ اللہ کے نبی نے فرمایا نہیں تو نہیں بچے گا۔ تو شہید ہو جائے گا حضرت عبیدہ کہنے لگا اے کاش آج ابو طالب زندہ ہوتے! کیوں؟ ابو طالب نے کہا تھا جب تک میں زندہ ہوں تم محمد کے قریب نہیں جاسکتے۔ میں مروں گا پھر محمد کے قریب جاؤ گے۔ عبیدہ کہتے ہیں کاش ابو طالب زندہ ہوتے ان کو پتا چلتا۔ جب تک

ہم زندہ ہیں حضور کوئی کافر آپ کے قریب نہیں آسکتا ہم جانتے ہیں ختم نبوت کا مسئلہ ہے اس کے بعد مڈھ بھیڑ شروع ہوگئی ادھر مسلمان ادھر کافر اللہ نے کرم یہ فرمایا کہ کفار کے بڑے بڑے ستر جرنیل مارے گئے اس معرکے میں مسلمان بہت کم ہیں جنہوں نے جام شہادت نوش کیا۔

مشرکین کی قتل گاہوں کی نشاندہی:

اب یہ سارے قتل ہورہے تھے، بھاگ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جگہ پہ ابوجہل قتل ہوگا، اس جگہ عتبہ قتل ہوگا، اس جگہ شیبہ قتل ہوگا، اس جگہ ولید قتل ہوگا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مختلف جگہوں پہ نشان لگا لگا کر بتا رہے تھے یہ کس کی قتل گاہ ہے؟ یہ کس کی قتل گاہ ہے؟ 72 قتل گاہیں آپ نے بتائیں، خیر یہ سارے قتل ہوگئے۔

امت محمدیہ کا فرعون:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ابوجہل کا کیا بنا؟ چونکہ آپ نے فرمایا تھا ابوجہل کا فتنہ فرعون کے فتنے سے بڑا فتنہ ہے۔ آپ کو میں اس کی وجہ بھی عرض کرتا ہوں: بندہ سمجھتا ہے شاید فرعون بہت بڑا ظالم تھا اور ابوجہل اس سے چھوٹا تھا آپ نے یوں تو نہیں فرمایا کہ میری امت کا فرعون موسی کے فرعون سے بڑا فرعون ہے۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ کیوں پوچھا کہ ابوجہل کا کیا بنا؟ اس کو کیوں تلاش کرتے پھر رہے تھے؟

دو ننھے صحابہ؛ ابوجہل کی تلاش میں:

دو چھوٹے چھوٹے صحابی ہیں حضرت معاذ اور حضرت معوذ۔ ایک صحابی سے کہنے لگے: چچا جان یہ بتاؤ کہ ابوجہل کون ہے؟ انہوں نے پوچھا کہ تم کیا کروگے؟ کہنے لگے ہم اس کو ماریں گے۔ وہ صحابی کہتے ہیں یہ چھوٹے بچے اس کو کیا ماریں گے، حضرت

معوذ کا اپنا کندھا کٹ گیا لٹک رہا تھا، کھینچ کر اس کو اپنے جسم سے الگ کر دیا اب ان کا ایک ہاتھ موجود ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یہ چھوٹے ہیں ان دونوں نے باز کی طرح حملہ کیا ابو جہل سامنے تھا اس کی ٹانگ پہ حملہ کیا وہ گھوڑے سے گرا ہے گرا تو دیا لیکن مارا نہیں۔ قتل نہیں کیا۔ آخر یہ بچے تھے۔

تواضع نے تکبر سے زمین پاک کر ڈالی:

ابو جہل بے ایمان تکلیف کی وجہ سے کراہ رہا تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو نبی نے بھیجا جاؤ تم اس کو قتل کر دو۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ؛ ابو جہل کی چھاتی پر چڑھے جب قتل کرنے لگے تو ابو جہل نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا میں عبداللہ بن مسعود ہوں۔ ابو جہل نے کہا تم بڑی مناسب جگہ پہ آئے ہو کیونکہ تم مکے کے سردار کی چھاتی پر بیٹھے ہو۔

ابن مسعود کا مختصر تعارف:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بکریاں چرانے والے چرواہے تھے، بعض روایات کے مطابق چھٹے نمبر پہ کلمہ پڑھ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود چھوٹے قد، گندمی رنگ، باریک پنڈلیوں، کمزور اور لطیف جسم والے تھے اس امت کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔

- صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِسۡتَقۡرِؤُا الۡقُرۡآنَ مِنۡ أَرۡبَعَةٍ مِنۡ عَبۡدِ اللهِ بۡنِ مَسۡعُودٍ." [140]

کہ قرآن مجید خاص طور پر چار آدمیوں سے سیکھو! ان میں سے ایک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

140۔ صحیح البخاری، رقم:3760

- ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وَمَا حَدَّثَكُمُ ابْنُ مَسْعُودٍ فَصَدِّقُوهُ" [141]

جو بات تمہیں ابن مسعود فرمادیں اس کو ضرور سچا سمجھنا!

- حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَقْرَأَ الْقُرْآنَ غَضًّا كَمَا أُنْزِلَ فَلْيَقْرَأْهُ عَلَى قِرَاءَةِ ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ." [142]

کہ جس شخص کو پسند ہو کہ وہ قرآن اس لہجے میں پڑھے جس لہجے میں نازل ہوا تو وہ عبد اللہ بن مسعود کی قرآت کے مطابق پڑھے۔

- حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لَوْ كُنْتُ مُؤَمِّرًا أَحَدًا مِنْ غَيْرِ مَشْوَرَةٍ لَأَمَّرْتُ ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ." [143]

اگر میں کسی کو بغیر مشورہ کے امیر بناتا تو عبد اللہ بن مسعود کو بناتا۔

ابو جہل کی فرعونیت:

بہر حال! ابو جہل کو جب قتل کرنے لگے تو ابو جہل نے کہا اگر قتل کرنا ہے میری تلوار سے قتل کرو تا کہ پتا لگے سردار؛ سردار کی تلوار سے مارا گیا ہے۔ جب تم نے مجھے قتل کرنا ہی ہے تو میرے شانوں کے قریب سے میری گردن کاٹنا تا کہ جب گردنوں کو اکٹھا کیا جائے تو پتا لگے یہ سردار کی گردن ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود

141۔ سنن الترمذی، رقم: 3799

142۔ المعجم الاوسط للطبرانی: ج2 ص294 رقم الحدیث 3326

143۔ سنن الترمذی، رقم: 3809

رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کاٹا۔ کس وجہ سے اللہ کے نبی نے کہا کہ یہ ابو جہل موسی کے فرعون سے بھی بڑا فرعون ہے۔ جب قتل ہونے لگا اس نے ایک پیغام دیا جاؤ جا کر محمد کو میرا پیغام دے دینا کہ جتنی تمہاری نفرت میرے دل میں پہلے تھی آج اس سے بھی زیادہ ہے۔

قوم موسیٰ کا فرعون:

اب دیکھو! فرعون جب عذاب میں آیا اس نے کیا کہا تھا، میں کلمہ پڑھتا ہوں میں ایمان لاتا ہوں، موسیٰ کے رب کو مانتا ہوں۔ قوم موسیٰ کا فرعون حالت نزع میں رب موسیٰ و ہارون کو مان رہا تھا۔ لیکن مانا اس وقت جب عذاب نظر آ گیا جب حالت نزع ہو تو پھر بندہ کلمہ پڑھ بھی لے تو کلمہ قبول نہیں ہوتا۔ اللہ نے کہا:

﴿آٰلۡـٰٔنَ وَقَدۡ عَصَيۡتَ قَبۡلُ وَكُنتَ مِنَ ٱلۡمُفۡسِدِينَ ۝٩١﴾ [144]

اب ایمان لاتا ہے اب تیرا کلمہ قابل قبول نہیں ہے تو موسی علیہ السلام کی امت کے فرعون نے مرتے وقت کلمہ پڑھا تھا اگرچہ قبول نہیں ہے لیکن امت محمدیہ کا فرعون ابو جہل مرتے وقت بھی کلمہ پڑھنے کے لیے تیار نہیں، یہ اس سے زیادہ سخت دل تھا اس لیے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو جہل میری امت کا فرعون ہے اور قوم موسیٰ کے فرعون سے بڑا فرعون ہے۔ یہ قتل ہو گیا۔

فتح کے بعد پیغمبر کی عادت مبارکہ:

جنگ کا نقشہ بدل گیا اللہ پاک نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو فتح نصیب فرما دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک یہ تھی کہ جب کسی جنگ میں فتح ہوتی تو 3 دن کے لیے وہاں قیام فرماتے۔ یہ قیام جشن والا نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ

144۔ یونس 91:10

قیام شکرانے والا ہوتا تھا اور دشمن کو بتانا تھا کہ ہم فاتح قوم ہیں لڑنے کے بعد دوڑتے نہیں ہیں بڑے حلم اور تحمل کے ساتھ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پر تشریف رکھتے۔

قلیب بدر کیا ہے؟

کفار کے جو سردار تھے ان سب کی لاشوں کو جمع کیا اور قلیب بدر ایک کنواں تھا، اس کنویں میں لاشوں کو لا کر جمع کرنا شروع کر دیا۔ کنویں میں لاشیں ڈال دی گئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کفار اور مشرکین کی لاشوں پر کھڑے ہو کر فرمایا:

"فَإِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا"

جو اللہ نے ہمارے ساتھ وعدہ کیا فتح کا ہم نے سچ پایا۔

"فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا" [145]

اے کافرو اور مشرکو! تم بتاؤ جو تم سے جہنم کا وعدہ کیا تم نے جہنم کو دیکھ لیا خدا کا وعدہ پالیا ہے؟

ابن خطاب رضی اللہ عنہ کا اشکال:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اشکال تھا۔ اشکال پیش کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ نے قرآن میں فرمایا: ﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ [146] آپ مردوں کو سنا نہیں سکتے۔

مماتیوں کا استدلال:

145۔ صحیح البخاری، رقم:3976

146۔ النمل 80:27

منکرین حیاۃ النبی مماتیت کا یہی استدلال ہے ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ یہ لوگ اسی آیت کو بار بار دہراتے رہتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب تھے۔ انہوں نے ایک جگہ یہ تقریر کی اور تقریر میں یہ بات کی کہ ہم کہتے ہیں: قرآن کہتا ہے کہ مردے نہیں سنتے، ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ یہ ہماری دلیل ہے اور اس آیت سے ہم نے جو سمجھا کہ مردے نہیں سنتے، یہ صرف ہماری فہم نہیں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی آیت سے یہی سمجھا کہ مردہ نہیں سنتا۔

جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا؟" اے مشرکین کے سردارو! جو خدا نے تمہارے ساتھ جہنم کا وعدہ کیا تم نے پا لیا؟۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اشکال تھا کہ یارسول اللہ! قرآن کہتا ہے: ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ یہ نہیں سنتے، آپ ان کو سنا رہے ہیں۔ تو مولوی صاحب کہنے لگے: ہم کہتے ہیں مردہ نہیں سنتا، دلیل ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ ہے اور اس آیت سے ہم نے استدلال نہیں کیا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی استدلال کیا تھا۔

پوری بات یہ ہے:

میں نے کہا: تم آدھی بات کرتے ہو، پوری بات نہیں کرتے۔ پوری بات یہ ہے کہ جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا؟"

کہ خدا نے تم سے جو وعدہ کیا تھا کیا تم نے اسے سچا پا لیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! قرآن کہتا ہے: ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ کہ یہ نہیں سنتے، آپ فرما رہے ہیں کہ یہ سنتے ہیں۔ ہم کس کی بات مانیں؟

فرمایا: عمر! اس وقت جتنا یہ سنتے ہیں تم ان سے زیادہ نہیں سن سکتے۔ حضرت

عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ انہوں نے ایک سوال کیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔

فاروقی مزاج "مان لینا" ہے:

میں ان سے کہتا ہوں [منکرین حیات وسماع سے] کہ تم بھی خاموش ہو گئے؟ کہتے ہیں کہ جی وہ حضرت عمر تھے انہوں نے تو مان لیا تھا اس لیے خاموش ہو گئے تھے، ہم کیوں مانیں؟ اگر مان لیا تو پھر تو بات ہی ختم ہو گئی، ہم تو ماننے والے ہی نہیں، ہم کیوں مانیں؟

بھائی! جس پیغمبر پہ قرآن اترا ہے وہ بات کہہ رہے ہیں تو ٹھیک ہے لیکن یہ لوگ کہتے ہیں نہیں ہم کیوں مانیں؟ قرآن تو یہ کہتا ہے، تو اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن آپ سمجھے ہیں، جس نبی پر قرآن اترا ہے وہ نبی اس کا معنی نہیں سمجھا۔ (العیاذ باللہ)

مشرکین میدان بدر کے کنویں میں:

جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ اپنی کتاب "سیرۃ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" میں فرماتے ہیں:

جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مشرکین کو خطاب کیا جو قلیب کے بدر کے کنویں میں گرے پَڑے تھے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جو دربار نبوت کے شاعر ہیں، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات فرماتے تو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ شعر میں اس کی تعبیر کرتے تھے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے:

يُنَادِيهِمْ رَسُوْلُ اللهِ لَمَّا قَذَفْنَاهُمْ كَبَاكِبَ فِي الْقَلِيْبِ

جب ہم نے ان کفار کی جماعتوں کو کنویں میں پھینکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خطاب فرمایا۔

أَلَمْ تَجِدُوْا كَلَامِيْ كَانَ حَقًّا وَأَمْرُ اللهِ يَأْخُذُ بِالْقُلُوْبِ

کیا تم نے میری بات کو حق نہیں پایا اور اللہ رب العزت بندوں کے دلوں کا مالک ہے۔

فَمَا نَطَقُوْا وَلَوْ نَطَقُوْا لَقَالُوْا: صَدَقْتَ وَكُنْتَ ذَا رَأْيٍ مُصِيْبٍ

انہوں نے کوئی بھی جواب نہ دیا، ہاں اگر یہ جواب دیتے تو یہی بات کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا اور آپ کی رائے بالکل درست تھی۔[147]

سیدہ امی عائشہ سماع کی منکر نہیں:

حضرت کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الجملہ میت بھی سنتی ہے۔ جمہور صحابہ و تابعین کا یہی مسلک ہے (اور یہ جو کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سماع کی منکر تھیں، یہ درست نہیں) ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سماع موتیٰ کی منکر نہیں۔[148]

اَن پڑھ خواتین بھی سمجھتی ہیں:

آج جمعہ کی نماز سے قبل تقریباً 11 یا ساڑھے گیارہ بجے کا واقعہ ہو گا میری گھر والی آئی اور کہا کہ ایک خاتون آئی ہے اور کہتی ہے ہماری مولانا صاحب سے رشتہ داری ہے، ہم نے ملنا ہے میں نے کہا کون ہے؟ کہنے لگیں ہمیں نہیں پتا خیر وہ آئی بوڑھی عورت تھی اس نے کہا: مولانا دعا فرمائیں۔ میں نے کہا: دعا تو کریں گے جو دعا آپ نے کروانی ہے وہ بتائیں۔ پھر مجھے کہنے لگیں اچھا مجھے یہ تو بتائیں کہ مردے قبر میں زندہ ہیں یا مردہ ہیں؟

147۔ سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: ج2 ص102، 103

148۔ سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: ج2 ص103

میں نے کہا آپ کو اس کی کیا ضرورت پیش آئی؟ کہنے لگی: بعض لوگ کہتے ہیں کہ مردہ قبر میں زندہ ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں مرا ہوا ہوتا ہے، مجھے مولانا صاحب یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر یہ مرا ہوا ہے تو عذاب کس کو ہوتا ہے؟ ان پڑھ عورت ہے لیکن کہتی ہے کہ اگر اس میں حیات نہیں تو پھر عذاب کس کو ہوتا ہے؟ اس کو عذاب تو اس وقت ہو گا جب اس میں حیات تو ہو۔

ناقصات العقل سے بھی کم عقل "مولوی":

ایک بوڑھی عورت بھی سمجھتی ہے کہ جب آپ میت کے عذاب وثواب کے قائل ہیں تو عذاب بھی اس وقت ہو گا جب حیات ہو، جب حیات ہی نہیں ہے تو عذاب کس کو ہو گا؟ میں نے کہا اللہ جو سمجھ اس بوڑھی کو ملی ہے وہ سمجھ اس جوان کو مل جائے۔ جو اس ان پڑھ کو ملی ہے وہ اس علامہ صاحب کو مل جائے۔

تضادات کا مجموعہ:

اسلام آباد سے ایک کتاب چھپی ہے "آیئے عقیدہ سیکھئے" اس میں مصنف نے سوال جواب کی صورت میں عقیدے لکھے ہیں۔ اس میں صفحہ نمبر 177 لکھا ہے:

"س: کیا مردے سنتے ہیں؟

ج: مردے نہیں سنتے، وہ مردہ ہی کیا ہوا جو سنتا ہو۔"

آگے اسی صفحہ پر لکھا ہے:

"س: کیا مردہ دفن کرنے والوں کی جوتیوں کی آواز نہیں سنتا؟

ج: اللہ تعالیٰ اس کو وہ آواز سناتا ہے۔"

اسی صفحہ پر ایک سوال وجواب یہ بھی ہے:

"س: لوگ تو کہتے ہیں مردے سنتے ہیں؟

ج: تو پھر سن کر جواب کیوں نہیں دیتے حالانکہ مردے میں نہ سننے کی طاقت

ہے نہ بولنے کی۔ اس کی یہ صلاحیت موت کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے۔“

جبکہ اسی کتاب کے صفحہ نمبر 203 پر ہے:

”س: کیا قبر والے کی چیخ وپکار انسان سنتا ہے؟

ج: مردے کی چیخ وپکار انسان اور جنوں کے علاوہ ہر چیز سنتی ہے۔“

اچھا! اب کیا یہ مردہ زندہ ہو گیا ہے؟

سوال: کیا مردہ بولتا ہے؟

جواب: وہ مردہ ہی کیا جو بول سکے۔

سوال: کیا کچھ بولتا بھی ہے؟

جواب: جب فرشتہ مارے تو چیخ لیتا ہے۔

متضاد باتوں کا مجموعہ:

میں کہتا ہوں: عقل سے کام لو یہ مردہ بول نہیں سکتا، چیخ سکتا ہے۔ سلام کرو تو نہیں سن سکتا، جوتیوں کی آواز سن لیتا ہے۔ یعنی عجیب تضاد ہے اس کتاب میں عقیدہ بھی ہے اور ساتھ میں تردید بھی ہے۔

واقعات برائے واقعات نہیں:

میں نے جنگ بدر کا کچھ خلاصہ آپ کے سامنے پیش کیا ہماری عادت ہے ہم صرف غزوات پیش نہیں کرتے، ان غزوات کے ضمن میں جو عقائد اور نظریات ہوتے ہیں ان کو بھی پیش کرتے ہیں۔ ان آیات میں اللہ رب العزت نے غزوہ بدر کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اللہ نے بارش عطا فرمائی، فرشتے بھی بھیجے ہیں مدد کے لیے۔

مشرکین کو شیطانی تسلی:

جس وقت مشرک اور مسلمان آمنے سامنے آئے تو شیطان نے مشرکین

سے کہا:

﴿لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ﴾

کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، میں تمہاری مدد بھی کروں گا، تم گھبراؤ مت مسلمان تمہارے اوپر غالب نہیں آسکتے۔

لیکن جب فرشتے اترے ہیں تو شیطان دوڑا، اس نے کہا:

﴿إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ﴾ [149]

جو میں دیکھتا ہوں وہ تم نہیں دیکھتے اور میں تمہارے ساتھ مل کر مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

قبیلہ بنو بکر کے حملے کا خوف:

اس کی وجہ کیا ہے؟ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب مکہ والے میدان بدر میں آئے تو انہیں ایک چھوٹا سا خدشہ ہوا کہ یہاں بدر کی زمین کے قریب ایک قبیلہ ہے جس کا نام بنو بکر ہے، اس قبیلے کے ساتھ ہماری لڑائی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم مسلمانوں سے لڑنا شروع کر دیں اور پیچھے سے وہ قبیلہ ہم پر حملہ آور ہو جائے، انہوں نے پیچھے کچھ لوگ پہرے کے لیے کھڑے کر دیے تا کہ وہ قبیلہ ہم پر حملہ آور نہ ہو۔

شیطان؛ سراقہ بن مالک کے روپ میں:

شیطان اس قبیلے کے مالک سراقہ بن مالک کی شکل میں آیا اور ساتھ کچھ شیاطین بھی لایا اور اس نے کہا: تم قبیلہ بنو بکر کی پرواہ نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں اور آج کے دن تم پر کوئی حملہ آور نہیں آسکتا، چونکہ یہ شیطان قبیلہ بنو بکر کے سردار کی شکل میں تھا تو مشرکین مکہ نے اس پر اعتماد کر لیا۔ ادھر سے جب جبرائیل امین علیہ

149۔ الانفال 48:8

السلام فرشتوں کی فوج لے کر آئے، اس نے فرشتوں کو دیکھا تو سراقہ بن مالک دوڑا، ایک قریشی کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ تھا، ہاتھ چھڑایا اور دوڑا، قریشی نے پوچھا: کہاں جاتے ہو؟ اس نے کہا: جو میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے۔

شیطان میدان جنگ سے فرار:

یہ تو ابلیس تھا لیکن سراقہ کی شکل میں آیا تھا جب سامنے فرشتے دیکھے جو عذاب دینے کے لیے آئے تھے، ابلیس وہاں سے دوڑ گیا اور اس جگہ کو چھوڑ دیا۔

دو جہانوں کا دھوکے باز:

اب استدلال سمجھنا! اسی طرح قرآن کریم میں ہے:

﴿وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ﴾[150]

جب قیامت کا دن ہو گا شیطان یہ کہے گا میں نے جو تم سے وعدہ کیا وہ جھوٹا تھا، خدا نے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا تھا۔ میں تمہارے کام نہیں آسکتا۔ جب میدان بدر میں کفار ذلیل ہونے لگے شیطان تب بھی دوڑا ہے اور جب قیامت کے دن اس کے ماننے والوں کو عذاب ہو گا شیطان تب بھی دوڑے گا۔

قبر پر اذان کا مسئلہ:

اس سے ایک مسئلہ سمجھ آیا آج بہت سارے لوگ جب میت کو قبر میں دفن کرتے ہیں تو دفن کے بعد اذان دیتے ہیں ان سے پوچھو اذان کیوں دی ہے؟ کہتے ہیں جہاں اذان دیں وہاں سے شیطان دوڑ جاتا ہے۔ ہم نے اذان اس لیے دی تاکہ شیطان دوڑے۔ میں نے کہا تمہارے دوڑانے کی ضرورت نہیں جب عذاب کا فرشتہ آئے تو شیطان خود ہی دوڑ جاتا ہے، وہ جب منکر نکیر کو دیکھے گا اس نے خود بخود بھاگنا ہے

150۔ ابراہیم 22:14

شیطان اتنا بیوقوف بھی نہیں ہے کہ اس سے گناہ کروائے اور جب مار کھانے کی باری آئے تو تمہارے ساتھ کھڑا ہو۔ وہ گناہ کرانے کے لیے آتا ہے اور جب گناہ ہو جاتا ہے تو بھاگ جاتا ہے۔

خدائی عذاب سے بچو!

﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢٥﴾﴾

اس میں مسئلہ بیان فرمایا کہ فتنے اور عذاب سے بچو یہ صرف ظالم لوگوں پر نہیں آتا، جب خدا کا عذاب آجائے یہ عوام اور خواص دونوں پر آتا ہے۔ بعض لوگوں کو الجھن ہوتی ہے کہ جب گناہ ایک نے کیا ہے تو عذاب دوسرے پر کیوں ہے؟

قصہ بنی اسرائیل کے عبادت گزار کا:

ایک روایت سنیں بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا اللہ نے جب عذاب کے فرشتے کو بھیجا فرشتہ گیا تو واپس آیا اس نے کہا یا اللہ اس بستی میں وہ بندہ بھی ہے جس نے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی گناہ نہیں کیا اللہ نے فرمایا پہلے اس کو برباد کرو پھر بستی کو تباہ کرو۔ کیوں؟ اللہ نے جواب دیا فرشتے کو کہ یہ خود گناہ تو نہیں کرتا لیکن دوسرے گناہ کریں تو اس کی پیشانی پر بل نہیں آتا۔ پتا یہ چلا کہ صرف گناہوں سے بچنا ضروری نہیں ہے بلکہ گناہ کرنے والے سے دوری اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔

مجلس گناہ سے بھی بچیں!

بعض لوگ کہتے ہیں میں گناہ میں شریک نہیں تھا، بھائی آپ نے گناہ تو نہیں کیا لیکن آپ کو گناہ کے مقامات پر بھی نہیں جانا چاہیے۔ بعض لوگ گناہ کے مقام پر چلے جاتے ہیں لیکن وہاں خود گناہ نہیں کرتے وہ مطمئن رہتے ہیں، بھائی ہم نے تو گناہ

نہیں کیالیکن صرف گناہ نہ کرنا کافی نہیں ہے بلکہ گناہ والوں کو گناہ سے روکنا بھی ضروری ہے اور اگر ان کو روک نہ سکیں تو اس جگہ سے پھر واپس آنا ضروری ہے۔

بنو قریظہ کے یہودی صلح پر مجبور:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾﴾

اس آیت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ یہودی قبیلہ کا محاصرہ کیا 17 دن تک محاصرہ رہا یہودی تنگ آگئے انہوں نے کہا ہم صلح کرتے ہیں آپ بتائیں کس شرط پر صلح کرنی ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت سعد کو میں بھیج رہا ہوں جس شرط پر وہ صلح کریں گے وہ ہماری طرف سے صلح ہو گی۔

وہ سمجھتے تھے حضرت سعد یہود کا بڑا مخالف ہے آپ ایسا نہ کریں حضرت ابو لبابہ کو بھیج دیں اس کے ساتھ ہم شرائط صلح طے کر لیتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ ابو لبابہ کی زمین ابو لبابہ کے بال بچے ان کے علاقے میں تھے ہو سکتا ہے وہ کچھ گنجائش نکالیں گے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو لبابہ تم جاؤ اور ان سے شرائط طے کرو جب وہاں گئے تو یہودیوں کے بچے، یہودیوں کی عورتیں اور مرد جمع ہو کر آگئے اور رونے لگے انہوں نے کہا ابو لبابہ! تم جانتے ہو کہ ہمارے ساتھ کیا ہو گا؟ تم بتاؤ اگر ہم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لیں جو فیصلہ سعد کرے ہمیں مان لینا چاہیے تمہارا کیا خیال ہے؟ سعد کیا فیصلہ کریں گے؟ تمہارا کیا خیال ہے؟ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کیا ہے؟

حضرت ابو لبابہ رضی اللہ عنہ صحابی تھے لیکن اولاد بھی تھی بیوی بھی تھی اور ان کی زمین بھی ان کے علاقے میں تھی کچھ نہ کچھ نرم پڑ گئے اور متاثر ہو گئے اور ان کو

اپنی گردن کی طرف اشارہ کر کے بتا دیا کہ اگر تم نے فیصلہ مان لیا تو تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔ اس کا معنٰی یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رازدان تھا اور اس نے راز فاش کر دیا ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز فاش نہیں کرنا چاہیے تھا بلکہ یہ کہنا چاہیے تھا کہ جو حضور کا فیصلہ آیا تمہیں ماننا پڑے گا، ہم حضور سے بات کرتے ہیں جب اس کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا چلا کہ ہم نے جو حضرت سعد کو بھیجنا تھا کیوں نہیں بھیجا، ہماری بات سن کر ابولبابہ نے ان کو اطلاع کر دی کہ ہم ان کو قتل کر دیں گے۔ حضرت ابولبابہ نے خود آکر عرض کیا حضور میں نے جرم کیا اور بہت بڑا جرم کیا ہے کہ آپ کی رائے قبل از وقت نہیں بتانی چاہیے تھی، لیکن صحابی تھے لغزش ہو گئی۔

صحابی اور نبی میں فرق:

صحابی اور نبی میں کیا فرق ہے؟ نبی سے خدا گناہ ہونے نہیں دیتا، صحابی سے گناہ ہو جاتا ہے لیکن اللہ اس کے نامہ اعمال میں رہنے نہیں دیتا۔ حضرت ابولبابہ سے گناہ ہوا لیکن مدینہ منورہ مسجد نبوی میں آئے اور مسجد نبوی میں ستونوں کے ساتھ خود کو باندھ لیا اور فرمانے لگے جب تک اللہ مجھے معاف نہیں کریں گے اس وقت تک میں خود کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ گھر والوں سے کہہ دیا اپنی بیوی اور بیٹی کو جب کوئی ضرورت ہوتی بیٹی آتی ان کو بول دیتے جب ان کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آتی تو کھول دیتے اب کھانا بھی چھوڑ دیا، پینا بھی چھوڑ دیا۔ جب حضور کو اطلاع ہوئی تو اللہ کے نبی فرمانے لگے اس نے خود کو سزا دی ہے اور ہمارے پاس نہ آئے اگر ہمارے پاس آتے تو کچھ نہ کچھ ہوتا اب میرے اختیار میں یہ بات نہیں اس نے خود کو اللہ کے حوالے کیا اب اللہ کا اور ان کا معاملہ ہے۔ جب تک اللہ کوئی فیصلہ نہ فرمائیں میں کچھ نہیں کر سکتا۔ جب سات دن گذرے تو اللہ نے قرآن اتارا اور ان کی توبہ کا اعلان ہوا صحابہ کرام نے ان کو مبارک دی کہ مبارک ہو اللہ نے آپ کی معافی کا اعلان کر دیا۔

دینی تقاضوں کو مقدم رکھو:

صحابہ نے کہا تمہیں مبارک ہو اللہ کے نبی نے مغفرت کا وعدہ کیا اور آیت اتر آئی، ابو لبابہ فرمانے لگے: اتنے دن مشقت میں گزارے ہیں اب مجھے کوئی نہ کھولے اگر میں کھلوں گا تو نبوت کے ہاتھ نہیں اٹھیں گئے۔ اب مجھے کوئی نہ کھولے اب وہ خود ہی کھولیں گے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد تشریف لائے ابو لبابہ کی رسی کو کھولا اور ان کو آزاد فرمادیا، اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾﴾

ہم سمجھتے ہیں کہ اموال اور انسان کی اولاد یہ آزمائش کا ذریعہ ہے اپنے مال اور اولاد کی وجہ سے دین کو پس پشت تم کبھی نہ ڈالا کرو دین کے تقاضے کو مقدم رکھو اور باقی سارے تقاضے موخر رکھو۔

مشرکین مکہ کے گھناؤنے جرائم:

﴿وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾﴾

اس آیت کا خلاصہ سمجھیں! مشرکین مکہ اور ان کے جرائم اتنے گھناؤنے ہیں اللہ معاف فرمائے شیطان کو بھی شرم آئے اور ان کے دعوے کتنے عجیب ہیں کہ مشرکین مکہ کا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ ہے۔ مقابلہ کس بات کا؟ کہتے ہیں کہ جو قرآن تو ہمارے پاس لایا ہے اس جیسا قرآن لانا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں، ﴿لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ﴾ ہم بھی تو لا سکتے ہیں۔ قرآن نے کہا: تو پھر لاؤ، تم لاتے

کیوں نہیں ہو؟ جب اس جیسا قرآن نہ لا سکے تو مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں، دعا بڑی سخت ہے۔ کہنے لگے: اے اللہ اگر یہ دین سچا ہے جو محمد لے کر آیا ہے تو﴿فَاَمۡطِرۡ عَلَیۡنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ اللہ! ہم پر پتھر برسا ہمیں برباد کر دے، ﴿اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ﴾ کوئی ہمیں دردناک عذاب دے، اللہ ہمیں تو ختم کر دے۔ اتنی سخت دعا مانگ رہے ہیں اور اللہ انہیں کیا جواب دیتے ہیں؟ فرمایا کہ میرے پیغمبر! جو انہوں نے دعائیں مانگی ہیں ان کا تقاضا تو یہی تھا کہ ان کو ختم کر دیا جاتا اور ان کو ختم کیوں نہ کرتے وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں، تمہیں تنگ کرتے ہیں۔

اجتماعی عذاب نہ دینے کی دو وجوہات:

اصل بات تو یہ ہے کہ ان کو مٹا دیا جائے لیکن ان کو نہ مٹانے کی دو وجوہات ہیں یہ بڑی اہم بات سننے کی ہے فرمانے لگے:

﴿وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہُمۡ وَاَنۡتَ فِیۡہِمۡ﴾

اے میرے پیغمبر! جب تک آپ ان میں موجود ہیں اللہ ان کو عذاب نہیں دے گا، ﴿وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَہُمۡ وَہُمۡ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ ﴿۳۳﴾﴾ اور جب تک یہ استغفار کرتے ہیں خدا تب بھی ان کو عذاب نہیں دیتا۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت تفسیر معارف القرآن میں بڑی عجیب بات لکھتے ہیں: اللہ نے ان کو فرمایا کہ میرے پیغمبر جب تک آپ ان میں موجود ہیں میں ان کو عذاب نہیں دوں گا اور جب تک یہ استغفار کریں گے ہم تب بھی ان کو عذاب نہیں دیں گے۔

سابقہ امتوں پر عذاب:

استغفار والی بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ گناہ بھی کرتے "غُفۡرَانَکَ" بھی

کہتے گناہ بھی کرتے استغفر اللہ بھی کہتے ہیں، گناہ بھی کرتے ساتھ نیکیاں بھی کرتے اس سے عذاب سے بچنے کی بات تو سمجھ میں آتی ہے۔ تو جب تک اللہ کے نبی مکہ میں تھے ان پر عذاب نہیں آیا، جب نبی نے مکہ چھوڑ دیا اب تو عذاب آجانا چاہیے تھا حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے ان کو ستایا اور بہت بڑے جرم کیے لیکن جب تک لوط علیہ السلام بستی میں تھے عذاب نہیں آیا جب بستی چھوڑ دی پھر عذاب آیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے شرک کیا نبی کی بات کو نہیں مانا جب تک نوح علیہ السلام تھے عذاب نہیں آیا لیکن جب کشتی بنائی اور وہاں سے چلے گئے تو قوم پہ عذاب آیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام بستی میں ہیں عذاب نہیں آیا جب بستی چھوڑ دی، عذاب آیا ہے۔

ہمارے نبی کی نبوت کا وسیع دائرہ:

یہ بات اچھی طرح سمجھنا! اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ﴾

اے میرے پیغمبر! جب تک آپ ان میں موجود ہیں اللہ ان کو عذاب دے کر ہلاک نہیں کرے گا تو جب حضور مکہ چھوڑ کر مدینہ میں آئے اب تو ان پر عذاب آ جانا چاہیے تھا۔

حضرت مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ عجیب بات فرماتے ہیں: ہمارے نبی اور ان نبیوں میں بہت بڑا فرق ہے کہ وہ نبی بستی چھوڑتا تو بستی والوں پر عذاب آجاتا کیونکہ وہ نبی اس بستی کا نبی تھا نبی نے بستی چھوڑ دی دائرہ نبوت سے چلے گئے جو نبوت کا دائرہ ہے وہ بستی ہے اس سے باہر چلے گئے تو ان پر عذاب آگیا۔ لیکن میرے پیغمبر کا دائرہ نبوت صرف مکہ ہی تو نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دائرہ نبوت صرف مدینہ ہی تو نہیں۔

ادھر نبی لوط علیہ السلام نے بستی کو چھوڑا دوسری بستی میں چلے گئے اب یہ

ان پر عذاب کیوں آیا نبی جس بستی کا نبی تھا نبی جس جگہ کا نبی تھا وہ بستی چھوڑ دی تو بستی والوں پر عذاب آیا ہے۔ اس امت پر عذاب تو تب آئے گا جب وہ نبی وہ جگہ چھوڑ دے جس جگہ کا وہ نبی ہے۔ یہ تو قیامت تک کرہ ارض کا نبی ہے اس امت پر قیامت تک اجتماعی عذاب آہی نہیں سکتا۔ عذاب تو تب آئے کہ جب آدمی نبوت والی جگہ سے نکل جائے تو پھر عذاب آئے گا۔

چونکہ ہمارے نبی زندہ ہیں اس لیے......:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دائرہ نبوت صرف مکہ تو نہیں صرف مدینہ تو نہیں ہے پھر مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: کہ دو باتیں یادرکھیں:

1: ہمارے نبی زندہ ہیں

2: قیامت تک زندہ ہیں

فرمایا کہ عذاب تو تب آئے جب نبی اپنی جگہ کو چھوڑ دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ بھی ہیں اور قیامت تک زندہ ہیں۔ نبوت قیامت تک کے لیے ہے اور پورے کرہ ارض کے لیے ہے اس لیے امت جتنا بھی بڑا گناہ کرے جب تک نبی موجود ہے امت پر اجتماعی عذاب آہی نہیں سکتا۔

باقی انبیاء بستی چھوڑتے تو بستی پر عذاب آجاتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پورے کرہ ارض کے نبی ہیں اور قیامت تک کے لیے نبی ہیں تو جب تک نبی کرہ ارض پہ ہے اور قیامت تک کے لیے ہے اس وقت تک نبی کی امت پر عذاب آسکتا ہی نہیں۔ کیوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ بھی ہیں اور قیامت تک کے لیے زندہ ہیں اب کیسے عذاب آئے گا اس امت پر؟

لوگوں کو پھر بھی شک ہوتا ہے کہ نبی زندہ ہیں یا نہیں؟ اگر حضور صلی اللہ

علیہ وسلم زندہ نہیں ہیں اور اپنی جگہ سے چلے گئے ہیں تو بتاؤ اس امت پر عذاب آجانا چاہیے تھا یا نہیں؟

پیغمبر کے مبارک وجود کی برکت:

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کی برکت ہے کہ اس امت پر عذاب نہیں آرہا اور کس قدر وہ شخص ظالم ہے جو اس وجود اطہر کو زندہ بھی نہیں مانتا۔ لوگ ہمیں سمجھاتے ہیں مولوی صاحب فروعی مسئلہ ہے۔ میں نے کہا مسئلہ فروعی ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تو اصولی ہے اگر وہ پیغمبر فروع ہے تو اصول ہو گا کیا؟ اگر نبی اصل نہیں تو پھر بتائیں اصل ہو گا کیا؟ سارے ایمان کا دارومدار نبی کی ذات پر ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کم ہو جائے گا تو آدمی کے سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں کوشش کرنی چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس امت کا رشتہ ذرہ برابر بھی کم نہ ہونے پائے۔

دشمنان اسلام سے مقابلے کی تیاری کرو:

﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ﴾

اللہ فرماتے ہیں کہ دشمن کے مقابلہ میں تمہیں طاقت بنانی چاہیے اور طاقت کتنی؟ ﴿مَّا اسْتَطَعْتُمْ﴾ جتنی تم طاقت رکھ سکتے ہو اتنی طاقت اختیار کرو۔ اگر دشمن کافر کے مقابلہ میں ہم ایٹم بم بناسکتے ہیں اور نہیں بناتے تو گناہ ہے اگر ہم اس کے مقابلہ میں اسلحہ اختیار کرسکتے ہیں اور نہیں اختیار کرتے تو گناہ ہے۔ درجہ اسباب میں قرآن کا حکم ہے اتنی تیاری کرو، ﴿تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ﴾ جس سے تمہارا دشمن بھی ڈرے اور خدا کا دشمن بھی ڈرے اس لیے مسلمانوں پر جہاد کی تیاری کرنا فرض کے

درجے میں داخل ہے۔

توکل کا صحیح مفہوم:

کبھی ان کو ہم پر بھی تعجب ہوتا ہے کہ کیسے مولوی ہیں ان کا تو خدا پر اعتماد نہیں ہے۔ میں وہ بات کہتا ہوں جو لوگ ہمیں کہتے ہیں۔ میں نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ اللہ کے نبی کو اللہ پر اعتماد تھا یا نہیں تھا؟ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو تھا۔ میں نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہرے دار کیوں رکھے ہوئے تھے؟

آپ اللہ کو رازق مانتے ہیں یا نہیں؟ بتاؤ (مانتے ہیں) رزق اللہ دے گا یا نہیں دے گا؟ (دے گا) تو پھر آپ دوکان کیوں کھولتے ہیں؟ کیا اللہ دوکان کا محتاج ہے؟ پھر کیوں دوکان کھولتے ہو؟ آپ کہتے ہیں خدا کا حکم ہے کہ دوکان کھولیں اللہ رزق دے گا تو پھر ہمیں بھی حکم ہے اسلحہ تم رکھو جان میں بچاؤں گا۔

پیر عزیز الرحمن ہزاروی کی نصیحت:

مولانا پیر عزیز الرحمٰن ہزاروی دامت برکاتہم ایک مرتبہ مجھے فرمانے لگے کہ مولانا اپنی جان کی حفاظت کرو۔ اگر تم قتل ہوگئے تو پھر آپ تو خوش ہوگئے کہ میں شہید ہوگیا ہوں ہمیں ڈر ہے کہ آپ کی پکڑ نہ ہو۔ میں نے کہا: جی وہ کیوں؟ فرمانے لگے کہ تمہارا جسم اب تمہارا نہیں ہے۔ تمہارا جسم قوم کی امانت ہے اور اس کی حفاظت تمہارے ذمہ ہے۔ یہ تمہارا وجود قوم کی امانت ہے پوری دنیا کو تمہارے وجود سے فائدہ پہنچتا ہے اس جسم کی حفاظت تمہارے ذمہ ہے اگر حفاظت نہ کی تو میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں خدا تمہاری پکڑ نہ کرلے تو نے اس کو بچایا کیوں نہیں؟

عالم دین کی جان بہت قیمتی ہے:

دوکان میں دو کلو سونا ہے چوکیدار رکھتے ہیں ہمارے جسم کی دو کلو سونا کی قیمت بھی آپ کے ہاں نہیں ہے؟ جوتے کی دکان ہے اور پہرے دار رکھا ہوا ہے اور

ایک عالم کی قیمت جوتوں کے برابر بھی نہیں ہے؟ یعنی جوتے کی حفاظت کرنی ہے، گندم کی حفاظت کرنی ہے، دو تولے چاندی کی حفاظت کرنی ہے اور عالم اپنے وجود کی حفاظت کرے تو لوگ کہتے ہیں کیسا مولوی ہے؟ اسے اللہ پر اعتماد ہی نہیں۔

علمائے کرام کی عزت:

اسلام زندہ باد کانفرنس تھی ہم نے بھی شرکت کی ہے اور بھرپور طریقے سے کی ہے ہم پر بعض لوگوں کو اشکال بھی تھا ہمیں ان کے اشکال کی پرواہ بھی نہیں اشکال کرتے ہیں تو ہزار مرتبہ کریں۔ ہمیں بہت سارے احباب نے کہا: کیوں جاتے ہو؟ ادھر مقابلے میں مختلف جماعتوں نے جلسے کیے۔ ہمارے علماء کی عزت کا مسئلہ تھا دنیا دیکھے گی کہ مولوی کیا کرتے ہیں؟ ہم دین کی عزت کی خاطر وہاں پر گئے ہیں تاکہ دنیا کو پتا چلے اگر وہاں اور لوگ آسکتے ہیں تو مسلمان اور نبی کے وارث بھی آسکتے ہیں۔

جمعیت علماء اسلام کا بھرپور ساتھ دیں:

ایک ساتھی مجھے فرمانے لگے: مولانا صاحب جلسہ ہوا تھا؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ بولے کیا ضرورت تھی جانے کی؟ میں نے کہا: ضرورت تو تھی۔ بولے: اللہ پاک پر اعتماد نہیں؟ میں نے کہا: اسمبلی میں کس نے آنا ہے؟ اللہ پاک تو خود نہیں آئیں گے، بندے ہی آئیں گئے۔ اگر بولنے والے ہوں گے تو قانون کی حفاظت ہو گی، اگر بولنے والے نہیں ہوں گے تو قانون توڑا جائے گا۔ ہمیں اس بات کا خیال کرنا چاہیے۔ اللہ گواہ ہے پانچ سالہ دور اسمبلی میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی محنت سے کوئی ایک دن بھی اسلام کے خلاف قانون نہیں بنا سکا۔ یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے! پورے پانچ سالہ دور اسمبلی میں ایک بل بھی خلاف اسلام نہیں چلا سکے۔

کارگزاری سنانی چاہیے:

میں نے مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور جمعیت کے قائدین سے بھی کہا:

آپ کی ایک بہت بڑی کمزوری یہ ہے کہ آپ اسمبلی کی کارگزاری باہر بتاتے نہیں ہیں، آپ بتائیں کہ میں نے اسمبلی میں یہ کہا، یہ کہا، لوگوں کے علم میں نہیں ہے۔ سارے اپنی کارگزاریاں سناتے ہیں۔ ایک چلہ کی جماعت جائے واپس رائیونڈ جائے تو کارگزاری سناتی ہے یا نہیں؟ (سناتی ہے) سال کی جماعت ہو تو پھر؟ (سناتی ہے) سہ روزہ کی جماعت ہو تو پھر؟ (سناتی ہے) اچھا اگر میں کارگزاریاں سنادوں دیکھو مولوی اپنیاں تعریفاں کردا پھر دا اے کہ میں فلانا کم کیتا اے فلانا کم کیتا اے۔ میں نے کہا تم سہ روزہ بھی لگا کے آؤ تو کارگزاری سناتے ہو میں اپنے سفر کے تذکرے کردوں تو ائے دسن دی کی لوڑ سی دبئ گیاں؟ میں نے کہا میں آپ کو کارگزاری سناؤں گا تو تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ ہمارے مولانا تو ماشاء اللہ بڑا کام کررہے ہیں بھائی کارگزاری سنانی چاہیے یا نہیں؟ (سنانی چاہیے) اللہ ہمیں بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

سورۃ التوبۃ

﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱﴾

تمہید:

درس قرآن کے لیے ہمارا آج کا موضوع ہے "مضامینِ سورت توبہ"۔ سورت توبہ لمبی سورت ہے، اس میں 16 رکوع اور 129 آیات ہیں لیکن ہم نے ایک گھنٹے کے حساب سے تمام آیات کے بجائے منتخب آیات کا خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرنا ہے تاکہ سورت التوبۃ کے اہم مضامین آپ کے سامنے آجائیں۔

وجہ تسمیہ سورت:

اس میں پہلی بات تو یہ یاد رکھیں کہ اس سورت کا نام "سورت توبہ" بھی ہے اور "سورت براءۃ" بھی۔ میں نے کئی بار عرض کیا ہے کہ کسی سورت کا نام کیوں رکھا جاتا ہے اس کو عربی زبان میں کہتے ہیں "وجہ تسمیہ" یعنی اس سورت کا یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے۔ اس سورت کو "سورت توبہ" کیوں کہتے ہیں؟ اس لیے کہ اس سورت مبارکہ میں بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توبہ کا تذکرہ ہے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوہ تبوک میں شرکت نہ فرماسکے تو انہوں نے بغیر کوئی عذر پیش کیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی مانگی اور اللہ رب العزت نے ان کی معافی کو قبول فرمالیا، ان پر متوجہ ہوئے اور ان کی توبہ کو قبول فرمالیا۔ چنانچہ اس سورت میں

آیت ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ﴾ [151] اور آیت ﴿وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾ [152] کے تحت تفصیل سے ان شاء اللہ یہ واقعہ آئے گا۔

اور اس سورت کو "سورت براءۃ" کیوں کہتے ہیں؟ اس لیے کہ اس سورت مبارکہ کے آغاز ہی میں اللہ رب العزت نے مشرکین سے براءت اور بیزاری کا اعلان فرمایا ہے۔ تو چونکہ اس سورت میں مشرکین سے براءت کا اعلان ہے اس لیے اس سورت کا نام ہی "سورت براءۃ" ہے۔ اس سورت مبارکہ کے اکثر مضامین کا تعلق قتال وجہاد اور غزوات کے ساتھ ہے۔

شانِ نزول:

اس سورۃ کے نزول کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سن چھ ہجری کو عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے، حدیبیہ کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک لیا گیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو روسائے مکہ کے ساتھ مذاکرات کے لیے بھیجا۔ بالآخر جو شرائط طے ہوئیں ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس چلے جائیں، آئندہ سال آئیں اور آکر عمرۃ القضاء فرمالیں۔ اس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ دس سال تک مسلمان اور مشرکین و کفار آپس میں لڑیں گے نہیں یعنی نہ لڑنے کا معاہدہ تھا۔ اس معاہدہ کی ایک شق یہ بھی تھی کہ دیگر قبائل میں سے جس قبیلے کا جی چاہے مسلمانوں کا حلیف بنے اور جس کا جی چاہے وہ کفار کا حلیف بنے اور جو قبیلہ جس کا حلیف بنے گا وہ ان شرائط کا اسی طرح پابند ہو گا جس طرح مسلمان اور مشرکین اس

151۔ التوبۃ 117:9

152۔ التوبۃ 118:9

معاہدے کے پابند ہیں۔

مکہ مکرمہ میں دو قبیلے تھے؛ ایک قبیلہ بنو بکر تھا اور ایک قبیلہ بنو خزاعہ تھا۔ ان میں سے قبیلہ بنو خزاعہ نے مسلمانوں کا حلیف بننے کا عہد کر لیا اور دوسرے قبیلے نے کفار کا حلیف بننے کا عہد کر لیا۔ اب ہوا یہ کہ ابھی ایک سال ہی گزر پایا تھا کہ جس قبیلے نے مشرکین کا حلیف ہونے کا وعدہ کیا تھا انہوں نے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنو خزاعہ پر حملہ کیا۔ اب ظاہر ہے کہ ان پر حملہ کرنا گویا مسلمانوں پر حملہ کرنا تھا اور ایک قبیلے کا دوسرے پر حملہ کرنے کا معنیٰ یہ تھا کہ معاہدہ ٹوٹ گیا۔ اب مسلمان جب چاہیں کفار سے قتال کریں اور کفار جب چاہیں مسلمانوں سے لڑائی کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ کو پیغام بھیجا کہ یا تو مقتولین کی دیت ادا کریں یا حملہ آوروں سے اعلان براءت کر دیں یا معاہدہ کے ختم ہونے کا اعلان کر دیں۔ مشرکین نے معاہدہ حدیبیہ کے نسخ کو اختیار کر لیا۔ لیکن بعد میں ان کو بڑی پشیمانی ہوئی۔ تب مشرکینِ مکہ نے ابوسفیان کو بھیجا کہ تم مدینہ منورہ جاؤ! اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تجدیدِ عہد کرو یعنی نیا معاہدہ کرو کہ ہم آپس میں لڑیں گے نہیں۔ ابو سفیان مدینہ منورہ پہنچے اور کئی ایک اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملے۔ انہوں نے فرمایا: ہمارے بس میں نہیں کہ ہم آپ کی سفارش کریں، ہم نے کئی معاہدے کیے اور تم لوگوں نے ان معاہدوں کو توڑا ہے، اب ہم آپ کی سفارش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں کر سکتے۔

ابوسفیان واپس مکہ پہنچا اور اس نے مکہ والوں کو بتایا تم بھی تیاری کر سکتے ہو تو کرو، مسلمان تیاری کر رہے ہیں اور اب ان کے ساتھ لڑنا شاید ہمارے بس میں نہ ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سن آٹھ ہجری میں تیاری شروع کی ہے اور دس یا بارہ ہزار کا لشکر لے کر مکہ مکرمہ میں فاتح بن کر داخل ہوئے ہیں۔ فتحِ مکہ کے عنوان سے

آپ اس کو سنتے رہتے ہیں اور اپنی جگہ پر جب یہ واقعہ آئے گا تو ان شاء اللہ تفصیل سے میں اس کا تذکرہ کروں گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و مشرکینِ مکہ کے خلاف جہاد کی تیاری شروع فرمادی لیکن اس تیاری کو مخفی رکھا۔ آہستہ آہستہ یہ بات مشرکینِ مکہ تک پہنچی۔ ان کو شک یہاں سے ہوا کہ جب ہمارے معاہد قبیلے نے بنو خزاعہ پر حملہ کیا ہے اور ہم نے ان کا ساتھ دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حلیفوں کا بہت زیادہ خیال کرتے ہیں، اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بدلہ لینے کے لیے مکہ کیوں نہیں آئے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بدلہ لینے کے لیے سفر نہ کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ تیاری شروع فرمادی ہے۔

یہاں بتانا صرف یہ ہے کہ مشرکین نے جب اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی تیاری فرمائی اور مشرکینِ مکہ کو اللہ نے صاف صاف اعلان فرمادیا کہ چونکہ عہد تم نے توڑا ہے، پہل تم نے کی ہے تو اب ہماری طرف سے براءت کا اعلان ہے، تم جانو اور ہم جانیں، تم اپنی تیاری کرو ہم اپنی تیاری کریں گے۔ اس لیے اس سورت مبارکہ میں زیادہ تر وہ آیات ہیں جن کا تعلق جہاد، قتال اور غزوات کے ساتھ ہے۔

قبائل کی چار قسمیں:

مشرکینِ مکہ اور گردونواح کے جو قبائل تھے بنیادی طور پر ان کی چار قسمیں بنتی ہیں:

[1]: بعض وہ تھے جنہوں نے سن چھ ہجری میں عہد کیا تھا اور بعد میں عہد توڑ دیا تھا۔

[2]: بعض وہ تھے جنہوں نے نہ لڑنے کا عہد کیا تھا اور اپنے عہد پر برقرار رہے۔

[3]: تیسری قسم وہ لوگ تھے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ تو کیا لیکن معاہدے کی مدت مقرر نہیں تھی کہ ہمارا نہ لڑنے کا یہ معاہدہ کب تک ہے۔

[4]: چوتھی قسم وہ تھے جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ لڑنے کا کوئی معاہدہ نہیں تھا۔

ان چاروں قِسموں کا حکم:

اللہ رب العزت نے ان چاروں طبقات کے لیے الگ الگ آیات نازل فرمائی ہیں۔

[1،2]: وہ طبقہ جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں تھا یا جن کے ساتھ معاہدہ تو تھا لیکن ان کے ساتھ کوئی خاص مدت مقرر نہیں تھی ان کے لیے اعلان فرمایا:

﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ اعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ﴾

ان دو طبقات کے لیے تو کھلا اعلان جنگ ہے کہ ہمارا اور تمہارا معاہدہ نہیں تھا یا معاہدہ تو تھا لیکن چونکہ کوئی وقت طے نہیں تھا اس لیے تم بھی آزاد ہو اور ہم بھی آزاد ہیں۔

[3]: وہ جنہوں نے معاہدہ تو کیا ہوا تھا لیکن معاہدے کو خود انہی نے توڑا ہے تو ان کے لیے قرآن کریم میں اعلان فرمایا کہ چار ماہ تک تیاری کرو جو کر سکتے ہو، چار ماہ کے بعد تمہارا اور ہمارا آپس میں میدان سجے گا، اور یہ چار ماہ کی بات کیوں کی ہے؟ یہ چار ماہ وہ تھے جنہیں "اشہر حرم" کہتے ہیں یعنی حرمت والے مہینے، ان میں چونکہ لڑنا جائز نہیں تھا اس لیے اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾

کہ جب یہ حرمت والے مہینے ختم ہو جائیں تو یہ لوگ جہاں ملیں انہیں قتل کر دو۔ یہ لوگ کلمہ پڑھیں یا یہاں سے دوڑ جائیں یا ان کو قتل کر دو۔

اور یہ آپ کے ذہن میں ہونا چاہیے کہ جزیرۃ العرب کے جو مشرکین ہیں ان کے لیے قانون عام کفار سے بالکل الگ ہے۔ عام کفار کے لیے قانون یہ ہے کہ کلمہ نہیں پڑھتے تو پھر جزیہ دیں اور اگر جزیہ نہیں دیتے تو پھر قتال کریں لیکن مشرکینِ مکہ اور عربوں کے لیے قانون یہ ہے کہ کلمہ یا قتال ہو گا، جزیہ دے کر وہ زندہ رہیں اس کی ان کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو پوری دنیا کے لیے یہی ضابطہ ہو گا، اس وقت جزیہ کا قانون ختم ہو جائے گا، یا کلمہ یا قتال ہو گا۔ اس لیے قرآن کریم کی آیات کی رو سے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو دنیا میں ایک بھی کافر زندہ نہیں رہے گا؛ یا کلمہ پڑھیں گے یا ان کو جہنم رسید کر دیا جائے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ ہو گا کہ کفار کو قتل کرنے کے لیے ان کو تلوار چلانے کی حاجت بھی پیش نہیں آئے گی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سانس لیں گے اور جہاں تک ان کے سانس کی ہوا پہنچے گی وہاں تک کافر ختم ہو جائیں گے اور یہ سانس کہاں تک جائے گا جہاں تک ان کی نگاہ کام کرے گی۔ (سبحان اللہ۔ سامعین)

یہ ان کا معجزہ ہو گا اور بہت تھوڑے ہی عرصے میں کفار اس دنیا سے ختم ہو جائیں گے۔ ایک وقت آئے گا کہ صرف کلمہ گو مسلمان اس دنیا میں رہ جائیں گے۔ اللہ رب العزت مجھے اور آپ سب کو فتنوں سے محفوظ رکھے۔ (آمین۔ سامعین)

[4]: جن مشرکین کے ساتھ معاہدہ تھا اور ان لوگوں نے اس معاہدے کی پابندی کی ہے ان کے بارے میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْــًٔا وَّ لَمْ

يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ﴾

ان کے معاہدے کو پورا کرو، جب مدت پوری ہو جائے گی تو پھر تمہارا اور ان کا اعلان جنگ ہو گا، تمہیں وعدے کی پابندی کرنی چاہیے۔

اور وہ مشرکین کہ جن کے ساتھ - جیسے پہلے میں نے عرض کیا- کہ کوئی وعدہ یا معاہدہ نہیں تھا یا معاہدہ تھا اور تعین نہیں تھی ان کے لیے فرمایا:

﴿وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ﴾

اے میرے پیغمبر! حج کے موقع پر اعلان کروا دیا جائے کہ اللہ اور اللہ کے رسول مشرکین سے بری ہیں، اے مشرکو! تم کلمہ پڑھ سکتے ہو تو پڑھو، اگر کلمہ نہیں پڑھ سکتے تو پھر تمہاری گردنیں کاٹ دی جائیں گی۔ اگر دنیا میں رہنا ہے تو کلمہ پڑھنا ہو گا اس کے علاوہ دنیا میں نہیں رہ سکتے۔

یہ میں نے چار قسم کے مشرکین کا خلاصہ بیان کیا ہے۔

میدانِ عرفات میں براءت کا اعلان:

یہ آیات جب نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ میدانِ عرفہ میں جب لوگ جمع ہوں گے، سارے قبائل ہوں گے تو آپ نے یہ اعلان کرنا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ تمہارا اعلان تمام قبائل میں پھیل جائے گا، چنانچہ انہوں نے اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان فرمایا۔

عجیب بات ہے کہ وہ عرفہ کا دن جمعہ کا دن تھا۔ ہمارے ہاں ایک غلط بات مشہور ہے کہ جس حج میں عرفہ جمعہ کا دن ہو تو کہتے ہیں آج کا حج؛ حجِ اکبر ہے حالانکہ یہ

بات صحیح نہیں ہے۔ عربی زبان میں حج کو حجِ اکبر کہتے ہیں اور عمرہ کو حجِ اصغر کہتے ہیں، حج یہ بڑا حج ہے اور عمرہ یہ چھوٹا حج ہے۔

خیر اصل بات میں یہ سمجھا رہا تھا کہ سورۃ براءت میں اللہ تعالیٰ نے چونکہ مشرکینِ مکہ سے براءت کا علان فرمایا ہے اس لیے اس سورۃ کا نام سورۃ براءت بھی ہے۔

"بسم اللہ" ہر سورت کا جزء ہے یا نہیں؟

ایک مسئلہ اور بھی ذہن نشین فرمالیں۔ قرآن کریم کی 114 سورتیں ہیں اور سورہ توبہ کے علاوہ ہر سورت کی ابتدا میں بسم اللہ موجود ہے لیکن ہر سورت کے شروع میں جو بسم اللہ ہے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق یہ اس سورت کا جزء نہیں ہے، جو بسم اللہ قرآن کریم کا جزء ہے وہ یہ ہے:

﴿اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۳۰﴾[153]

ہر سورت کے شروع میں جو بسم اللہ ہے وہ سورت کا جزء نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ پھر یہ لکھی کیوں جاتی ہے؟ تو وہ اس لیے تاکہ پتا چلے کہ ایک سورت ختم ہوگئی ہے اور دوسری شروع ہو رہی ہے۔ یہ ہر دو سورتوں کے درمیان فصل اور علامت کے طور پر لکھی جاتی ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بسم اللہ قرآن کا جزء ہے لیکن لا علی تعیین السورۃ کسی خاص سورت کا جزء نہیں ہے بلکہ بسم اللہ صرف قرآن کا جزء ہے۔ تو اس اعتبار سے رمضان المبارک میں ہمارے امام صاحب یا قاری صاحب یا حافظ صاحب جب الحمد سے لے کر والناس تک پورا قرآن کریم ہمیں سناتے

153۔ النمل 30:27

ہیں تو ان کو چاہیے کہ کسی ایک سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اونچی آواز سے پڑھ دیا کریں تاکہ مقتدی پورا قرآن سنیں، اس لیے کہ یہ قرآن کریم کا جزء ہے۔ اگر کسی حافظ نے پورے قرآن کی 114 سورتوں میں سے کسی ایک سورت کے شروع میں بھی بسم اللہ جہراً نہ پڑھا تو قرآن کریم کا اجر تو مل جائے گا لیکن تراویح میں پورے قرآن کا جو اجر اونچی آواز سے پڑھنے اور سننے کا ہوتا ہے وہ ایک آیت سننے سے مقتدی محروم رہ جائیں گے۔ اگر چہ امام پڑھے گا اور مقتدی کو ثواب تو ملے گا لیکن جو اپنے کانوں سے قرآن سننے کا ثواب ہے وہ اس سے محروم رہ جائیں گے۔

سورۃ التوبۃ کے شروع میں بسم اللہ نہ ہونے کی حکمت:

بعض حضرات نے اس کی حکمت بیان کی ہے کہ اس سورت کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں ہے! حکمت اور چیز ہوتی ہے، سبب اور چیز ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس حکمت اور اس نکتہ کو اصل سبب سمجھ لیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول یہ ہے کہ چونکہ اس سورت میں براءت کا اعلان ہے اور براءت میں رحم نہیں ہوتا بلکہ براءت میں سزا اور عقاب کا پہلو غالب ہوتا ہے، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اللہ کا نام اور رحمٰن ورحیم یہ دونوں صفتیں ہیں اور ان سے رحمت اور شفقت کے پہلو نکلتے ہیں اور جب تلوار چلتی ہے تو پھر رحمت اور شفقت کے پہلو نہیں ہوتے، تو چونکہ اس سورت میں براءت کا اعلان ہے اور مشرکین کے قتل کا حکم ہے اس لیے اس سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں ہے۔ یہ حکمت ضرور ہے لیکن اصلی سبب نہیں ہے۔

شروع میں بسم اللہ نہ لکھنے کا اصلی سبب:

اصلی سبب وہ ہے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ ظاہر ہے کہ پورے قرآن کو جمع انہوں نے کیا ہے۔ اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہیں

تھی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دیکھو! یہ قرآن کریم ہے، اس میں ہماری آراء اور عقل کو دخل نہیں ہے، جبرائیل امین آتے اور ایک سورت نازل ہوتی یا ایک خاص آیت نازل ہوتی، جبرئیل امین نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی بتاتے تھے کہ یہ آیت آئی ہے اس کو فلاں سورت میں فلاں جگہ پر رکھیں اور جب سورت نازل ہوتی تو یہ بھی بتاتے کہ اس سورت کو فلاں جگہ پر رکھیں اور جب اگلی سورت شروع ہوتی یا آیت شروع ہوتی تو فرماتے کہ یہاں بسم اللہ لکھ دیں تاکہ یہ سورت الگ ہو جائے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سورت التوبۃ نازل ہوئی تو اس سورت کے شروع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ لکھوائی بھی نہیں اور بتائی بھی نہیں، اب ہمیں سمجھ نہیں آرہی تھی کہ سورۃ التوبۃ مستقل سورت ہے یا اس سے پہلے جو سورۃ الانفال ہے اس کا جزء ہے! اگر یہ اس کا جزء ہو تو بسم اللہ نہیں ہونی چاہیے اور اگر اس کا جزء نہ ہو تو بسم اللہ ہونی چاہیے لیکن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا نہیں ہے کہ اس کا جزء ہے یا اس کا جزء نہیں ہے۔ اب ہم اس کے بارے میں کیا رائے قائم کریں؟

ایک تو یہ مسئلہ پیش آیا اور دوسری الجھن کیا تھی؟ - یہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تحقیق اور ان کا نقطہ نظر پیش کر رہا ہوں - کہ قرآن کریم کی 114 سورتیں ہیں، سورۃ الفاتحۃ کے علاوہ جو ﴿الٓمّٓ ۝۱﴾ سے قرآن کریم کا آغاز ہوتا ہے اس میں ترتیب یہ ہے کہ قرآن کریم کی بعض سورتیں ایسی ہیں جن کی آیات 100 سے زائد ہیں اور بعض سورتیں وہ ہیں جن کی آیات کی تعداد 100 سے کچھ کم ہے لیکن 100 کے قریب قریب ہے اور بعض سورتیں وہ ہیں کہ جن میں آیات اس سے بھی کم ہیں۔ تو پہلے ان سورتوں کو رکھا ہے جن کی آیات کی تعداد 100 سے زیادہ ہے اور

انہیں عربی زبان میں کہتے ہیں "مِئِین"۔ مِئِین یہ مأة کی جمع ہے، مأة کہتے ہیں 100 کو اور بعد میں وہ سورتیں رکھی ہیں جن کی آیات کی تعداد 100 سے کم ہے لیکن 100 کے قریب قریب بنتی ہے، انہیں کہتے ہیں "مثانی" اور بعد میں وہ سورتیں آئی ہیں جن میں آیات بہت کم ہیں، انہیں "مفصلات" کہتے ہیں۔

پھر مفصلات کی تین قسمیں ہیں: ایک ہے طوالِ مفصل، ایک ہے اوساطِ مفصل اور ایک ہے قصارِ مفصل۔ طوالِ مفصل؛ لمبی سورتیں ہیں، یہ ظہر اور فجر کی نماز میں پڑھتے ہیں۔ اوساطِ مفصل؛ یہ سورتیں مفصل تو ہیں لیکن درمیانی ہیں یہ عشاء اور عصر کی نماز میں پڑھتے ہیں اور قصارِ مفصل؛ یہ سورتیں مفصل تو ہیں لیکن چھوٹی ہیں یہ مغرب کی نماز میں پڑھتے ہیں۔ یہ مستقل تقسیم ہے۔

میں اصل بات جو سمجھانا چاہ رہا تھا وہ یہ ہے کہ سورۃ التوبۃ کی آیات ہیں 129 اور اس سے پہلے سورۃ الانفال کی آیات کی تعداد ہے 75۔ اب بتائیں کہ اس اصول کی رو سے سورۃ الانفال کو پہلے ہونا چاہیے تھا یا سورۃ التوبۃ کو پہلے ہونا چاہیے تھا؟ (سورۃ التوبۃ کو۔ سامعین) تو سورۃ الانفال کو بعد میں ہونا چاہیے اور سورۃ التوبۃ کو پہلے ہونا چاہیے تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ الانفال پہلے ہے اور سورۃ التوبۃ بعد میں ہے، اور اب یہ بالکل قیاس کے خلاف تھا۔

اب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس میں ہم سوچتے تھے کہ سورۃ التوبۃ سورۃ الانفال کا جزء ہے یا نہیں؟ جب یہ دیکھا کہ انفال کی آیات پہلے نازل ہوئی ہیں اور توبہ کی بعد میں نازل ہوئی ہیں تو پتا چلا کہ انفال پہلے ہے اور سورۃ توبہ بعد میں ہے لیکن اب سارے قیاس اور ضابطے چھوڑ دیے چونکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ نہیں لکھوائی اس لیے ہم بھی نہیں لکھتے، البتہ اتنا کرتے ہیں کہ انفال اور توبہ کے درمیان جگہ خالی چھوڑ دی جائے یہ بتانے کے لیے کہ سورۃ انفال ختم ہو گئی

ہے اور سورۃ توبہ شروع ہو گئی ہے۔

سورۃ التوبۃ پڑھتے وقت بسم اللہ پڑھنے کا مسئلہ:

بعض لوگوں نے جہالت کی بنیاد پر عوام میں ایک نیا مسئلہ نکال دیا کہ سورت التوبۃ کے شروع میں اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھتے ہیں۔ یہاں اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم نہ پڑھیں، جب سورۃ الانفال ختم کی تو بغیر بسم اللہ پڑھے سورۃ التوبۃ کو شروع کر دیں لیکن اگر تلاوت ہی سورۃ التوبہ سے آپ شروع کریں تو پھر اعوذ باللہ بھی پڑھیں اور بسم اللہ بھی پڑھیں، کیونکہ اب یہ بسم اللہ سورۃ توبہ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ بسم اللہ اس وجہ سے ہے کہ آپ نے قرآن کریم کی تلاوت کا آغاز کیا ہے اور جب قرآن کا آغاز کریں تو اعوذ باللہ بھی پڑھتے ہیں اور بسم اللہ بھی پڑھتے ہیں۔

خیر میں عرض کر رہا تھا کہ اس سورت کے شروع میں اللہ رب العزت نے مشرکین کی چاروں قسموں کا تذکرہ فرما دیا ہے۔

مخالفت نظریات سے نہ کہ ذاتیات سے:

﴿فَاِنۡ تَابُوۡا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخۡوَانُکُمۡ فِی الدِّیۡنِ ؕ﴾[154]

دیکھو! قرآن کتنی عجیب بات فرماتا ہے۔ فرمایا کہ مشرکین کو تم قتل کرو اگر یہ کلمہ نہیں پڑھتے لیکن اگر یہ توبہ کریں، نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اب یہ تمہارے دشمن نہیں بلکہ تمہارے بھائی ہیں۔ اب ان سے نہیں لڑنا! پتا یہ چلا کہ مسلمان کی لڑائی کسی سے ذاتیات کی بنیاد پر نہیں ہوتی بلکہ نظریات کی بنیاد پر ہوتی ہے۔

154۔ التوبۃ 9:11

مانعینِ زکوٰۃ اور حضرت ابو بکر صدیق:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں بعض لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے منع کر دیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے استدلال پکڑا اور فرمانے لگے کہ اگر یہ زکوٰۃ نہیں دیں گے تو میں ان کے ساتھ قتال کروں گا، میں ان کی گردنیں اڑاؤں گا، میں ان سے جہاد کروں گا۔

یہ نکتہ سمجھنے کا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کن سے قتال کرنے کا اعلان کیا ہے! وہ منکرینِ زکوٰۃ نہیں تھے بلکہ مانعین زکوٰۃ تھے، انکار کا معنیٰ اور ہوتا ہے اور منع کا معنیٰ اور ہوتا ہے۔ انکار کا معنیٰ ہوتا ہے کہ میں زکوٰۃ کو مانتا ہی نہیں اور منع کا معنیٰ ہوتا ہے کہ میں مانتا تو ہوں لیکن آپ کو دیتا نہیں۔ جو بھی باطل اٹھتا ہے وہ دلیل میں قرآن پیش کرتا ہے اور معنی اپنی مرضی کا بیان کرتا ہے۔ مانعینِ زکوٰۃ نے کہا کہ ہمارے پاس قرآن سے دلیل ہے۔ پوچھا گیا کہ قرآن سے کیا دلیل ہے؟ انہوں نے کہا کہ قرآن کہتا ہے:

﴿خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ﴾ [155]

اے نبی! آپ ان سے زکوٰۃ لیں اور ان کو پاک کریں۔

تو وہ کہنے لگے کہ یہ حکم اللہ کے نبی کو تھا، آپ کو کیسے حکم ہو گیا؟ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو ہم زکوٰۃ دیتے تھے، اب حضور چلے گئے ہیں اس لیے ہم آپ کو زکوٰۃ نہیں دیتے۔

اب صدیق اکبر کا جملہ سنو! حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: جو کام اللہ کے نبی نے کیا وہ صدیق ضرور کرے گا، اس لیے کہ میں اللہ کے نبی کا جانشین

155۔ التوبۃ9:103

ہوں:

"وَاللهِ! لَوْ مَنَعُوْنِيْ عِقَالًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهُ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهِ"[156]

ایک رسی جو تم زکوٰۃ میں اللہ کے نبی کو دیا کرتے تھے اگر آج تم نے نہ دی تو میں صدیق تمہاری گردنیں اڑا کر رکھ دوں گا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایسے کھڑے ہوئے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا بندہ بھی فرمانے لگا: ابو بکر! یہاں تو بڑے بڑے فتنے ہیں، اس لیے آپ ان لوگوں کو تھوڑا سا چھوڑ دیں، ان سے بعد میں لڑ لیں گے۔

اب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جملہ سنیں! انہوں نے فرمایا: "أَجَبَّارٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارٌ فِي الْإِسْلَامِ؟" عمر! جب کلمہ نہیں پڑھا تھا بہت دلیر تھے اور کلمہ پڑھنے کے بعد یہ بزدلی؟ پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: "أَيَنْقُصُ وَأَنَا حَيٌّ؟"[157] دین میں کمی آجائے اور ابو بکر زندہ رہے یہ نہیں ہو سکتا۔

اور آپ یقین فرمائیں محدثین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس مقام پر کھڑے تھے جس مقام پر نبی کھڑا ہوتا ہے۔ پوری امت مخالف ہو اور بندہ پھر حق بیان کرے یہ نبی کی شان ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صحابی بھی کہہ رہے ہیں کہ ابو بکر! کچھ خیال فرمائیں، کس کس سے لڑیں گے؟

آج یہ بات لوگ ہمیں سمجھاتے ہیں کہ مولانا صاحب! آپ کس کس کے

156۔ سنن ابی داؤد، رقم: 1556

157۔ جامع الاصول فی احادیث الرسول لابن اثیر الجزری: ج6 ص283 رقم 6426

ساتھ لڑیں گے؟ میں کہتا ہوں کہ سبحان اللہ! ہم نے تھوڑی لڑنا ہے، حق بیان کرنا ہمارے ذمے ہے اور مدد و نصرت ہمارے ذمے نہیں بلکہ اللہ کے ذمے ہے، مسلمان اپنی طاقت پر تو نہیں لڑتا، مسلمان جب بھی لڑتا ہے اللہ کے بھروسے پر لڑتا ہے۔

لشکرِ اسامہ کی روانگی:

اور میں ایک عجیب بات عرض کرتا ہوں بات چل جو پڑی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا سے جانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا لشکر بھیجا کہ جاؤ منکرینِ ختم نبوت کے خلاف جہاد کرو۔ ابھی وہ لشکر مدینے سے باہر تھا، روانہ نہیں ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی جس کی وجہ سے وہ لشکر نہ جا سکا۔ بعد میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسامہ! لشکر تیار کرو اور نکلو، تم نے منکرین ختم نبوت کو مارنا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ابو بکر! آپ کیسی بات کرتے ہیں؟ اِس سے بھی لڑائی، اُس سے بھی لڑائی، مدینہ تو سارا خالی ہو گیا ہے، مدینہ میں کوئی مرد نہیں رہا، اگر عیسائیوں کو اس بات کا پتا چل گیا اور انہوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کر دیا تو بتاؤ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا کیا بنے گا؟ امہات المؤمنین کا کیا بنے گا؟

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

"لَوْ جَرَّتِ الْكِلَابُ بِأَرْجُلِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَدَدْتُ جَيْشًا وَجَّهَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ."

اتنا سخت جملہ ہے یہ صدیق اکبر ہی کہہ سکتے ہیں، اللہ کی قسم میں تو ترجمہ کرنے سے ڈرتا ہوں یعنی مجھ سے ترجمہ کرنے کی ہمت نہیں ہوتی کہ میں اس ترجمہ کو کیسے بیان کروں؟ یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی فرما سکتے ہیں۔ فرمایا: "لَوْ جَرَّتِ الْكِلَابُ بِأَرْجُلِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" اگر مدینہ منورہ کی حالت یہ ہو

جائے کہ کتے آجائیں اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو گھسیٹنا شروع کر دیں تو میں یہ برداشت کرلوں گا لیکن جو قافلہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ کیا ہے اس کو صدیق نہیں روک سکتا![158]

آپ اندازہ کریں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کتنا ایمان ہو گا! کوئی بندہ تصور کر سکتا ہے!

محدثین لکھتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس مقام پر کھڑے ہو گئے کہ مدینہ خالی ہو گیا تو اللہ رب العزت نے مشرکین، یہود اور عیسائیوں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ مسلمان عورتوں کے بارے میں بڑے غیرت مند ہوتے ہیں، اتنے افراد انہوں نے باہر بھیج دیے ہیں تو مدینے میں کتنے رکھے ہوں گے! اس لیے ان سے بچو اور مدینے پر حملے کا سوچو بھی مت۔ یوں انہوں نے مدینہ پر حملے کا خیال ہی چھوڑ دیا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا استدلال:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی آیت سے استدلال فرمایا تھا:

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ﴾[159] کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر یہ ایمان لائیں، توبہ کریں، زکوٰۃ دیں، نماز ادا کریں تو تمہارے بھائی ہیں۔ شخص زکوٰۃ دینے سے انکار کرتا ہے، زکوٰۃ نہیں دیتا وہ ہمارا بھائی نہیں ہے۔

اس سے اندازہ لگاؤ کہ زکوٰۃ کا ادا کرنا کتنا ضروری ہے۔ میں خدا کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ اگر مسلمان اپنی زکوٰۃ اور اپنا عشر ادا کرنا شروع کر دیں تو دنیا میں کوئی بھیک

158۔ کنز العمال: ج5 ص241 رقم 14062

159۔ التوبۃ 11:9

مانگنے والا بندہ تمہیں نظر نہیں آئے گا، دنیا میں کوئی تمہیں غریب کوئی بیوہ نظر نہ آئے، کوئی یتیم تمہیں سسکیاں بھرتا نظر نہ آئے۔ اللہ رب العزت ہم سب کو اپنی زکوٰۃ اور عشر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین۔ سامعین)

ترکِ جہاد کی وجوہات:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ِاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾﴾

آدمی جب بھی جہاد سے جان چھڑاتا ہے تو ان آٹھ میں سے کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے، اللہ نے یہ آٹھوں وجوہات بیان فرمادی ہیں۔ کوئی جہاد میں نہیں جاتا اس لیے کہ میرے ابو موجود ہیں، میری امی جان موجود ہیں تو میں ان کو چھوڑ کر کیسے جاؤں؟ کوئی نہیں جاتا کہ میرے گھر میں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، میں ان کو چھوڑ کر کیسے جاؤں؟ کوئی نہیں جاتا اس لیے کہ میرے چھوٹے بھائی ہیں اور میرے ابو جی دنیا سے چلے گئے ہیں تو میں ان کو چھوڑ کر کیسے جاؤں؟ کوئی کہتا ہے کہ میرا دل تو بہت کرتا ہے لیکن نئی نئی شادی ہے، اب بیوی چھوڑ کر کیسے جاؤں؟ اور کوئی کہتا ہے کہ میرا دل تو بہت کرتا ہے لیکن میرا خاندان نہیں مانتا، میں کیسے جاؤں؟ اور بعض کہتے ہیں کہ ہم جانا تو چاہتے ہیں لیکن ہماری دکان کا مسئلہ ہے، نئی نئی دکان شروع کی ہے، اگر ہم جہاد پر چلے گئے تو دکان کا کیا بنے گا؟ کسی کو دولت کی فکر ہے، کسی نے نیا مکان اور نئی کوٹھی بنائی ہے۔ تو کل کتنی وجوہات بنتی ہیں؟ (آٹھ۔ سامعین)

1: والدین، 2: بیٹے، 3: اولاد، 4: بھائی، 4: بیوی، 5: خاندان، 6: مال، 7: تجارت، 8: اس

کے رہنے کی جگہیں یعنی مکانات۔

اللہ فرماتے ہیں: جو بندہ ان وجوہ کی بنیاد پر جہاد میں نہیں جاتا ﴿فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾ تو وہ اللہ کے عذاب کا انتظار کرے۔

مجاہدین کے خلاف بات نہ کرو!

میں ایک چھوٹی سی بات کرتا ہوں۔ آپ جہاد میں نہیں جاسکتے یہ بات الگ ہے لیکن جہاد کے خلاف بات کر کے کبھی اپنے ایمان کو برباد نہ کرنا! بعض لوگ جاتے بھی نہیں ہیں اور مجاہدین پر اعتراض کر کے ان کے زخموں پر نمک بھی چھڑکتے ہیں، خدا کے لیے یہ جرم کبھی نہ کرنا!

میں یہاں ایک بات سمجھانا چاہتا ہوں۔ بسا اوقات میرے سفر اتنے ٹف ہوتے ہیں کہ اللہ گواہ ہے شاید سوچنا بھی آپ کے بس میں نہ ہو۔

میرے ساتھ ایک تبلیغی مدرسہ کے چند لڑکے تھے۔ انہوں نے کہا کہ تین دن ہمیں چھٹیاں ہیں۔ ہم نے آپ کے ساتھ جانا ہے۔ میں نے کہا: یہ سہ روزہ تمہارے بس میں نہیں ہے۔ انہوں نے کہا: ہم نے آنا ہے۔ میں نے کہا: آپ میں سے جس کا جی کرے آجائے، میرے ساتھ سفر کرے اور دیکھے کہ میرا سفر کتنی مشقت والا ہوتا ہے۔

ابھی میرا ایک ہفتے کا کشمیر کا دورہ تھا۔ اس سفر میں میرے پاس Surf گاڑی تھی جو ابھی اسلام آباد ورکشاپ میں کھڑی ہے اس پر اڑھائی لاکھ روپے خرچہ آنا ہے تب جاکر اس نے ٹھیک ہونا ہے۔ یہ ہے ایک ہفتے کے دورے کی وجہ سے خرچ۔ آپ اندازہ کریں کہ وہ کتنا ٹَف دورہ ہو گا۔ ایک ہفتے میں مَیں ایک ضلع سے داخل ہوا اور مظفر آباد سے جاکر نکلا۔ ایک ایک دن میں تین تین بیان کرنا اور چھ چھ گھنٹے پہاڑی کا سفر کرنا یہ نام لینا بہت آسان ہے لیکن سفر کرنا بہت مشکل ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ میں

دنیا بھر میں اپنے میزبان سے تقریر کے پیسے بھی نہیں مانگتا۔ اگر پیسے مانگوں تو کہتے ہیں کہ مولوی پیسے مانگتے ہیں اور نہ مانگوں تو کہتے ہیں کہ ایجنسیوں کا ہے، اس کے پاس پیسہ کہاں سے آتا ہے؟ میں نے کہا: یہ سارے تاجر ایجنسیوں کے بیٹھے ہیں؟ اگر ان کے ایجنسی کے ہونے کی یہی دلیل ہے تو پھر-اللہ معاف کرے-سب ایسے ہی ہیں۔

خیر میں نے سفر کیا تو وہ طالب علم ایک رات میں ہی واپس آ گئے۔ انہوں نے کہا: مولانا صاحب! یہ سفر آپ ہی کر سکتے ہیں، ہمارے لیے بہت مشکل ہے۔ میں اصل جو بات سمجھا رہا تھا وہ یہ تھی کہ میں سفر میں تھا تو مجھے ایک مولانا صاحب فرمانے لگے: آپ بہت بڑا جہاد کر رہے ہیں۔ میں نے کہا: یہ جھوٹ نہ بولو، میں تقریر کرتا ہوں، میں مناظرہ کر لوں گا لیکن اس کو جہاد مت کہو! قرآن کریم نے منافقین کی علامت بیان کی ہے کہ:

﴿وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا﴾[160]

کہ وہ کچھ کرتے بھی نہیں ہیں اور چاہتے ہیں کہ لوگ ہمیں اس نام سے یاد کریں۔

میں نے ان سے کہا کہ میں جب جہاد نہیں کرتا تو مجھے مجاہد کیوں کہتے ہو؟ مجھے مولوی صاحب کہو، حافظ صاحب کہو، قاری صاحب کہو، مجاہد نہ کہو!

خیر میں بات سمجھا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر آٹھ وجوہ سے تم جہاد کرنا چھوڑ دو تو پھر تمہیں اللہ کے عذاب کا انتظار کرنا چاہیے۔ اللہ رب العزت ہم سب کو عذاب سے محفوظ رکھے۔ اللہ ہمیں خالص مسئلہ بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین۔ سامعین)

160۔ آل عمران 188:3

میری آپ حضرات سے اتنی سی گزارش ہے کہ اگر آپ جہاد کر سکتے ہیں تو کریں، اگر نہیں کر سکتے تو خود کو مجاہد نہ کہیں اور مجاہدین کے زخموں پر نمک نہ چھڑکیں! یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ شاید کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کو اس کا جواب نہ دے سکے۔

والدین کی خدمت جہاد؟ ایک مکالمہ:

یہ چونکہ ایک وسیع موضوع ہے اس لیے میں اس پر لمبی بات نہیں کرتا، بس صرف ایک بات کرتا ہوں۔ مجھے ایک ساتھی نے کہا: جب والدین گھر میں ہوں تو پھر تو جہاد نہیں ہوتا۔ میں نے کہا: بیوی گھر میں ہو تو پھر بھی جہاد نہیں ہوتا! مجھے وہ کہتا ہے: وہ کیسے؟ میں نے کہا: اُس کی دلیل تو دے، اِس کی دلیل میں دیتا ہوں۔ کہنے لگا: ایک صحابی آئے، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے جہاد میں جانا ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں زندہ ہیں۔ فرمایا: "فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ"[161] ان کی خدمت کر یہی جہاد ہے۔ میں نے کہا: یہی دلیل ہے؟ اس نے کہا: جی یہی دلیل ہے۔ میں نے کہا: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں جانا چاہتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری بیوی بیمار ہے، تم ان کی خدمت کرو یہی تمہارا جہاد ہے۔ تو بیوی کی خدمت بھی جہاد بنا! صرف والدین کی خدمت جہاد کیسے ہوئی؟ اب وہ چپ ہو گیا۔ بعد میں کہنے لگا کہ پھر کیا مطلب ہے؟ میں نے کہا: مطلب تم سمجھو میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔

میں نے کہا: دیکھو ایک شخص یہاں سے جاتا ہے کہ میں چلہ پر جاؤں۔ یہاں سے مرکز جائے، بستر لے جائے، پیسے جیب میں رکھ کے جائے، کہے کہ میں تو چلے کے لیے آگیا ہوں لیکن میری امی جان سخت بیمار ہیں۔ امیر صاحب! اگر آپ اجازت دیں تو

161۔ صحیح البخاری، رقم: 3004

میں گھر چلا جاؤں؟ اب امیر صاحب کہہ دیں کہ بیٹا! تو گھر چلا جا، یہی تیرا چلہ ہے۔ اب بتاؤ ثواب ملے گا یا نہیں؟ (ملے گا۔ سامعین) اور ایک بندہ گھر بیٹھ کر کہے کہ میں نے چلہ پر نہیں جانا، کیونکہ میری امی جان گھر میں ہیں، میں ان کی خدمت کروں گا، یہی میرا چلہ ہے۔ کوئی پوچھے کہ تمہارا امی کی خدمت کرنا کیسے چلہ ہوا؟ وہ کہے کہ جی اُس کا امی کی خدمت کرنا چلہ بنتا ہے تو میرا خدمت کرنا کیوں چلہ نہیں؟ ہم کہیں گے کہ وہ امیر صاحب کے پاس چلا گیا تھا اور تشکیل کروا کر واپس آگیا تھا اور آپ تو گئے ہی نہیں۔ اسی طرح وہ صحابی آئے تھے کہ حضور! میں جانا چاہتا ہوں۔ فرمایا: والدہ کی خدمت کر یہی تیرا جہاد ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ میں جانا چاہتا ہوں۔ فرمایا: بیوی کی خدمت کر یہ تیرا جہاد ہے۔ لیکن خود فیصلہ نہ کرو بلکہ امیر فیصلہ کرے تو ٹھیک ہے اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم خود فیصلے شروع کر دیتے ہیں کہ میں نہیں جاتا کہ میرا فلاں عذر ہے۔

بعض لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ اگر جہاد ضروری ہوتا تو فلاں مفتی صاحب کیوں نہیں جاتے؟ میں نے کہا: مفتی صاحب کوئی دلیل شرعی ہیں؟ ان کا اپنا کوئی عذر ہو گا۔ میرا اپنا عذر ہے، کسی کا اپنا عذر ہو گا، ہمارے عذروں کی وجہ سے مسئلے نہیں بدلا کرتے۔ مسئلہ وہی بیان کریں جو اللہ نے بیان فرما دیا ہے۔ اللہ ہمیں حق اور سچ مسئلہ بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین۔ سامعین)

غزوہ حنین کا واقعہ:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ﴾[162]

162۔ التوبۃ 9:25

یہ بڑا اہم مسئلہ ہے جو سمجھنے کا ہے۔ ان آیات میں اللہ رب العزت نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ فرمایا ہے اور غزوہ حنین کا تذکرہ کیا ہے۔ اللہ رب العزت نے جب مکہ مکرمہ مسلمانوں کے ہاتھ پہ فتح کرا دیا تو مکہ مکرمہ سے سات آٹھ میل کے فاصلے پر ایک جگہ ہے "حنین"، یہ طائف اور مکہ کے درمیان ہے۔ وہاں پر کچھ لوگ جمع ہوئے۔ قبیلہ ہوازن جو بہت بڑا قبیلہ تھا ان کے سردار مالک بن عوف تھے جو بعد میں مسلمان ہوئے تھے۔ وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سردار جمع کر لیے اور میں نے کہا کہ -العیاذ باللہ- محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے لڑائی لڑی ہے جو اناڑی تھے، یہ ہم سے لڑیں گے تو ان کو سمجھ آ جائے گی، اس لیے تم اپنے سردار اکٹھے کرو۔

سارے لوگ اکٹھے ہو گئے تو انہوں نے کہا: اپنی عورتیں لے آؤ، بچوں کو بھی لے آؤ، سامان بھی لے آؤ تا کہ واپسی کے سارے راستے ختم ہو جائیں۔ یہ لوگ جمع ہو گئے۔ ان کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت ہے کہ چوبیس ہزار تھے اور ایک روایت میں ہے کہ چار ہزار تھے۔

مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ عورتیں، بچے اور بوڑھے سب ملاؤ تو چوبیس ہزار تھے اور صرف جنگجو شمار کرو تو پھر تعداد چار ہزار بنتی ہے۔

اور مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ دس ہزار تو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جو مکہ مکرمہ کی فتح کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تھے اور دو ہزار وہ تھے جو فتح مکہ کے موقع پر مکہ اور اطرافِ مکہ میں سے مسلمان ہوئے تھے تو وہ بھی ساتھ شامل ہو گئے۔

یہ چودہ ہزار کا لشکر تو مجاہدین کا تھا۔ ان کے ساتھ مکہ کے بعض وہ لوگ بھی

شامل ہو گئے جن کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف پرانی نفرتیں اور کدورتیں تھیں۔ غزوہ بدر میں ان کے کچھ آدمی مارے گئے تھے، اور کسی کے غزوہ احد میں مارے گئے تھے۔ تو انہوں نے سوچا کہ ہم بھی ساتھ چلتے ہیں۔ اگر یہ طائف والے ان مسلمانوں پر غالب آ گئے تو ہم بھی اپنے ہاتھ صاف کر لیں گے اور اگر یہ مسلمان ان طائف والوں پر غالب آ گئے تو مالِ غنیمت میں ہمیں بھی مال مل جائے گا۔ تو کچھ لوگ یوں تماشائی بن کر ان کے ساتھ چلے۔

شیبہ بن عثمان کا واقعہ:

روایات میں آتا ہے کہ ایک شخص تھے جن کا نام شیبہ بن عثمان تھا، وہ اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ میرا باپ حضرت حمزہ کے ہاتھ سے اور میرا چچا حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ہاتھ سے غزوہ بدر میں قتل ہوا تھا۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں مسلمانوں کے ساتھ چل پڑتا ہوں اور میں کوشش کروں گا کہ مجھے موقع ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر -العیاذ باللہ- حملہ کر دوں۔ میں اس نیت سے ساتھ چلا۔ یہ بڑا عجیب درد بھرا اور دلچسپ واقعہ ہے۔

شیبہ بن عثمان کہتے ہیں کہ میں موقع پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہ اللہ کے نبی کو قتل کر دوں لیکن دیکھا کہ دائیں جانب حضرت عباس رضی اللہ عنہ موجود تھے اور بائیں طرف حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کی جانب سے آیا کہ پیچھے سے حملہ کر دوں۔ بس میں حملہ کرنے ہی والا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ لیا تو مجھے بلا لیا۔ میں آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ پھیرا۔ جوں ہی میرے سینے پر ہاتھ رکھا اور دعا دی کہ یا اللہ! اس سے شیطان کو دور کر دے۔ میں نے دل میں ایسی ٹھنڈک محسوس کی جو میں بتا نہیں سکتا۔

اب جو میں نے اپنی نظر اٹھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے کان، آنکھ اور جان سے زیادہ عزیز ہو گئے تھے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا کہ کفار سے جا کر لڑو! چنانچہ میں کفار سے ہمت و جرات سے لڑا۔ جب اس غزوہ سے واپس آئے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے فرمانے لگے کہ تو اس ارادے سے آیا تھا کہ تو مجھ پر حملہ کر دے لیکن اللہ نے تجھ سے نیک کام لینے کا ارادہ کیا تھا اور وہ ہو کر رہا۔ تو شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آیا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے لیے اور جب واپس ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج کا سپاہی بنا ہوا تھا۔ (سبحان اللہ۔ سامعین)

تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟

اسی غزوہ حنین کے سفر میں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ ایک صحابی ہیں جن کا نام تھا حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے، ایک کافر آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار اپنے ہاتھ میں لی، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے تھے، آپ کی آنکھ کھل گئی تو اس کافر نے کہا: "يَا مُحَمَّدُ! مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي؟" اے محمد! بتاؤ تمہیں میرے ہاتھ سے اب کون بچائے گا؟ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ۔ یہ جملہ کہنا تھا کہ وہ کافر کانپ گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھائی اور فرمایا: "مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي "اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں کہ میں اس کا کام تمام کر دوں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: میرے ساتھ میرے اللہ کا وعدہ ہے کہ جب تک میرا دین پوری دنیا میں غالب نہ ہو

جائے مجھے دنیا کا کوئی بندہ نقصان نہیں پہنچا سکتا، چھوڑ دو اس کو۔[163]

خیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ آگے بڑھے۔ اب ان کی تعداد ہے بارہ ہزار اور مقابلے میں کفار کی تعداد ہے چار ہزار۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے دل میں ایک بات آگئی کہ جب ہم جنگِ بدر میں تین سو تیرہ تھے تو غالب آ گئے تھے، اُس وقت تیر اور تلواریں تھوڑی تھیں، اب تو اسلحہ بہت زیادہ ہے اور تعداد بھی بہت زیادہ، آج تو ہم کسی سے مغلوب نہیں ہوں گے۔ یہ بات دل میں آنی ہی تھی کہ جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ ادھر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ادھر سے کفار آرہے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب آئے تو ان مشرکین نے اتنا سخت حملہ کیا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس موقع پر پاؤں اکھڑ گئے۔

قبیلہ ہوازن نے آگے سے حملہ کیا، بعض گھاٹیوں میں چھپ کر بیٹھے تھے انہوں نے وہاں سے حملہ کیا۔ گرد و غبار نے دن کو رات کا منظر بنا دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-ان کی آواز اونچی تھی- اے عباس! آواز لگاؤ اور انصار مدینہ سے کہو کہ تم کدھر ہو؟ تم نے حضور کے ساتھ مرنے اور جینے کا وعدہ کر لیا تھا! حدیبیہ والوں کو آواز لگاؤ کہ تم نے میرے ہاتھ پر موت کا وعدہ کیا تھا! فلاں قبیلے کو آواز لگاؤ! حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے با آواز بلند آواز لگائی۔ یہ آواز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کانوں میں پڑنی تھی کہ فوراًواپس آئے اور پھر دشمن پر حملہ کر دیا۔

حضور علیہ السلام کی ثابت قدمی:

محدثین فرماتے ہیں کہ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ جب اچانک حملہ ہوا تو اس

163۔ امتاع الاسماع للمقریزی: ج14 ص14، وغیرہ

وقت اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تنِ تنہا دشمن کی طرف بڑھ رہے تھے اور فرمارہے تھے:

"أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ"[164]

کہ میں جھوٹا نبی نہیں ہوں، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

فقہاء نے لکھا ہے آدمی کو اپنی قومیت کے نعرے لگانے تو جائز نہیں ہیں لیکن میدانِ جنگ میں قومیت کا نعرہ لگائے تو پھر جائز ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ میں عام بندہ نہیں ہوں، عبد المطلب سردار کا بیٹا ہوں، مجھے تم جانتے ہو میں کون ہوں؟ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رِجز پڑھ رہے ہیں اور آگے بڑھ رہے ہیں۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واپس پلٹے تو پوری جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔ اب دشمن قبیلہ کے بہت سارے لوگ قتل ہوئے، باقی دوڑ گئے اور قلعہ میں چھپ گئے۔ اب جب چھپے تو کئی دن گزر گئے۔ دور سے تیر مارتے تھے لیکن باہر نکل کر تو لڑ نہیں سکتے تھے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کیا۔ بالآخر وہ تنگ ہوئے اور ان کے بارہ سردار جمع ہو کر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ انہوں نے کہا: اے محمد! آپ رحمۃ للعٰلمین ہیں، کچھ کرم فرمائیں، کچھ شفقت فرمائیں، ہم پر احسان فرمائیں۔

ان کے چھ ہزار بندے قیدی بنے، چوبیس ہزار اونٹ مال غنیمت میں آئے، چالیس ہزار بکریاں مالِ غنیمت میں آئیں اور چالیس من چاندی مال غنیمت میں آئی۔ بتاؤ! کتنا بڑا مال غنیمت میں آیا۔

164۔ صحیح البخاری، رقم:4316

قیدیوں کی واپسی:

اب انہوں نے کہا: اللہ کے نبی! ہم پر ترس کھائیں، رحم کریں، احسان فرمائیں، شفقت فرمائیں، ہمارے آدمی بھی دے دیں اور ہمارا سامان بھی دے دیں۔ یا رسول اللہ! اگر یہ بات ہم کسی عیسائی بادشاہ سے کہتے تو وہ بھی ہم پر رحم کھاتا، آپ تو رحمۃ للعٰلمین ہیں۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کو داد دینی چاہیے کہ کیسا بہترین فیصلہ فرمایا۔ اس لیے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو پہلو تھے:

☼ ایک پہلو یہ ہے کہ یہ مالِ غنیمت ہے اور میرے صحابہ کا حق ہے اور صحابہ کا حق انہیں کیسے دے دوں؟

☼ اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ یہ لوگ آ گئے ہیں میرے پاس عاجز بن کر اب اگر میں نہ دوں تو وہ کہیں گے دیکھو کیسا نبی ہے! اس کو ترس ہی نہیں آتا!

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: تم ایسا کرو کہ یا تو اپنے افراد لے لو یا اپنا مال لے لو۔ انہوں نے کہا: ہمارے قیدی واپس کر دیں۔

چنانچہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے فرمایا: دیکھو! قیدی بھی تمہارا حق ہیں اور مال بھی تمہارا حق ہے لیکن مجھ سے وہ بھیک مانگنے کے لیے آئے ہیں، انہوں نے اپیل کی ہے، ان کو خالی واپس نہیں بھیجنا چاہیے تو میرا ارادہ ہے بندے ان کو دے دیں اور مال تمہیں دے دیں۔ بتاؤ! تمہاری کیا رائے ہے؟

صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: جی لبیک، لبیک، لبیک حضور! جیسے فرمائیں ہم راضی ہیں۔ اب اللہ کے نبی کا فیصلہ دیکھنا! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہو سکتا ہے

کہ تم میری تقریر سن کر جذباتی ہو گئے ہو۔ اس لیے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام میں سے جو سردار تھے ان تمام کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم اپنے اپنے قبیلے کو الگ بٹھا کر یہ بات ان سے پوچھو کہ آیا یہ تمہارا جذباتی فیصلہ ہے یا نظریاتی؟ تم نے جوش میں آ کر یہ بات کی ہے یا میرے فیصلے کو دل سے مانتے ہیں؟ تو سرداروں نے اپنے اپنے قبیلے سے علیٰحدہ علیٰحدہ اجازت لینے کے بعد حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ سب لوگ دل سے اپنا حق چھوڑنے کو تیار ہیں، سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو دل سے مانتے ہیں۔ تب جا کر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ ہوازن کے چھ ہزار قیدی ان کو واپس کر دیے اور جتنا مال تھا وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تقسیم کر دیا۔

مالِ غنیمت کی تقسیم کا ایک واقعہ:

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس موقع پر ایک بڑا عجیب معاملہ پیش آیا۔ جو لوگ مکہ سے نئے نئے مسلمان ہو کر آئے تھے ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کھول کر مال دیا۔ اس کو ایک سو بکریاں دے دو، اسے دو سو بکریاں دے دو، اس کو پانچ سو دے دو، اس کو ہزار دے دو، اور جو انصارِ مدینہ تھے ان کو مال نسبتاً کم دیا۔

ایک انصاری کے دل میں بات آئی اور بات تو دل میں آ ہی جاتی ہے بشری تقاضے کی وجہ سے، انہوں نے کہا: دیکھو! جو لوگ مکہ سے آئے تھے وہ اپنے تھے اس لیے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زیادہ دیا ہے اور ہمیں تھوڑا دیا ہے، یہ کوئی الزام، غیبت یا بہتان نہیں تھا یہ بشری لحاظ سے ایک بات زبان سے کہہ دی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو جمع کر دیا۔ اب حضور کا جملہ سننا! حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر فرمانے لگے: مدینے والو! تم مجھے ایک بات تو بتاؤ! تم یہ چاہتے ہو کہ میں مال ان کو دے دوں اور خود تمہارے ساتھ چلا

جاؤں یا تم چاہتے ہو کہ مال تمہیں دے کر خود ان کے ساتھ چلا جاؤں! تم کیا چاہتے ہو؟

انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! سارا مال ان کو دے دیں لیکن آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ (سبحان اللہ۔ سامعین) فرمایا: تم سمجھتے نہیں کہ میں نے مال دے کر ان کو واپس کیا ہے اور میں خود تمہارے ساتھ جا رہا ہوں، میرا مرنا اور جینا تمہارے ساتھ ہے!

وفائے پیغمبر:

میرے پیغمبر کی وفا دیکھو! مکہ فتح ہو گیا ہے، اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو مکہ میں دفن ہو سکتے تھے لیکن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں نہیں بلکہ جن صحابہ نے آپ سے وفا کی ہے اللہ کے نبی نے ان کے ساتھ اپنی موت اور حیات کے فیصلے کیے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس مکہ نہیں گئے بلکہ اللہ کے نبی مدینہ منورہ میں ہی رہے اور آج پوری دنیا مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ جا رہی ہے کیونکہ حضور مدینہ منورہ میں آرام فرما ہیں۔ اللہ ہمیں یہ بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین۔ سامعین)

مدینہ میں دوہری برکتیں دے دے!

ہم اللہ کے نبی کا مدینہ بھی مانتے ہیں اور اللہ کے نبی کا مکہ بھی مانتے ہیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے کہ اے اللہ! جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی ہے اور آپ نے مکہ میں برکتیں دی ہیں، مدینہ میں دہری برکتیں عطا فرما دیں! اور اللہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں قبول فرمائی ہیں۔

محدثین نے تو بہت ساری باتیں اس پر لکھی ہیں، میں ایک اور عنوان پر بات کہتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا اللہ! آپ نے مکہ میں جو برکتیں دی ہیں مدینہ میں دوہری برکتیں عطا فرما دیں۔ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول

فرمائی ہے۔ عام طور پر علماء تو یوں بات فرماتے ہیں کہ مکہ میں جو انعامات ہیں مدینہ میں اس سے دوہرے انعامات ہیں لیکن میں اس کو دوسرے انداز میں کہتا ہوں کہ مکہ میں تو لوگ اس لیے جاتے ہیں کہ ادھر ایک نماز پر ایک لاکھ کا اجر ملتا ہے اور مدینہ میں تو ایک نماز کا ایک لاکھ اجر نہیں ہے تو پھر یہ مکہ کے بجائے مدینہ کیوں جا رہے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے نبی نے دعا مانگی ہے کہ اللہ! مدینہ کو دوہری برکتیں دے دے! ثواب اگرچہ تھوڑا ملتا ہے لیکن جاتے پھر بھی مدینہ ہیں۔ اس کا مطلب کہ لوگ ثواب کو نہیں دیکھ رہے لوگ نبی کی عقیدت کو دیکھ رہے ہیں۔

روضہ اطہر کے ذرات کی فضیلت:

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہاں موجود ہیں؟ (مدینہ میں۔ سامعین) اور مؤمن کی شان ہے کہ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو دیکھتا ہے۔ ہم تو مکہ بھی مانتے ہیں اور مدینہ بھی مانتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل اعمال میں اھل السنۃ والجماعۃ احناف دیوبند کا ایک عقیدہ لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس قبر مبارک میں مدفون ہیں اس کی مٹی کے ذرے جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے ملے ہوئے ہیں یہ مکہ سے بھی اعلیٰ ہیں، کعبہ سے بھی اعلیٰ ہیں، عرش و کرسی سے بھی اعلیٰ ہیں۔ (سبحان اللہ۔ سامعین)

فضائل اعمال پر اعتراض کا جواب:

ایک غیر مقلد بیان کر رہے تھے اور فضائل اعمال ہاتھ میں تھی۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی بات کی تردید کر رہے تھے طنزیہ انداز میں۔ اس نے کہا کہ تمہارے بوڑھے شیخ نے فضائل اعمال کے شروع میں لکھا ہے کہ مجھے ڈاکٹر نے کہا کہ تمہاری عقل کمزور ہے تم دماغی کام نہ کیا کرو، اس کے بعد میں نے فضائل اعمال لکھی ہے۔ تو وہ غیر مقلد کہنے لگا کہ دماغ کام کرتا نہیں تھا اور فضائل

اعمال لکھ دی ہے۔ میں نے کہا: آپ کیسی بات کہتے ہیں؟ ڈاکٹر نے تو کہا کہ آپ دماغی کام نہ کرو، یہ تو نہیں کہا کہ آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ اب دیکھو! کوئی شخص کسی بوڑھے آدمی سے کہتا ہے کہ بھائی آپ بوڑھے ہیں، کمزور ہیں، آپ دماغی کام نہ کریں تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کا دماغ ٹھیک نہیں ؟! میں کہتا ہوں کہ ان کا دماغ تو ٹھیک تھا لیکن دماغ تیرا خراب ہو گیا ہے جو تجھے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی بات سمجھ نہیں آ رہی۔

وہ غیر مقلد کہتا ہے کہ دیکھو! حضرت شیخ زکریا فرماتے ہیں کہ مٹی کے وہ ذرے جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے ملے ہوئے ہیں یہ کعبہ سے بھی افضل ہیں۔ کہنے لگا کہ میں تبلیغی جماعت والوں سے کہتا ہوں کہ جب تم نماز پڑھو تو منہ کعبہ کی طرف نہ کرو، تم لوگ منہ مدینہ کی طرف کرو کیونکہ مدینہ کعبہ سے افضل ہے۔

اب لوگ پریشان ہوتے ہیں کہ بڑی وزنی دلیل دی ہے۔ میں نے کہا: آپ پریشان نہ ہوا کریں، آپ ہم سے رجوع فرمالیا کریں۔ مریض بڑے سے بڑا بھی ہو تو ڈاکٹر کے پاس لے جایا کریں، گھر میں رہیں تو پریشانی تو ہوتی ہے۔ میں نے اس کا جواب دیا۔ میں نے کہا کہ تمہارے ہاں عرش کعبہ سے افضل ہے تو جب تم نماز پڑھو تو منہ اوپر کر لیا کرو! لوگ پوچھیں کہ ایسا کیوں کر رہے ہو تو ان سے کہنا کہ عرش؛ کعبہ سے افضل ہے۔ تم ایسا کر لیا کرو تاکہ ہمیں پتا چلے کہ جس کو تم افضل مانتے ہو اسے کعبہ بھی مانتے ہو لیکن تم نے یہ بات نہیں کرنی۔

کعبہ مرکزِ عبادت اور روضہ مرکزِ عقیدت:

ہم ہیں حضرت شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور علماء دیوبند کو ماننے والے، ہم کہتے ہیں کہ ایک ہوتی ہے عبادت اور ایک ہوتی ہے عقیدت۔ ہم منہ کعبہ کی طرف کرتے ہیں کیونکہ کعبہ مرکزِ عبادت ہے اور ہمارا دل روضہ کے ساتھ دھڑکتا ہے کیوں روضہ

مرکزِ عقیدت ہے۔ (سبحان اللہ۔ سامعین) اب دیکھو! ہمیں تو کوئی الجھن نہیں، ہم تو دونوں باتوں کو تسلیم کر لیتے ہیں۔

لوگ آیت ٹھیک پڑھتے ہیں لیکن معنی غلط کرتے ہیں:

﴿اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ﴾[165]

بعض لوگ قرآن کی آیت ٹھیک پڑھتے ہیں اور معنیٰ و مطلب غلط بیان کرتے ہیں۔ یہ میرا مستقل ایک عنوان ہے۔ اس پر میں ایک چھوٹی سی مثال دیتا ہوں تاکہ عقیدہ سمجھ میں آئے۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾﴾[166]

اب لوگ آیت پڑھتے ہیں اور مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ "تم نے بھی مر جانا ہے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مر جانا ہے تو دونوں ایک جیسے ہیں۔"

ہم نے کہا: آیت تو تم نے ٹھیک پڑھی ہے لیکن مطلب غلط بیان کیا ہے۔ اگر دونوں کی موت ایک جیسی ہے تو اللہ یوں فرماتے: "اِنَّكَ وَهُمْ مَيِّتُوْنَ" بلکہ اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے میت کا لفظ الگ لائے ہیں اور امت کے لیے الگ لائے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امتی کی موت الگ ہے اور نبی کی موت الگ ہے۔

اس آیت کے متعلق اگر میں بلاغت اور معانی کی بات کروں، فن کی بات کروں تو وہ آپ کو سمجھ نہیں آنی اس لیے میں ایک مثال دیتا ہوں تاکہ آپ کو بات سمجھ میں آجائے۔ جب جلسہ ہوتا ہے تو اسٹیج پر اعلان ہوتا ہے کہ بھائیو! کھانا کھا کر جائیں،

165۔ التوبۃ 31:9

166۔ الزمر 30:39

ہم نے مہمانوں کے لیے کھانے کا انتظام کیا ہے۔ اب آپ مولانا صاحب سے کھانے کا اعلان کروائیں مسجد عثمانیہ میں اور میں دعا کروا کر وہیں نیچے بیٹھ جاؤں تو مولانا صاحب مجھے کہیں گے کہ مولانا گھمن صاحب! کیا ہوا؟ میں کہتا ہوں: آپ نے اعلان فرمایا ہے نا کہ مہمان کھانا کھا کر جائیں تو میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا ہوں۔

مولانا مجھے فرماتے ہیں کہ آپ کا کھانا ان کے ساتھ نہیں بلکہ ادھر کمرے میں ہے۔ اب بتاؤ اس کا کیا مطلب ہے؟ وہی پلاؤ جو آپ کھا رہے ہیں وہی اس کمرے میں ہے؟ کیا یہی معنی ہے؟ (نہیں۔ سامعین) یہ جو کہہ رہے ہیں تمہارا کھانا ادھر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کھانا اور ہے اور وہاں کھانا اور ہے۔ اگر ایسا نہیں تھا تو یہ کیوں کہا آپ کا کھانا ادھر ہے۔ میں کہتا ہوں: جس طرح مولانا اور خطیب کو یہ بات کہنا کہ آپ یہاں نہ کھائیں، آپ کا کھانا ادھر ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ کھانا الگ ہے اور یہ کھانا الگ ہے۔

اب دیکھو! اللہ یہاں فرماتے ہیں: ﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿٣٠﴾﴾ نبی کو ﴿مَيِّتٌ﴾ الگ فرمایا اور امت کو ﴿مَّيِّتُوْنَ﴾ الگ فرمایا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ نبی کی موت الگ ہے اور امتی کی موت الگ ہے۔ میں نے کہا: بعض لوگ آیت ٹھیک پڑھتے ہیں لیکن مطلب غلط بیان کرتے ہیں۔

منکرِ تقلید سے گفتگو کا طریقہ:

اب یہ آیت ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ﴾ وہ لوگ ہمارے خلاف پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کی عادت یہ تھی کہ انہوں نے اولیاء کو اور مولویوں کو خدا بنا رکھا تھا اور انہوں نے بھی ابو حنیفہ کو خدا بنا رکھا ہے۔ اُن کے مولوی جو بات کہتے تھے وہی مانتے تھے اور اِن کا امام

ابو حنیفہ جو بات کہتا ہے یہ وہی مانتے ہیں۔

میں نے کہا کچھ خدا سے ڈرو! اللہ کی بات اپنے امام سے سمجھنا یہ کوئی جرم کی بات نہیں۔ اگر کوئی بندہ تمہیں یہ بات کہے تو میں آسان لفظوں میں آپ کو اس کی بات کا جواب دینا سکھاتا ہوں کہ پھر آپ اس سے پوچھیں کہ تم قرآن کس سے پڑھتے ہو؟ وہ کہے گا: قاری صاحب سے۔ آپ اس سے پوچھیں: قرآن کا ترجمہ کس سے پڑھتے ہو؟ وہ کہے گا: مولوی صاحب سے۔ اس سے پوچھو: قرآن ہے کس کا؟ وہ کہے گا: اللہ پاک کا۔ اب اس سے کہو: جب قرآن اللہ پاک کا ہے تو اللہ سے کیوں نہیں پڑھتے؟ مولوی صاحب سے کیوں پڑھتے ہو؟ وہ کہے گا: کلام خدا کا ہے لیکن پڑھتے مولویوں سے ہیں۔ اس پر آپ نے کہنا ہے کہ حدیث تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے لیکن سمجھتے امام ابو حنیفہ سے ہیں، تم اللہ کا قرآن مولوی سے پڑھو تو یہ تقلید شرک نہیں اور ہم اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے سمجھ لیں تو بتاؤ یہ تقلید شرک کیسے ہے؟

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ بعض لوگ آیت ٹھیک پڑھتے ہیں لیکن اس کا مطلب غلط بیان کرتے ہیں۔ اللہ ہمیں صحیح مطلب سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین۔ سامعین)

غارِ ثور کا واقعہ:

﴿اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ﴾[167]

یہ واقعہ آپ نے سنا ہے۔ میں نے صرف آپ کی خدمت میں ایک دلیل

167۔ التوبۃ 40:9

پیش کرنی ہے۔ وہ دلیل یہ ہے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی، مکہ سے مدینہ گئے، راستے میں غارِ ثور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن تک قیام فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ جب مشرکین غار کے باہر آئے اگر وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک کو دیکھتے تو دیکھ سکتے تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بڑا غم ہوا۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں بڑا پریشان ہوں۔ پریشانی کی وجہ یہ نہیں تھی کہ میرا کیا بنے گا؟ بلکہ پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ دشمن کو پتا چلا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم گرفتار ہو جائیں گے۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا'' ابو بکر! تو غمزدہ نہ ہو، خدا ہم دونوں کے ساتھ ہے، صرف یہ نہیں کہا کہ میرے ساتھ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر جا رہے تھے، آگے دریا ہے اور پیچھے فرعون کی فوجیں ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا: اب کیا کریں؟ آگے جائیں تو دریا ہے اور پیچھے جائیں تو فرعون کی فوج ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿٦٢﴾﴾[168]

اللہ میرے ساتھ ہے، وہ میری راہنمائی کرے گا۔

اس سے پتا چلا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم پر اعتماد نہیں تھا اس لیے فرمایا: خدا میرے ساتھ ہے، میری مدد فرمائے گا۔ ساتھ میں قوم کی مدد بھی ہو جائے گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اعتماد تھا، اس لیے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدیق! خدا مجھے بھی بچائے گا اور خدا تجھے

168۔ الشعراء 62:26

بھی بچائے گا۔

اس سے ایک نکتہ سمجھ میں آیا کہ ﴿مَعَنَا﴾ کیوں فرمایا؟ صدیق غمزدہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں پکڑے نہ جائیں۔ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جملہ نقل کر دیا ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ کیونکہ مشرکینِ مکہ نے کہا تھا کہ جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دے -نعوذ باللہ- ان کا سر لائے یا زندہ گرفتار کر لائے تو اس کو ایک سو اونٹ انعام میں دیں گے۔ ابو بکر صدیق کا سر لائے یا زندہ گرفتار کر لائے تو اس کو بھی ایک سو اونٹ انعام دیں گے۔ تو جو انعام اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے طے تھا وہی انعام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے طے تھا۔ انعام دونوں کا ایک تھا تبھی تو لفظ ایک جیسا لائے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ جو انعام میرا ہے وہ انعام تیرا ہے، تو جو خدا میرا ہے وہ خدا تیرا ہے، صدیق خدا مجھے بھی بچائے گا اور خدا تجھے بھی بچائے گا۔ (سبحان اللہ۔ سامعین)

اور میں کہتا ہوں کہ اگر آپ کا ذوق تازہ ہو تو نکتہ سمجھنا کتنا آسان ہے کہ جو انعام اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہی انعام صدیق اکبر کا ہے۔ پتا چلا کہ مکہ کا مشرک بھی سمجھتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مقام صدیق کا ہے۔ (سبحان اللہ۔ سامعین) لیکن آج کا کافر بے ایمان یہ بات نہیں سمجھتا۔

صحابیتِ صدیق اکبر:

﴿اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾

ہر صحابی کا اپنا اپنا اعزاز ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اعزاز یہ ہے کہ قرآن نے ان کو صحابی کہا ہے۔ ﴿اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ﴾ اس لیے علماء نے لکھا ہے:

"مَنْ أَنْكَرَ صُحْبَةَ أَبِي بَكْرٍ فَقَدْ كَفَرَ لِإِنْكَارِهٖ كَلَامَ اللّٰهِ تَعَالٰى"[169]

جو شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کرے وہ مسلمان نہیں رہتا، کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق کی صحابیت پر قرآن کی نص موجود ہے۔ (سبحان اللہ۔ سامعین)

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین پیغمبر کے صحابہ نے بننا تھا اور جس کو قرآن نے صحابی کہا وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ تو پتا چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین اور خلیفہ بلا فصل صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

غزوہ تبوک:

﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾﴾

میں مضمون سمیٹتا ہوں۔ غزوہ تبوک کا موقع تھا۔ یہ پہلا غزوہ تھا کہ جس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف فرمایا کہ تبوک جانا ہے تیاری کرو، چندے دو، افراد لاؤ، بھرپور تیاری کرو۔ عموماً ایسا ہوتا تھا کہ جب بھی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی علاقے میں جہاد کے لیے جاتے تو جہاں جانا ہوتا اس جگہ کا نام نہیں لیتے تھے تاکہ منافقین ہمارا اصل مقام کسی کو بتانہ دیں۔ جب اعلان ہوا کہ اس غزوہ میں سارے مسلمان چلیں تو بعض مسلمان یہ حکم ملتے ہی فوراً تیار ہو گئے لیکن دس مسلمان ایسے تھے جو وقتی سستی کی وجہ سے نہ جا سکے۔ غزوہ تبوک کا یہ سفر پچاس دن کا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ سے واپس تشریف لائے تو ان دس مسلمانوں میں سے سات

169۔ تفسیر البحر المحیط: ج5 ص45

نے اپنی توبہ وندامت کا اظہار اس طرح کیا کہ انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا کہ اللہ معاف کرے گا تو ہم اپنے آپ کو کھولیں گے ورنہ ہم یونہی بندھے رہیں گے۔ ان کی توبہ قبول ہوگئی تو ان کو کھول دیا گیا۔

ان میں باقی جو تین حضرات تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم صاف صاف اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہیں، ہم سے غلطی ہوئی ہے، ہم آپ کی خدمت میں آئے ہیں، اب اللہ کے لیے ہمیں معاف فرما دیں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: دیکھو! تم نے میرے ساتھ کوئی دھوکے بازی نہیں کی، تم نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ ہمارا عذر بھی نہیں تھا۔ کسی کی کھجوریں پکی ہیں، کسی کے گھر کا مسئلہ ہے، یہ چھوٹے چھوٹے مسائل تھے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: میں اس وقت تک معافی کا اعلان نہیں کر سکتا جب تک اللہ رب العزت آسمان سے تمہاری معافی کا اعلان نہ فرمائیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان کے ساتھ بولنا چھوڑ دو، بات چیت بند کر دو۔

بتاؤ! یہ کتنا مشکل مسئلہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی بات نہیں فرماتے، صحابہ رضی اللہ عنہم بھی بات نہیں کرتے، سب نے ان سے بات چیت کرنی چھوڑ دی ہے۔ یہ کل تین صحابہ تھے؛ مرارہ بن ربیع العمری، ہلال بن امیہ واقفی اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم۔ یہ پورا واقعہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے خود بیان فرمایا۔ کہتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں جاتا تھا، باقی دونوں تو بزرگ تھے، بوڑھے تھے، وہ گھر میں بیٹھ گئے، باہر نکلنے کی ہمت نہیں تھی، گھر میں بیٹھ کر ہی روتے رہتے تھے لیکن میں مسجد نبوی میں جا کر نماز پڑھتا اور میں اپنی آنکھوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا رہتا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا میرے ساتھ معاملہ کیا ہے۔

میں دیکھتا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھ رہے ہیں لیکن چونکہ اللہ کا حکم تھا کہ بولنا نہیں اس لیے مجھ سے بولتے نہیں تھے۔ جب میری نگاہ پڑتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نگاہ کو بدل لیتے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: چالیس دن اس طرح گزر گئے۔ ادھر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام بھی آیا کہ اپنی بیویوں سے بھی الگ ہو جاؤ، تم نے بیویوں کے قریب بھی نہیں جانا۔ ایک صحابی حضرت مرارہ بن ربیع العمری رضی اللہ عنہ بوڑھے بھی تھے، ان کی بیوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئی اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرا خاوند بوڑھا ہے، آنکھوں سے کمزور ہے، گھر کے کام کا مسئلہ ہے، ان کی خدمت کا مسئلہ ہے، مجھے اجازت دیں کہ میں ان کے پاس ٹھہروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے پاس رہو لیکن ان کو قربت کا موقع نہ دو۔ انہوں نے کہا: حضور! وہ تو ویسے ہی بوڑھے ہیں۔ فرمایا: ان کو قربت کا موقع نہ دو، البتہ ان کے گھر میں ٹھہر سکتی ہو۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جوان تھا، جب یہ حکم ہوا تو میں نے اپنی بیوی سے کہا: تم اپنے میکے چلی جاؤ۔ میرے بعض متعلقین نے مجھے فرمایا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا تو تم کیوں اسے کہتے ہو کہ میکے چلی جائے؟ انہوں نے کہا: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بیویوں سے الگ رہو، میں جوان آدمی ہوں، ممکن ہے مجھ سے خطا ہو جائے اس لیے میں نے اپنی بیوی کو اس کے میکے میں بھیج دیا ہے، معلوم نہیں کہ اللہ کے نبی کیا حکم جاری فرمائیں۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یقین جانو! زمین وسیع اور کشادہ ہونے کے باوجود تنگ ہو گئی تھی، میرے لیے جینا مشکل ہو گیا۔ اس سے بڑا ایک امتحان یہ پیش آیا کہ ایک عیسائی بادشاہ نے اپنا قاصد بھیجا اور ریشمی رومال پر پیغام لکھ کر بھیجا کہ تم کو تمہارے محمد نے چھوڑ دیا ہے -صلی اللہ علیہ وسلم- ہمارے پاس آجاؤ، ہم

تمہارا اعزاز و اکرام کریں گے۔ یہ کتنا بڑا امتحان تھا۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اس ریشمی رومال کو لیا اور تندور میں ڈال دیا۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اس سے بڑی قربانیاں بھی دے سکتے ہیں، یہ اللہ کا حکم ہے اس لیے ہم اسے برداشت کریں گے۔

کہتے ہیں کہ پچاس دن گزر گئے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات کے وقت وحی آئی کہ ان کو بتائیں کہ خدا نے ان کے لیے رضامندی کا اعلان کر دیا ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یارسول اللہ! کعب بن مالک کو ابھی اس بات کی اطلاع کر دی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا ہوا تو سب کی نیند خراب ہو گی، لوگ دوڑیں گے ان کو خوشخبری دینے کے لیے، اس لیے امت کو آرام کرنے دو۔

جب صبح ہوئی تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا۔ حضرت ابو بکر صدیق بھی دوڑے، حضرت عمر بن خطاب بھی دوڑے خوشخبری دینے کے لیے۔ ایک صحابی پہاڑی پر چڑھے اور زور سے آواز دی تاکہ ان سے کوئی سبقت نہ لے جائے۔

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ باقی صحابہ آپ کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ مجھے دیکھ کر سب سے پہلے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ میری طرف بڑھے انہوں نے کہا: بھائی! تمہیں مبارک ہو۔ پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دن ایسا ہے جو تمہاری زندگی میں پیدائش سے لے کر آج تک تمام دنوں میں سے سب سے زیادہ بہتر ہے، اس سے پہلے زندگی میں کبھی تم نے ایسی خوشی کا دن نہیں دیکھا ہو گا، میں تمہیں مبارک دیتا ہوں کہ اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا آپ نے معاف فرمایا ہے یا اللہ نے معاف فرمایا ہے؟ فرمایا: اللہ نے آسمان سے تمہاری معافی کا اعلان فرمادیا ہے۔ (سبحان اللہ۔ سامعین)

مفسرین فرماتے ہیں کہ پچاس دن کی حکمت بظاہر یہ سمجھ آتی ہے کہ غزوہ تبوک پچاس دن کے سفر کا تھا اس لیے ان کی توبہ پر بھی پچاس دن لگے ہیں۔

صاف گوئی کی اہمیت:

مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر انسان سے غلطی ہو جائے تو اپنے بڑوں کے سامنے حیلے اور بہانے پیش نہ کرے بلکہ صاف صاف یہ بات کہہ دے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔ آپ مجھے معاف فرمادیں۔ بڑوں کے سامنے حیلے اور بہانے نہ کیا کرو! صاف صاف اپنا جرم معاف کروالیا کرو، یہ بہتر ہے، اور دوسری یہ بات ارشاد فرمائی کہ جہاد کو چھوڑنا بہت بڑا جرم ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس جرم کو جرم سمجھا ہے لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ جہاد بھی نہیں کرتے اور اس جرم کو جرم بھی نہیں سمجھتے۔ جرم سمجھیں گے تو اللہ رب العزت توبہ کی توفیق عطا فرمادیں گے اور اگر جرم نہیں سمجھیں گے تو پھر توبہ کی توفیق بھی نہیں ہوگی۔ اللہ ہم سب کو ایمان کی موت عطا فرمائے۔ (آمین۔ سامعین)

حصولِ تقویٰ کا طریقہ:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝١١٩﴾

گناہوں کو چھوڑو، تقویٰ اختیار کرو! اور یہ تقویٰ حاصل کیسے ہو گا؟ فرمایا: صادقین کے ساتھ رہو، اللہ ان کی صحبت سے تمہیں تقویٰ کی نعمت عطا فرمادیں گے۔

ہمارے شیخ حضرت شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑی پیاری بات فرماتے ہیں کہ اگر کسی سے کہو نا کہ تم بیعت کر لو! تو کہتے ہیں جی! اب پیر کہاں ہیں جن

کی بیعت کریں؟ فرمایا: جب پیٹ میں درد ہو تو کوئی نہیں کہتا کہ کہاں ہیں حکیم اجمل، جس سے دوائی لیں... پیٹ میں درد ہو تو فوراً دوڑتے ہیں اور جب طریقت کا مسئلہ ہو تو پھر کہتے ہیں کہ اب وہ پیر کہاں ہیں؟ پیٹ میں درد ہو تو چھوٹے چھوٹے ڈاکٹر کو قبول کر لیتے ہیں، یہ کوئی نہیں کہتا کہ حکیم اجمل نہیں رہا تو علاج نہیں کروائیں گے۔

مجھے اس پر ایک واقعہ یاد آیا کہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جب فوت ہو گئے تو ان کا تعزیتی جلسہ تھا شیر انوالہ باغ لاہور میں، علماء اس موقع پر بیانات فرماتے رہے کہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ چلے گئے، اب ان جیسا کون آئے گا، حضرت بہت بڑے تھے۔ مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے آدمی تھے اور حضرت کا اپنا ایک مزاج عجیب تھا، بڑی کھلی طبیعت کے آدمی تھے، مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ اس موقع پر فرمانے لگے کہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی چلے گئے اب وہ نہیں آئیں گے، مولانا حسین احمد مدنی چلے گئے وہ نہیں آئیں گے، علامہ محمد انور شاہ کشمیری چلے گئے وہ نہیں آئیں گے، اب اس بوڑھے غلام غوث ہزاروی پر گزارا کرنا سیکھو! جب میں مر جاؤں گا تو میں بھی واپس نہیں آؤں گا۔

ان نعمتوں کی قدر کریں!

میں تو یہ بات نہیں کہتا، میں تو بہت چھوٹا ہوں لیکن اتنی بات کہتا ہوں کہ ہم پر گزارا کرنا سیکھو! جب ہم مر جائیں گے تو تمہیں یہ بھی نظر نہیں آنا! یہ بات میں کس درد سے تمہیں سمجھاؤں؟ اللہ ہمیں یہ باتیں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

امام اھل السنۃ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے مولانا عزیز الرحمٰن شاہد جدہ میں ہوتے ہیں، جب واپس آئے تو میرا گوجرانولہ اسٹیڈیم میں ختم نبوت کا جلسہ تھا، میں وہاں شرکت کے لیے گیا تو میں نے سوچا کہ ان سے بھی مل لیں۔ جب میں ان سے ملا تو مجھے فوراً کہنے لگے: مولانا! مجھے بہت تعجب ہوتا ہے کہ ہم

تجھے گھر کا بندہ سمجھ کر قدر نہیں کرتے لیکن میں جدہ ائیر پورٹ پر تھا تو وہاں ایک انڈین مسلمان مجھے ملا۔ مجھے کہنے لگا: آپ کہاں جارہے ہیں؟ میں نے کہا: پاکستان۔ اس نے کہا: پاکستان کے علماء کو جانتے ہو؟ میں نے کہا: بعضوں کو جانتا ہوں۔ اس نے سب سے پہلے آپ کا نام لیا اور کہا کہ مولانا الیاس گھمن کو جانتے ہو؟ میں بہت حیران ہوا کہ لوگوں کے ہاں آپ کی کیا قیمت ہے۔

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی صاحب دامت برکاتہم انڈیا کے چودہ روزہ دورہ پر تھے۔ میں معہد الفقیر جھنگ گیا تو مدرسے کے شیخ الحدیث ہیں مولانا حبیب اللہ نقشبندی صاحب تو انہوں نے مجھے یہ بات سنائی، مجھے کہنے لگے کہ ہم چودہ روزہ دورے پر تھے تو پیر صاحب کہتے ہیں: مجھے دو باتوں پر بہت تعجب ہوا۔ ایک یہ کہ ہم دار العلوم دیوبند گئے ہیں، سہارنپور گئے ہیں تو یہاں کے لوگ پوچھتے ہیں کہ مولانا گھمن صاحب کا کیا حال ہے؟ مولانا حبیب اللہ نقشبندی مجھے فرمانے لگے کہ ہم تو تجھے عام خطیب سمجھتے ہیں اور دارالعلوم دیوبند اور سہارنپور کے مشائخ آپ سے کتنی عقیدت رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں دوسرا مجھے اس بات پر بہت تعجب ہوا کہ وہاں مسئلہ چلا کہ ویڈیو سی ڈی کا کیا حکم ہے؟ وہ سب کہتے ہیں کہ حرام ہے ناجائز ہے، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے جواز کا فتویٰ دیا ہے تو ہم نے جواب لکھ کر دے دیا ہے۔ مولانا حبیب اللہ نقشبندی کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے پوچھا کہ مولانا الیاس گھمن صاحب تو ویڈیو سی ڈی بناتے ہیں تو وہ حضرات کہنے لگے کہ ان کو کچھ نہ کہو۔

اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ کو اندازہ نہیں۔ ہماری ویڈیو سی ڈی نے انڈیا میں کتنا کام کیا ہے! انڈیا کا ایک مولوی ہے معراج ربانی۔ آپ ذرا اس کو سنیں کہ اس نے سعودی عرب میں کھلے عام تبلیغی جماعت کو یہود کا ایجنٹ، ڈاکو، چور، جیب کترے... جو باتیں وہ تبلیغی جماعت کے بارے میں کہہ سکتا تھا وہ اس نے کہی ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ چار

سال گزر گئے ہیں جب سے ہماری سی ڈیز میں ان کو جواب ملا ہے تو ابھی تک معراج ربانی کا تبلیغی جماعت کے خلاف بیان نہیں آیا۔ آپ کو تو یہاں شبِ جمعہ کا مرکز مل جاتا ہے، یہ سعودیہ والوں سے پوچھو کہ جن کو انٹرنیٹ دیکھنا پڑتا ہے، ان سے پوچھو کہ ہماری ضرورت کتنی ہے؟

اٹلی کے ہمارے ایک دوست ہیں، پچھلی مرتبہ رائیونڈ اجتماع پر آئے تھے۔ وہ مجھے کہنے لگے: مولانا! بہت پریشان ہیں۔ میں نے کہا: کیا ہوا؟ کہنے لگے کہ تبلیغی جماعت کے خلاف توصیف الرحمٰن غیر مقلد نے سی ڈی بنائی ہے، سال سال لگائے ہوئے ہمارے بندے اہل حدیث ہوئے ہیں، چار چار ماہ والے بندے اہل حدیث ہوئے ہیں اور خدا آپ کو جزائے خیر دے، اگر آپ اس کا جواب نہ دیتے تو ہمارے لیے اٹلی میں جینا مشکل تھا۔ ان سی ڈیز نے بریکر کا کام کیا ہے، اب کوئی بھی لڑکا اہل حدیث ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں سی ڈی دیکھو! جب دلائل آتے ہیں تو لوگ واپس لوٹنا شروع ہوتے ہیں۔ اب اس کی تمہارے ہاں تو قیمت نہیں ہے، تم سرگودھا میں رہتے ہو، یہ باہر والوں سے پوچھو جہاں یہ مسائل پیش آتے ہیں اور پھر ان کا علاج ہوتا ہے۔ اللہ ہم سب کو قبول فرمائے، اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

کارگزاری بتانی چاہیے:

ایک شیخ صاحب ہیں، آج ہم ان کے گھر بیٹھے تھے تو بھائی زکریا کہنے لگے کہ لوگ قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے بہت مخالف ہیں۔ میں نے کہا: قصور مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا نہیں بلکہ قصور جمعیت علماء اسلام کا ہے۔ کہنے لگے: وہ کیسے؟ میں نے کہا: وہ یہ بات بتائیں کہ مولانا اسمبلی میں لڑائی کون سی لڑتے ہیں۔ ہم تو مولانا کے کارنامے بتاتے نہیں، اخبار تو ان کو کبھی کچھ لکھتا ہے کبھی کچھ لکھتا ہے، ہم کانوں کے کچے ہوتے ہیں تو فوراً ان باتوں پر یقین کر لیتے ہیں۔

تبلیغی جماعت سے لوگوں کو عقیدت کیوں ہے؟ اس لیے کہ تبلیغ والے اپنی کارگزاریاں سناتے ہیں کہ ہماری جماعت مراکش گئی، سوڈان گئی، فلاں جگہ گئی۔ میں کارگزاری سناؤں تو کہتے ہیں کہ ان کو ریاء کا بڑا شوق ہے، یہ اپنے ہی قصے سناتے ہیں۔ میں نے کہا: تبلیغ والے سناتے ہیں تو جائز ہے اور میں سناؤں تو ناجائز کیسے ہے؟ کارگزاری سناتا ہوں تو آپ کے سامنے آتا ہے کہ میرا دنیا میں کتنا کام ہے! کارگزاری نہ سنائیں تو پتا کیسے چلے گا؟ سی ڈیز آپ نے میری دیکھنی نہیں، کیسٹیں میری آپ نے سننی نہیں، کتابیں آپ نے میری پڑھنی نہیں، اب میں بھی نہ بتاؤں تو تمہیں بتائے گا کون کہ ہم کون سا کام کرتے ہیں؟ اللہ ہمیں بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

امت کے لیے پیغمبر علیہ السلام کی شفقت:

یہ سورۃ التوبۃ کی آخری آیتیں ہیں، ان میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُولٌ مِّنۡ أَنفُسِكُمۡ عَزِيزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيصٌ عَلَيۡكُم بِٱلۡمُؤۡمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾ فَإِن تَوَلَّوۡاْ فَقُلۡ حَسۡبِيَ ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَۖ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُۖ وَهُوَ رَبُّ ٱلۡعَرۡشِ ٱلۡعَظِيمِ ﴿١٢٩﴾﴾

اللہ فرماتے ہیں: مؤمنو! تمہیں مبارک ہو کہ ہم نے تمہیں ایسا پیغمبر دیا ہے جو تم سے بہت محبت کرتا ہے، تمہاری مشقت پر اس کو تکلیف ہوتی ہے، وہ شفقت والا بھی ہے، رحمت والا بھی ہے، میرے محمد کو دکھ محسوس ہوتا ہے۔ یہ چھوٹی بات نہیں ہے گناہ ہم کرتے ہیں اور تکلیف حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتی ہے۔

ایک حدیث مبارک میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تُعۡرَضُ عَلَيَّ أَعۡمَالُكُمۡ" میں دنیا چھوڑ جاؤں گا تو تمہارے اعمال قبر میں مجھ پر پیش ہوں گے۔ اس کا فائدہ کیا ہو گا؟ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے

ہیں: "فَمَا رَأَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُ اللهَ عَلَيْهِ" تم نیک کام کرو گے تو میں اللہ کا شکر ادا کروں گا، "وَمَا رَأَيْتُ مِنَ شَرٍّ اسْتَغْفَرْتُ اللهَ لَكُمْ "تم گناہ کرو گے تو میں تمہارے لیے وہاں خدا سے مغفرت مانگوں گا۔[170] اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے جانے کے بعد بھی امت کے لیے غم زدہ اور پریشان ہیں۔

ایک عجیب دعا:

میں ایک مرتبہ کتاب "حیاۃ الحیوان" پڑھ رہا تھا۔ علامہ دِمُیرِی نے اس میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ ایک آدمی تھے، وہ کہتے تھے کہ میں جب بیمار ہوتا تو دعا ان لفظوں سے مانگتا: "اے اللہ! میں پریشان ہوں، بیمار ہوں اور مصیبت زدہ ہوں اور مؤمن کے دکھ کو دیکھ کر شیطان خوش ہوتا ہے اور مؤمن کے دکھ کو دیکھ کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پریشان ہوتے ہیں، اے اللہ! میرے اِس دکھ کو ختم فرما کے شیطان کو پریشان کر دے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو روضے میں خوش کر دے" اللہ تعالیٰ میری اس دعا کو قبول فرما لیتے تھے اور میرے دکھ کو دور کر دیتے تھے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو آدمی یہ آیت ﴿حَسْبِيَ اللهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿١٢٩﴾﴾ صبح وشام سات مرتبہ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس آدمی کے تمام کام آسان فرما دیتے ہیں۔[171]

ہمیں بھی ان آیات کے پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین۔ سامعین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

170۔ مسند البزار: ج5 ص308 رقم الحدیث 1925

171۔ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ج1 ص1510

سورۃ یونس

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

﴿الٓرٰ ۚ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِيۡمِ ﴿۱﴾ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنۡهُمۡ اَنۡ اَنۡذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَهُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ قَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۲﴾﴾

میرے نہایت واجب الاحترام بزرگو! مسلک اھل السنۃ والجماعۃ سے تعلق رکھنے والے بزرگو، نوجوان دوستو اور بھائیو! آپ حضرات کے علم میں ہے کہ ہمارے آج کے درس قرآن کا عنوان ہے "مضامینِ سورۃ یونس"

وجہ تسمیہ:

سورۃ یونس مکی سورت ہے۔ اس میں گیارہ رکوع ہیں اور ایک سو نو آیات ہیں۔ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ قرآن کریم کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے ہر ایک سورت کے نام کی ایک خاص وجہ ہے، اسے عربی زبان میں وجہ تسمیہ کہتے ہیں کہ اس سورت کا نام رکھنے کی وجہ یہ ہے۔ اس سورۃ کو سورۃ یونس اس لیے کہتے ہیں کہ اس مکمل سورت میں اللہ نے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا تذکرہ فرمایا ہے اور یونس علیہ السلام کا نام لے کر ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا:

﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ﴾[172]

اللہ رب العزت نے ایک ضابطہ بیان فرمایا کہ جب بھی کوئی قوم ایمان لائے تو اس قوم کا ایمان اس قوم کو نفع دیتا ہے لیکن اگر ایمان نہ لائے تو خدا کے عذاب سے وہ قوم نہیں بچ سکتی ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم وہ واحد قوم ہے کہ جس نے اللہ کے عذاب کے آثار دیکھے تو گڑ گڑا کر تمام مردوں، عورتوں اور بچوں نے توبہ کی، اللہ رب العزت نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کی توبہ کی برکت سے ان کو عذاب سے محفوظ فرما لیا۔ اس آیت کریمہ کا پہلے صحیح مطلب سمجھیں۔ اس کے بعد بعض مفسرین نے جو غلط مطلب بیان کیا ہے میں آپ کی خدمت میں پیش کر کے اس کی تردید بھی کروں گا تا کہ صحیح بات آپ کے ذہن میں آئے۔

یونس علیہ السلام کا قصہ:

اصل قصہ یہ ہے کہ عراق ایک ملک کا نام ہے اور موصل وہاں ایک بہت بڑے شہر کا نام ہے۔ اس کی ایک بستی ہے جس کا نام ''نینویٰ'' ہے۔ اس بستی کی طرف حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا اور اس بستی کے رہنے والوں کی تعداد ایک لاکھ یا کچھ زائد تھی۔ خود قرآن کریم نے متعین نہیں فرمائی:

﴿وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿١٤٧﴾﴾[173]

قرآن کریم نے فرمایا کہ ایک لاکھ یا کچھ زائد تھے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں: اللہ کے تو علم میں تھا کہ تعداد کتنی ہے تو اللہ نے یوں کیوں فرمایا کہ یہ لوگ ایک لاکھ تھے یا زائد تھے! اللہ تو صاف فرماتے کہ ایک

172۔ یونس 98:10

173۔ الصافات 147:37

لاکھ تھے یا اتنے تھے۔ تو دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ بسا اوقات اِسے ہم اپنی زبان میں کسر کہتے ہیں کہ دہائیوں سے کچھ تعداد بڑھ جائے تو کبھی اس کو شمار کرتے ہیں اور کبھی اس کو شمار نہیں کرتے۔ اگر کسروں کو شمار کریں تو ایک لاکھ سے زائد تھے اور اگر شمار نہ کریں تو ایک لاکھ بنتے تھے۔ اس لیے ان کو دیکھنے والے لوگ کہتے تھے کہ ایک لاکھ کے کچھ لگ بھگ ہیں۔ اس لیے اللہ پاک نے تعداد متعین نہیں بیان فرمائی بلکہ جو بات اس وقت کے لوگ کہتے تھے اس کے مطابق گفتگو فرمائی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو مسلسل دعوت دی لیکن آپ کی قوم نے ان کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ وحی آئی اے میرے پیغمبر! ان کو بتاؤ کہ اب تین دن کے بعد تمہارے اوپر اللہ کا عذاب آنے والا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے وحی کے مطابق اپنی قوم کو بتایا کہ تین دن کے بعد تمہارے اوپر عذاب آنے والا ہے۔ جب تین دن گزرے، آخری رات آئی تو حضرت یونس علیہ السلام بستی سے باہر چلے گئے کہ قوم پر عذاب آرہا ہے۔

ان کی قوم نے دیکھا کہ عذاب کے آثار آنے شروع ہوئے، آندھی، بادل گرجنا شروع ہوئے تو قوم کے سمجھدار بندوں نے کہا کہ یونس علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور نبی کی بات کبھی غلط نہیں ہوتی، اس لیے یونس علیہ السلام کی بات کے مطابق عذاب آنا ہے۔ تو ذرا جا کر دیکھو کہ یونس علیہ السلام اس بستی میں ہیں یا نہیں؟ یہ کیوں کہا؟ اس لیے کہ جب خدا کسی بستی پر عذاب نازل فرماتے ہیں تو عذاب نازل فرمانے سے پہلے نبی کو وہاں سے نکال لیتے ہیں۔

تو یہ دیکھو کہ یونس علیہ السلام یہاں بستی میں ہیں یا نہیں؟ تو بعض لوگوں نے جا کر دیکھا تو پتا چلا کہ یونس علیہ السلام اس بستی میں نہیں ہیں، بستی کو چھوڑ چکے ہیں۔ ان کے بڑوں نے کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ اب طے ہوا ہے کہ خدا کا عذاب آرہا ہے،

اس لیے بستی سے نکل جاؤ اور میدان میں جمع ہو کر رو دھو کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو شاید اللہ اس عذاب کو ختم فرمادے۔ انہوں نے تہہ دل سے توبہ کی، دل سے ندامت اختیار کی، رونا اور گڑگڑانا شروع کیا تو اللہ رب العزت نے ان سے عذاب کو ٹال دیا اور ختم فرمادیا۔

حضرت یونس علیہ السلام تو بستی سے دور جنگل کی طرف چلے گئے تھے۔ اب وہ عذاب کے آثار دیکھ رہے تھے لیکن عذاب نہیں آیا تو سوچا اب اگر میں واپس جاؤں گا تو میری قوم سمجھے گی کہ نبی نے جھوٹ بولا ہے اور اس قوم کا دستور یہ تھا کہ جو بندہ جھوٹ بولتا اس کو قتل کر دیتے۔ اب یونس علیہ السلام نے سوچا کہ اگر واپس گیا تو میری قوم مجھے جھوٹا سمجھے گی تو ہو سکتا ہے کہ مجھے مار دے۔

یونس علیہ السلام نے اپنی جان بچانے کے لیے یہی بہتر سمجھا کہ اس بستی کو چھوڑ کر کسی اور طرف چلا جاؤں۔ چنانچہ یونس علیہ السلام دریا کے کنارے پہنچے۔ سفر کا ارادہ فرمایا۔ آگے کشتی تیار کھڑی تھی۔ یونس علیہ السلام بیٹھے اور ملاح نے کشتی چلائی۔ کشتی چل پڑی۔ جب دریا کے درمیان میں کشتی پہنچی تو اب نہ آگے جاتی ہے اور نہ پیچھے آتی ہے۔ پوچھا: جی کشتی کیوں نہیں چل رہی؟ کشتی کے ملاح نے کہا کہ لگتا ہے ہماری کشتی میں اپنے آقا سے دوڑا ہوا کوئی غلام ہے اور جب ہماری کشتی میں کوئی ایسا بندہ ہو تو ہماری کشتی نہیں چلا کرتی۔

یونس علیہ السلام کا بستی سے چلے جانا:

یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ تو میں ہوں۔ لوگوں نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ہوں۔ انہوں نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اب اس بندے کو اس کشتی سے گراتے تو پھر کشتی نے چلنا تھا، جب تک اس کی جان کی قربانی نہ دیتے تو کشتی نے چلنا نہیں تھا۔ یونس علیہ السلام فرمانے لگے کہ

مجھے دریا میں پھینک دو، یہ قصور تو میں نے کیا ہے۔ خود قرآن کریم میں ہے:

﴿اِذۡ اَبَقَ اِلَى الۡفُلۡكِ الۡمَشۡحُوۡنِ ﴿١٤٠﴾﴾[174]

"آبق" عربی زبان میں اس غلام کو کہتے ہیں جو اپنے مالک کی اجازت کے بغیر کہیں چلا جائے۔ اللہ رب العزت نے یونس علیہ السلام کے لیے یہ لفظ استعمال کیا ہے کہ جس طرح مالک کی اجازت کے بغیر غلام جائے اسی طرح ہمارا نبی یونس ہماری اجازت کے بغیر گیا تھا۔ کیوں؟ کہ انبیاء علیہم السلام کی سنت یہ ہے کہ وہ کسی علاقے سے ہجرت تب کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ صاف طور پر ہجرت کا حکم دے۔ یونس علیہ السلام ہجرت کا حکم آنے سے پہلے ہی اپنا علاقہ چھوڑ کر چلے گئے۔

یونس علیہ السلام کا تشریف لے جانا گناہ تو نہیں ہے کیونکہ یونس علیہ السلام کے ذہن میں تھا کہ میری قوم جھوٹا سمجھے گی اور قتل کر دے گی، میرے قتل کی وجہ سے پھر ان پر عذاب آئے گا کہ نبی کو مار دیا ہے تو بہتر یہی ہے کہ میں کسی اور طرف چلا جاؤں لیکن چونکہ وحی نہیں آئی تھی کہ آپ بستی کو چھوڑ کر چلے جائیں، بغیر وحی کے گئے تھے اور یہ گناہ تو نہیں تھا لیکن نبی کی شان کے لائق نہیں تھا کہ بغیر پوچھے یوں چلے جائیں۔ اب وہ لوگ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ ان میں قرعہ اندازی ہوئی۔ جب قرعہ نکالا تو یونس علیہ السلام کا نام تھا۔ وہ پھر بھی تیار نہ ہوئے کہ اللہ کے نبی کو ہم کیسے پھینکیں؟ دوبارہ قرعہ ڈالا تو پھر ان کے نام تھا۔ تیسری مرتبہ قرعہ ڈالا تو پھر ان کا نام تھا۔

مچھلی کے پیٹ میں:

قرآن کریم میں ہے:

174۔ الصافات 140:37

﴿فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ﴾[175]

جب قرعہ اندازی کی گئی تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا۔ انہیں حکم دیا گیا کہ اس کو پھینک دو۔ ادھر حضرت یونس علیہ السلام کا سمندر میں گرنا تھا کہ خدا نے مچھلی کو حکم دیا کہ تو جا کر کھڑی ہو جا! اور میرے یونس کو سمندر کی گہرائی میں گرنے نہیں دینا۔ مچھلی آگے تیار کھڑی ہے۔ یونس علیہ السلام نے چھلانگ لگائی اور مچھلی نے اپنے پیٹ کے اندر لے لیا۔ مچھلی کو اللہ کا حکم یہ تھا کہ یونس علیہ السلام کو نگلنا نہیں، کھانا نہیں بلکہ ان کی حفاظت کرنی ہے۔

یونس علیہ السلام کتنا عرصہ مچھلی کے پیٹ میں رہے؟ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: چالیس دن اور چالیس راتیں مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ اب اللہ نے حکم دیا کہ میرے یونس کو باہر نکالو! مچھلی نے منہ کھولا اور یونس علیہ السلام کو دریا کے کنارے پھینک دیا۔ چالیس دن مچھلی کے پیٹ میں حرارت اور گرمی کی وجہ سے ان کے بدن کے سارے بال ختم ہو گئے۔

جیسے آپ دو گھنٹے پانی میں اپنے ہاتھ رکھیں۔ آپ دیکھیں گے کہ آپ کا کیا حشر ہوتا ہے! وہ تو چالیس دن مچھلی کے پیٹ میں رہے ہیں۔ جسم کمزور ہو گیا، بدن لاغر ہو گیا، بال اتر گئے۔ اللہ رب العزت نے انتظام یہ فرمایا۔

﴿وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴾[176]

"یقطین" عربی زبان میں اس درخت کو کہتے ہیں کہ جس کا تنا نہ ہو جسے ہم بیل کہتے ہیں۔ اب یہ بیل کونسی تھی؟ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ کدو کی بیل تھی۔

175۔ الصافات 141:37

176۔ الصافات 146:37

تو یونس علیہ السلام اس کدو کی بیل کے سائے میں رہتے، گرمی سے بچتے، جنگل کی ہرنی کا خدا نے انتظام فرمایا کہ وہ صبح شام آکر یونس علیہ السلام کو دودھ پلاتی۔ اس سے آہستہ آہستہ ان کی صحت بحال ہوئی اور پھر یونس علیہ السلام نے اپنا کام شروع فرما دیا۔

مچھلی کے پیٹ میں گئے تو یہ دعا مانگی:

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٧﴾﴾[177]

بھول جانا جرم نہیں ہے:

حضرت یونس علیہ السلام ظالم نہیں تھے۔ اپنے منصب اور شان کے لائق یہ ارشاد فرمایا تھا۔ جیسے میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں۔ یہ مولانا عمر صاحب ہماری مسجد کے امام ہیں، ہم مقتدی ہیں، رمضان المبارک آنے والا ہے، اگر یہ سورۃ آل عمران میں بھول جائیں تو آپ کو تعجب نہیں ہو گا۔ اگر سورہ بقرہ میں بھول جائیں تو بھی آپ کو تعجب نہیں ہو گا۔ ساتھی کہیں گے کہ بھائی! حافظ صاحب ہیں، بھول بھی جاتے ہیں لیکن اگر سورہ فاتحہ میں بھول جائیں تو اب آپ کو تعجب ہو گا! آپ نے کہنا ہے: مولانا صاحب کو ذہنی ٹینشن تو نہیں ہے؟ خیر تو ہے؟ سورہ فاتحہ میں بھول گئے! جس طرح ہماری مسجد کا امام سورہ فاتحہ میں بھولے تو تعجب ہوتا ہے اسی طرح جب نبی کوئی ایسی بات کہے جو نبی کی شان کے لائق نہ ہو تو نبی کہتا ہے: اللہ میں نے ظلم کیا ہے، مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، آپ مجھے معاف فرما دیں۔ یہ عاجزی اس لیے تاکہ اللہ کے دربار سے معافی جلدی ملے۔

یونس علیہ السلام نے تسبیح پڑھی ہے اور اگر یونس علیہ السلام یہ تسبیح نہ پڑھتے تو قرآن کریم میں ہے:

177۔ الانبیاء 87:21

﴿فَلَوْ لَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝١٤٣ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝١٤٤﴾[178]

کہ قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔ تسبیح پڑھی تو اللہ پاک نے باہر نکال دیا۔

توبہ کب قبول ہوتی ہے اور کب نہیں!

اب جو بات سمجھنے کی ہے ذرا وہ سمجھیں کہ قوم پر عذاب کیوں نہیں آیا؟ یہ جو معروف ضابطہ ہے کہ جب آدمی اللہ کے عذاب کا مشاہدہ کرے اور اس وقت توبہ کرے تو توبہ قبول نہیں ہوتی اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی پر موت کے آثار آجائیں اور آخرت کا عذاب نظر آنا شروع ہو جائے تو پھر توبہ قبول نہیں ہوتی، اسی طرح اگر دنیا کا عذاب نظر نہ آئے بلکہ دنیا کے عذاب کے اندر مبتلا ہو جائے تو پھر بھی توبہ قبول نہیں ہوتی۔

تو یونس علیہ السلام کی قوم نے نہ تو آخرت کے عذاب کو دیکھا ہے نہ ان پر دنیا کا عذاب شروع ہوا ہے بلکہ دنیا کے عذاب کے آثار آئے تھے۔ انہوں نے رو دھو کر توبہ کی تو اللہ رب العزت نے انہیں معاف فرما دیا تو یوں ان کی توبہ قبول ہو گئی۔ یونس علیہ السلام کی قوم کا عذاب کیوں ٹلا ہے، یہ بات سمجھ میں آگئی؟ (جی ہاں۔ سامعین)

مودودی صاحب اور حضرت یونس علیہ السلام:

میں اس بات پر بار بار کیوں زور دے رہا ہوں؟ ہمارے پاکستان کے ایک شخص ہیں جو دنیا سے جا چکے ہیں۔ ابو الاعلیٰ مودودی صاحب ان کا نام ہے، تفہیم القرآن

178۔ الصافات 144:37

تفسیر کی کتاب لکھی ہے۔ اس آیت کے تحت وہ تحریر کرتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک اس پر اپنی حجت پوری نہیں کرلیتا۔ پس جب نبی ادائے رسالت میں کوتاہی کر گیا اور اللہ کے مقرر کردہ وقت سے پہلے بطورِ خود اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو اللہ تعالیٰ کے انصاف نے اس کی قوم کو عذاب دینا گوارا نہ کیا۔"[179]

کتنا بڑا جرم ہے یہ ذہن بنانا کہ نبی سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی ہوگئی ہے۔ اگر نبی سے فریضۂ رسالت میں کوتاہی ہوگئی ہے تو پھر اور کون سا گناہ ہے جو نبی سے نہیں ہو سکتا؟ حالانکہ وجہ یہ نہیں تھی۔ مودودی صاحب یہ سمجھے ہیں کہ عام قانون تو یہی ہے کہ قوم عذاب کو دیکھ لے اور پھر توبہ کرے تو توبہ قبول نہیں ہوتی لیکن یونس علیہ السلام کی قوم کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے عذاب دیکھا ہے اور توبہ کی ہے تو پھر بھی ان کی توبہ قبول ہوگئی ہے۔ یہ خیال اگرچہ بعض مفسرین نے ظاہر کیا ہے لیکن کسی نے بھی اس خصوصیت کا سبب یہ نہیں لکھا کہ العیاذ باللہ نبی سے کوتاہی ہوئی ہے اس لیے قوم کی توبہ قبول ہوئی ہے بلکہ جن مفسرین نے بھی اسے قومِ یونس کی خصوصیت کہا ہے تو انہوں نے وجہ یہ لکھی ہے کہ قوم نے سچے دل سے توبہ کی تھی اس لیے توبہ قبول ہوئی۔ یا یہ کہ اللہ کے علم میں تھا کہ یہ قوم مخلص ہے اس لیے توبہ قبول کی لیکن مودودی صاحب نے جو وجہ لکھی ہے کہ قوم نے عذاب دیکھا اور توبہ کی تو توبہ تو قبول نہیں ہونی چاہیے تھی لیکن ہوئی کیوں ہے کیونکہ نبی سے کوتاہی ہوئی ہے العیاذ باللہ...

حالانکہ آیت کا مطلب یہ نہیں ہے، میں نے آپ کو سمجھایا ہے کہ دنیا کے

179۔ تفہیم القرآن: ج2 ص312 طبع 1964

عذاب میں آدمی داخل ہو جائے تو توبہ قبول نہیں ہوتی اور آخرت کے عذاب کو دیکھ لے تو بھی توبہ قبول نہیں ہوتی، آخرت کا عذاب کب دیکھتا ہے؟ جب آدمی کی روح نکلنا شروع ہوتی ہے، جب موت کے آثار آجائیں۔ نہ ان کی روح نکلنا شروع ہوئی ہے اور نہ ان پر عذاب آیا ہے، ابھی دنیا کے عذاب کے آثار کو دیکھا ہی تھا اور دنیا کے عذاب کے آثار کو دیکھ کر کوئی توبہ کرے تو توبہ قبول ہوتی ہے۔ تو آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم وہ واحد قوم ہے جس پر عذاب کے آثار آئے تو انہوں نے توبہ کی ہے اس لیے ان کی توبہ قبول ہوئی ہے، اس کے علاوہ باقی قوموں نے عذاب کو آتے دیکھا تو کبھی توبہ نہیں کی اس لیے ان کی توبہ کبھی قبول بھی نہیں ہوئی۔

قومِ یونس کی توبہ قبول، فرعون کی نہیں... وجہ فرق:

آپ کے ذہن میں ایک سوال آئے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے فرعون سے نجات دی ہے تو موسیٰ علیہ السلام دریا سے گزر گئے ہیں، بنی اسرائیل بھی گذر گئے ہیں، ان کے پیچھے فرعون اپنے لشکر کے ساتھ آیا، یہ لوگ گھوڑوں پر سوار تھے، موسیٰ علیہ السلام آگے گذرے۔ اب فرعون سمجھتا تھا کہ یہ نبی ہے اور نبی برحق ہے اور اس کا معجزہ ہے کہ دریا نے راستے دیے۔ اگر میں دریا میں گیا تو میں نے غرق ہو جانا ہے۔ وہ یہ بات سمجھ رہا تھا۔ اس لیے بعض روایات کے اندر ہے کہ فرعونی آگے گئے کیوں؟ یہ چونکہ گھوڑوں پر سوار تھے تو دست قدرت سے آگے گھوڑیاں آئیں، گھوڑے ان کے پیچھے دوڑے، یہ روکنا چاہتے تھے لیکن نہیں روک سکے اور ان کے گھوڑے دریا کی طرف چلے گئے۔ جب دریا کی موجیں ملیں اور فرعون کو خدا کے عذاب نے گھیرا تو اس وقت فرعون کہنے لگا:

﴿اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَ اَنَا مِنَ

الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾

کہ جس خدا پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں میں بھی اس پر ایمان لاتا ہوں۔

فرعون نے عذاب دیکھا، ایمان تو یہ بھی لے آیا لیکن اس کی توبہ قبول نہیں ہوئی۔ اللہ نے فرمایا:

﴿آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾﴾

کہ اب توبہ کرتا ہے عذاب دیکھنے کے بعد! پہلے تو فساد کرتا تھا، تیرے لیے معافی کی کوئی گنجائش نہیں ہے... اور ادھر یونس علیہ السلام کی قوم نے عذاب دیکھا، یہ ایمان لائی، اس نے توبہ کی تو خدا نے قبول کر لی ہے۔

اب ذرا اس کا جواب سمجھیں! حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے عذاب کے آثار دیکھے تھے، اور فرعون عذاب میں داخل ہو گیا تھا۔ عذاب کے آثار دیکھیں اور توبہ کریں تو توبہ قبول ہوتی ہے اور جب عذاب شروع ہو جائے اور پھر توبہ کرے تو توبہ قبول نہیں ہوتی۔

فرعون کی لاش؛ نشانِ عبرت:

یہاں ایک اور بات سمجھیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم سمندر سے گذر گئی اور فرعون غرق ہو گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتایا کہ فرعون غرق ہو گیا ہے، فرعونی مارے گئے ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرو۔ مسلسل غلامی میں رہنے کے نتیجے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم ماننے کے لیے تیار نہیں تھی کہ فرعون بھی غرق ہو سکتا ہے؟ فرعون بھی برباد ہو سکتا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: وہ برباد ہو گیا ہے، مر گیا ہے، عذاب آ گیا ہے، فرعون ختم ہو گیا ہے، دل بڑا کرو اور حوصلہ کرو، ابھی تک غلامی کے آثار تمہارے اندر سے جا نہیں رہے۔ اللہ رب العزت نے کرم فرما دیا کہ فرعون کی لاش کو اٹھایا اور سمندر سے باہر پھینک دیا کہ یہ دیکھو!

فرعون مرا پڑا ہے، اب تو یقین کر لو۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ ﴾[180]

آج ہم تیرے بدن کو محفوظ رکھیں گے تاکہ تو بعد میں آنے والوں کے لیے عبرت بن جائے کہ یہ وہ شخص تھا جو سجدے کراتا تھا لیکن آج ہڈیوں کا ڈھانچہ پڑا ہوا ہے اور کوئی اس کو پوچھنے کے لیے تیار نہیں۔

فرعون باہر پڑا ہے تو عذابِ قبر کیسے؟

اب اس میں ایک نکتہ سمجھیں جو میں سمجھانے لگا ہوں۔ بتائیں! فرعون کافر تھا یا نہیں؟ بہت بڑا کافر تھا، صرف کافر نہیں بلکہ کافر گر بھی تھا، یہ کافر بناتا تھا لیکن اس کے باوجود اب فرعون کی لاش پڑی ہے۔ آپ حضرات نے سنا ہے کہ مصر میں فرعون کی لاش کو انہوں نے مسالہ لگا کر رکھا ہوا ہے۔ یہ فرعون کون سا ہے؟ یہ وہی فرعون ہے جو موسیٰ علیہ السلام والا ہے یا کوئی اور فرعون ہے؟ اس میں دونوں رائے موجود ہیں۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں تھے، مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون کہتے تھے جیسے ہمارے بادشاہ کو صدر کہتے ہیں۔ بہر حال فرعون آج بھی پڑا ہوا ہے۔

اھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ آدمی کے جسم کو عذاب ہوتا ہے روح کے تعلق کے ساتھ۔ وہ لوگ جو جسم کے عذاب کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ دیکھو! فرعون کی لاش پڑی ہے، اگر اس کو عذاب ہوتا تو نظر آتا، فرعون کا جسم گرم ہوتا، کوئی آگ نظر آتی، کچھ تو پتا چلتا، اب ہم کیسے مانیں کہ فرعون کے جسم کو عذاب ہوتا ہے؟ حالانکہ قرآن کریم میں ہے:

﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ

180۔ یونس 92:10

اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴿۴۶﴾[181]

کہ صبح و شام ان پر آگ پیش ہوتی ہے اور جب قیامت کا دن ہو گا تو حکم ہو گا کہ فرعونیوں کو جہنم میں داخل کر دو!

جہنم میں داخل نہیں کیا، بلکہ صبح و شام ان پر جہنم کی آگ پیش ہو گی۔ لوگ کہتے ہیں کہ اگر جسم کو عذاب ہوتا ہے تو فرعون کے جسم پر عذاب تو نظر نہیں آرہا، فرعون کا جسم تو ٹھنڈا پڑا ہوا ہے اس کے اندر تو آگ ہے ہی نہیں۔

حضرت عمر کا استدلال کہ عذاب جسم کو ہوا ہے:

میرے اللہ کا کرم دیکھیں کہ منکرین عقیدہ اھل السنۃ نے جو جو اعتراضات کرنے تھے، اللہ نے ان کے جوابات پیغمبر کے صحابہ سے دلوادیئے۔ (سبحان اللہ۔ سامعین)

تحفہ اثنا عشریہ فارسی زبان میں ہے، اردو میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ یہ کتاب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بیٹے حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے لکھی ہے اور اس میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے اور ایک یہودی آیا اس یہودی نے آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: امیر المؤمنین! آپ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب آدمی مر جائے اور قبر میں جائے تو جسم کو عذاب ہوتا ہے، یہ دیکھو میرے ہاتھ میں دو کھوپڑیاں ہیں۔ یہ دونوں یہودی تھے، یہودیت پر مرے ہیں۔ اگر ان کو جہنم کا عذاب ہوتا تو یہ کھوپڑیاں گرم ہوتیں۔ آپ اس پر ہاتھ لگائیں، کھوپڑی ٹھنڈی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ کا عذاب نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دماغ اور عقل مبارک پیغمبر صلی اللہ علیہ

181۔ المؤمن 46:40

وسلم کی صحبت سے کہاں تک پہنچی ہے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جواب سننا۔

وہاں دو پتھر پڑے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان پتھروں کو لاؤ! وہ دو پتھر لایا۔ فرمایا کہ ان دو پتھروں پر ہاتھ رکھو! اس نے رکھے۔ پوچھا: یہ پتھر ٹھنڈے ہیں یا گرم؟ اس نے کہا کہ ٹھنڈے ہیں۔ فرمایا: معلوم ہوا کہ ان پتھروں میں آگ نہیں ہے تبھی تو ٹھنڈے ہیں۔ اس نے کہا: جی ہاں، آگ نہیں ہے تبھی تو ٹھنڈے ہیں۔ فرمایا کہ ان کو رگڑو۔ اس نے جب دونوں پتھروں کو رگڑنا شروع کیا تو پتھر گرم ہونا شروع ہوگئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بتاؤ! جب اندر آگ نہیں تھی تو یہ گرم ہونا کیسے شروع ہوگئے؟ اور اگر اندر آگ تھی تو بتاؤ ٹھنڈے کیوں تھے؟

اس نے کہا کہ امیر المؤمنین یہ اندر آگ تھی لیکن نظر نہیں آرہی تھی، جب رگڑا تو محسوس ہوئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: جس طرح پتھروں میں آگ ہے، رگڑیں تو پتا چلتا ہے اسی طرح ان ہڈیوں میں آگ ہے نبی بتائیں تو پتا چلتا ہے، پتھروں کی آگ تم نے مان لی ہے مشاہدے کی وجہ سے اور ہم ہڈی میں آگ مانتے ہیں پیغمبر کے فرمانے کی وجہ سے، عقل تو دھوکہ کھا سکتی ہے لیکن پیغمبر کی بات کبھی دھوکہ نہیں کھا سکتی۔

علامہ انور شاہ کشمیری کا تذکرہ:

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ حجۃ المسلمین حضرت شیخ الہند محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے مایہ ناز شاگرد اور چلتی پھرتی لائبریری تھے۔ علامہ انور شاہ کشمیری بہت بڑے آدمی تھے۔ خدا نے غضب کا علم دیا تھا، اتنا حافظہ دیا تھا، اتنا تقویٰ دیا تھا کہ آپ تصور کرنا بھی چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ ایک مرتبہ جامع ازہر مصر میں گئے اور وہاں ایک کتاب دیکھی۔ فرمایا: یہ

کتاب مجھے دکھاؤ۔ کتاب دیکھی۔ تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ کتاب مجھے دے دو، میں ہندوستان لے جاتا ہوں اور دیوبند سے چھپوا کر یہ کتاب تمہیں واپس کر دوں گا۔ وہ لوگ کہنے لگے: نہیں، شاہ صاحب ہم کتاب نہیں دے سکتے، آپ مطالعہ کریں، نوٹ کریں، بہر حال ہم کتاب نہیں دے سکتے۔ تو حضرت علامہ انور شاہ کشمیری صاحب نے کتاب لی، مطالعہ کیا۔ ہندوستان آ کر اس کو چھپوایا اور چھپوا کر اس کا نسخہ مصر؛ جامعہ ازہر میں بھجوا دیا۔ یہ علامہ انور شاہ کشمیری کا حافظہ تھا جو دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے۔

جب بہاولپور کی عدالت میں مرزائیوں کے خلاف پہلا کیس چلا جو ''مقدمہ بہاولپور'' کے عنوان سے چھپا ہوا ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ دیوبند سے تشریف لائے۔ عدالت میں بحث شروع ہو گئی۔ جو مرزائی مناظر تھا اس نے ہماری کتاب فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت کا حوالہ پیش کیا کہ آپ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا دین متواتر ہے اور تواتر کی ہر قسم کا منکر کافر ہے تو آپ لوگ امام رازی رحمہ اللہ پر کفر کا فتویٰ لگائیں کیونکہ علامہ بحر العلوم نے ''فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت'' میں لکھا ہے کہ امام رازی نے تواتر معنوی کا انکار کیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب جج کو فرمانے لگے کہ جج صاحب! یہ شخص عبارت غلط پڑھ رہا ہے، یہ جھوٹ بولتا ہے، یہ عبارت کتاب میں موجود نہیں ہے۔ شاہ صاحب کو جج نے کہا: علامہ صاحب! آپ کے پاس تو کتاب بھی نہیں ہے، آپ کیسے فرما رہے ہیں کہ یہ عبارت غلط پڑھ رہا ہے؟ شاہ صاحب فرمانے لگے: جو بات میں کہتا ہوں اگر یہ بات غلط ہو تو میں شکست لکھ دوں گا۔

جج نے کہا کہ اتنی گارنٹی کے ساتھ کیسے فرما رہے ہیں آپ؟ حضرت شاہ صاحب فرمانے لگے کہ بتیس سال پہلے میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تھا اگر حوالہ غلط

ہو تو میں شکست لکھ دوں گا۔ اس کتاب میں ہے کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جو حدیث ہے "لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ" یہ حدیث تواتر معنوی کے مرتبے کو نہیں پہنچی، تو امام رازی نے اس حدیث کے متواتر معنوی ہونے کا انکار فرمایا ہے، یہ نہیں کہ انہوں نے خود تواتر معنوی کے حجت ہونے کا انکار کیا ہو۔ اس بندے نے عبارت میں دجل سے کام لیا ہے۔ فرمایا کہ اس سے کہیں کہ عبارت پڑھے۔ قادیانی مناظر نے جب عبارت پڑھی تو بالکل وہی بات نکلی جو حضرت شاہ صاحب نے فرمائی تھی۔[182]

عذاب روح اور جسم دونوں کو... شاہ صاحب کا استدلال:

حضرت شاہ صاحب کے بارے میں ہمارے استاذ فرماتے تھے کہ جب آپ بازار میں جاتے تھے تو کان میں روئی رکھ لیتے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا کہ جو بات کان میں چلی جائے وہ نکلتی نہیں ہے تو میں ڈرتا ہوں کہ گانا کان میں نہ چلا جائے اور وہ نہ نکلے تو میں اس کے عذاب کو کیسے سنبھالوں گا؟ یہ تھے ہمارے اکابر۔ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا میں نے تھوڑا سا تعارف اس لیے کروایا تاکہ جب میں حضرت کی بات سناؤں تو آپ کو سمجھ آئے کہ یہ کتنے بڑے آدمی کی بات ہے!

حضرت انور شاہ صاحب فرماتے تھے کہ جسم اور روح دونوں کو عذاب کیوں ہوتا ہے؟ مثال دینے کے لیے سمجھاتے کہ ایسے سمجھو کہ دو آدمی باغ میں گئے مالٹے چوری کرنے کے لیے- میں اپنے لحاظ سے مثال دوں گا نا- اور ان میں سے ایک بندہ اندھا ہے اور ایک لنگڑا ہے۔ لنگڑے کے پاؤں نہیں ہیں وہ چل نہیں سکتا اور اندھے کی

182۔ انوار انوری: ص 42، 43

آنکھیں نہیں ہیں وہ دیکھ نہیں سکتا اور دونوں کا جی چاہتا ہے مالٹا کھانے کو۔ اب چوری کریں تو کیسے کریں؟ اندھے نے لنگڑے سے کہا کہ تو میرے کندھے پر بیٹھ جا اور مجھے بتاتا جا، میں چلتا جاتا ہوں۔ اب اندھا چلتا ہے اور لنگڑا بتاتا ہے تو جب وہ مالٹے کو چوری کر کے لے آئے، کھا ہی رہے تھے کہ پکڑے گئے۔ تو مالک سزا اندھے کو دے گا یا لنگڑے کو؟ دونوں کو دے گا۔ اس لیے کہ اگر لنگڑا نہ ہوتا تو راستہ کون دکھاتا اور اگر یہ اندھا نہ ہوتا تو اس کو لے کر کون جاتا؟ تو دونوں چوری میں شریک تھے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ بالکل یہی مثال انسان کے جسم اور روح کی ہے۔ جسم یوں سمجھو کہ جیسے چل سکتا ہے مگر آنکھیں نہیں اور روح ایسی ہے کہ جس میں آنکھیں ہیں مگر ٹانگیں نہیں ہیں۔ روح بغیر جسم کے کہیں جا ہی نہیں سکتی، دنیا میں جسم چلے گا تو روح ساتھ چلے گی، روح کی روشنی ہوگی تو جسم چلے گا، روح کی روشنی ہوگی تو اس کو نظر آئے گا۔ تو جس طرح اندھا اور لنگڑا یہ دونوں مل کر چوری کرتے ہیں تو سزا بھی دونوں کو ہوتی ہے، مزے جو دونوں نے لیے ہوتے ہیں اسی طرح جسم اور روح جب دونوں مل کر دنیا میں گناہ کے مزے لیتے ہیں تو قبر میں عذاب بھی دونوں کو بھگتنا پڑتا ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ مزے کوئی اور لے اور عذاب کسی اور کو ہو۔

ہمارے بعض لوگ ایسے سادہ ہیں... کہتے ہیں اس جسم کو عذاب نہیں ہوتا، اللہ اس جسم کے بجائے ایک اور جسم مثالی دیتے ہیں جو اس جسم کی فوٹو اسٹیٹ ہوتی ہے، خدا اس جسم کو عذاب دیتا ہے۔ میں نے کہا: سبحان اللہ! مزے یہ جسم لیتا ہے اور سزا کسی اور جسم کو مل رہی ہے تو پھر یہ جسم جس قدر مزے کرے کوئی فکر کی بات نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ جب اس کو عذاب ہی نہیں ہونا تو مزے سے گناہ کرتے پھرو! اللہ ہم سب کو بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کبھی یہ مسئلہ آگے مستقل آیا تو اس پر میں دلائل پیش کروں گا کہ ہم اھل السنۃ والجماعۃ کے دلائل کیا ہیں اور اس پر ہونے والے

شبہات کے جوابات کیا ہیں ان شاء اللہ۔

حروفِ مقطعات کے نزول کی حکمت:

﴿الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ۝۱﴾

﴿الٓرٰ﴾ یہ حروف مقطعات ہیں۔ اس پر تفصیل سے ہم بات کر چکے ہیں۔ حروف مقطعات کا علم اللہ کے پاس ہے یا اللہ اور اس کے پیغمبر کا راز ہے، دنیا میں کوئی اس کو جانتا نہیں ہے۔

ایک نکتہ سمجھنے کا ہے کہ اللہ نے حروفِ مقطعات اتارے ہیں اور لوگوں کو معنی نہیں بتایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس مسئلہ کا تعلق لوگوں کے فائدے کے ساتھ ہو تو بتانا چاہیے اور جس مسئلے کا تعلق فائدے کے ساتھ نہ ہو تو اس کو چھیڑنا نہیں چاہیے۔ بعض لوگوں کا کسی مسئلے کے ساتھ دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا لیکن چسکے لینے کے لیے مسئلے پوچھتے رہتے ہیں، کوئی نہ کوئی بات چھیڑے رکھتے ہیں حالانکہ فضول بات سے بچنا چاہیے۔

نبی کے بشر ہونے کی وجہ:

﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؔؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ ۝۲﴾

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب ہم نے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا تو مشرکین مکہ کہنے لگے: کیا بھلا نبی انسان بھی ہو سکتا ہے؟ نبی کوئی فرشتہ ہوتا تو ہم بات مانتے! ہماری طرح کھاتا ہے، ہماری طرح پیتا ہے، ہماری طرح بازار کو چلتا ہے، ہماری طرح بیویاں ہیں، ہماری طرح بچے ہیں، کیا یہ نبی

ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کو اس بات پر تعجب ہے کہ انسان کیسے نبی ہو سکتا ہے؟ اس کا بڑا آسان جواب یہ ہے کہ نبی کے ذمے ایمان والوں کو خوشخبریاں دینا اور کافروں کو ڈرانا ہے۔ اگر یہ کام فرشتے کے ذمے ہوتا تو لوگ کہتے کہ اس کو کیا پتا روزہ کسے کہتے ہیں؟ اس کو بھوک لگے تو سمجھ آئے نا؟ ان کو کیا پتا گناہ سے بچنا کسے کہتے ہیں؟ ان میں تو گناہ کی خواہش ہی نہیں ہے، ان کو کیا پتا کہ سامنے لڑکی آئے تو دل پر کیا گزرتی ہے؟ تو اللہ فرماتے ہیں: ہم نے فرشتے کو نہیں بلکہ بشر کو نبی بنا کر بھیجا ہے اور نبی میں سارے تقاضے اللہ رب العزت رکھ دیتے ہیں لیکن ان بشری تقاضوں پر جن کا تعلق گناہ سے ہو نبی عمل نہیں کرتا، اب بتاؤ! اگر یہ فرشتہ ہوتا تو بات کیسے سمجھتا؟ کسی شخص کی ماں مر جائے اب اس کی تعزیت کرنی ہے تو جس کی ماں مر جائے اس کو تو پتا ہے کہ ماں کے مرنے کا غم کیا ہوتا ہے اور فرشتے کی ماں نہیں ہوتی تو اس کو ماں کے مرنے کا غم کیا ہوگا؟ کسی آدمی کا بچہ فوت ہو جائے تو اس کو پتا ہوتا ہے کہ بچے کے فوت ہونے پر انسان پر کیا گزرتی ہے؟ فرشتے کی اولاد ہی نہیں ہے، وہ کیا بتائے گا کہ درد کیا ہوتا ہے؟

اللہ کا نظام دیکھو! اللہ کے نبی نے امت کو مسئلہ سمجھانا تھا کہ نابالغ اولاد کے فوت ہونے پر کیا ملتا ہے تو اللہ نے نبی کی نابالغ اولاد ہی دنیا سے اٹھالی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا ہے کہ اولاد کا درد کیا ہوتا ہے! اس لیے اللہ کے نبی لوگوں کو جب سمجھاتے ہیں تو بات جلدی سمجھ میں آجاتی ہے۔

آسمان وزمین چھ دن میں بنانے میں تعلیمِ امت:

﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ﴾

اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین وآسمانوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور پھر اللہ عرش پر مستوی ہوگئے۔

جب سورج اور چاند ہی نہیں تھا تو چھ دن اور چھ رات کا مطلب کیا ہے؟ مفسرین نے فرمایا ہے کہ جس قدر چھ دن اور چھ راتوں کے وقت کی مقدار بنتی ہے تو خدا نے اتنے وقت میں آسمان اور زمین کو بنا دیا ہے، اور مفسرین یہاں ایک نکتہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ لفظ "کُنْ" فرما کر آسمان اور زمین بنا سکتے تھے یہ چھ دن اور چھ راتیں لگانے کی ضرورت کیا تھی؟ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اللہ لفظ "کُنْ" بھی نہ فرمائیں تو پھر بھی یہ بن سکتے تھے، کُنْ کہنے کی بھی ضرورت کیا ہے؟

اللہ پاک نے ایسا کیوں فرمایا؟ دراصل انسانیت کو یہ بات سمجھانے کے لیے ایسا کیا ہے کہ اے انسان دیکھو! خدا نے دنیا کا نظام اسباب کے ساتھ جوڑا ہے، اللہ بغیر اسباب کے پیدا فرمانا چاہیں تب بھی فرما سکتے ہیں لیکن اسباب اور تدریج کے ساتھ خدا نے معاملہ جوڑا ہے۔ پہلے بچہ ہے، پھر جوان ہے، پھر بوڑھا ہے، پھر موت ہے۔ پہلے دو روپے، پھر دس روپے، پھر سو روپے آہستہ آہستہ تمام معاملات چلتے ہیں۔ تو اس سے یہ سبق دینا مقصود ہے کہ انسان کو کبھی بھی جلد باز نہیں ہونا چاہیے، اللہ کا یہ جو نظام ہے تدریج کا اس نظام کا قائل ہو کر بندے کو تدریج کے ساتھ ہی چلنا چاہیے۔

قمری اور شمسی نظام:

﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝۵﴾

آگے اللہ رب العزت نے چاند اور سورج کی بات کر کے ایک مسئلہ سمجھایا

ہے۔ ایک نظام شمسی ہے اور ایک نظام قمری ہے۔ میں اس پر لمبی بات کروں گا تو فلکیات کا مسئلہ چھڑ جائے گا، اس لیے میں اس پر مختصر سی بات کرتا ہوں۔ ہم نظام شمسی کو بھی مانتے ہیں اور نظام قمری کو بھی مانتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا:

اللہ وہ ہے جس نے سورج کو روشنی بنایا ہے اور چاند کو نور اور چاندنی بنایا ہے اور پھر اس کی منزلیں مقرر کی ہیں تاکہ تم ان کے ذریعے سالوں کی گنتی معلوم کر سکو اور حساب معلوم کر سکو۔ اللہ نے اس نظام کو برحق پیدا کیا ہے، اللہ یہ نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتا ہے ان لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔

سورج کی منزلیں 365 ہیں اور چاند کی 28 یا 29 ہیں۔ اس لیے سورج 365 دنوں میں اپنا دورہ مکمل کرتا ہے اور چاند ایک مہینے میں اپنا سفر طے کرتا ہے۔ ایک جگہ کا نام "منزل" ہے۔ چاند کے 30 یا 29 سٹاپ ہوتے ہیں لیکن چونکہ ایک رات کو نظر نہیں آتا اس لیے اس کے عموماً 28 سٹاپ شمار کیے جاتے ہیں۔ تو فرمایا کہ شمسی مہینوں کا حساب بھی ہے اور قمری کا حساب بھی ہے۔ ہمارے پاکستان میں شمسی حساب چلتا ہے لیکن شریعت کے احکام کا تعلق شمسی نظام سے نہیں ہے بلکہ قمری نظام کے ساتھ ہے۔ اگر حج کرنا ہو تو چاند کا اعتبار ہو گا، روزے رکھنے ہوں تو چاند کی تاریخ کا اعتبار ہو گا۔ اگر خدانخواستہ عورت کو طلاق ہو یا خاوند فوت ہو جائے تو اس کی عدت میں قمری نظام کا حساب ہو گا، زکوٰۃ ادا کرنی ہے تو قمری مہینے کا حساب ہو گا۔ تو شریعت کے احکام کا تعلق قمری نظام کے ساتھ ہے لیکن اپنے کاروبار کو اگر کوئی شخص شمسی نظام سے چلانا چاہے تو شریعت اس کو منع بھی نہیں کرتی اور یہ گناہ بھی نہیں ہے لیکن نظام وہ بنائیں جو قمری ہے۔

اس لیے علماء نے لکھا ہے کہ چاند کی تاریخ کو یاد رکھنا یہ فرضِ کفایہ کے درجے میں ہے۔ اگر ایک ضلع میں کسی کو بھی پتا نہ ہو تو یہ سارے گناہ گار ہوں گے اور

اگر دو چار کو پتا ہو تو باقی ضلع گناہ سے بچ جائے گا۔ اس لیے اہتمام کرنا چاہیے کہ شمسی کے ساتھ قمری حساب کا بھی خیال فرمائیں۔

”نبی رحمت ہے تو ہر جگہ ہے“ کا جواب:

ایک عقیدے کے حوالے سے اس آیت کو بطور دلیل ذہن میں رکھ لیں۔

ہمارا اھل السنۃ والجماعۃ احناف دیوبند کا عقیدہ ہے کہ اللہ رب العزت کی ذات ہر جگہ پر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مدینہ منورہ میں اپنی قبر مبارک میں ہے۔ جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ کے نبی ہر جگہ موجود ہیں ان کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے:

﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۝١٠٧﴾[183]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے نبی کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ اب یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی رحمۃ للعالمین ہیں تو بتاؤ دنیا میں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں خدا کی رحمت نہ ہو؟ اللہ کی رحمت تو ہر جگہ پر ہے۔ اللہ کے نبی خدا کی رحمت ہیں اور خدا کی رحمت ہر جگہ پر ہے تو ثابت ہوا کہ نبی بھی ہر جگہ پر ہے۔

میں اس کا جواب دینے لگا ہوں۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ﴿هُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ الشَّمۡسَ ضِيَآءً﴾ کہ ہم نے سورج کو روشنی بنایا ہے۔ روشنی ہر جگہ پر ہے تو سورج ہر جگہ پر، پھر کہو کہ سورج بھی حاضر وناظر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نہیں، سورج تو ہر جگہ پر نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ آیت کا مطلب پھر کیا ہو گا؟ کہتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ سورج آسمان پر ہے اور اس کی روشنی ہر جگہ پر ہے۔ میں نے کہا کہ پھر اُس آیت کا معنی یہ ہے کہ نبی پاک مدینہ میں ہیں اور نبی کی رحمت ہر جگہ پر ہے۔

183۔ الانبیاء 107:21

(سبحان اللہ۔ سامعین)

تو جو آپ کی دلیل ہے وہی ہماری دلیل ہے۔ تو جب آپ اس کا جواب دیں گے تو آپ کی اس دلیل کا جواب بھی بن جائے گا۔

جنتیوں کے تین جملے:

﴿دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾﴾

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جنتی لوگوں کے تین جملوں کا ذکر کیا ہے۔ پہلے جملے سمجھیں اور پھر عقیدہ سمجھیں۔ تین جملے یہ ہیں کہ جنتی جب جنت میں جائیں گے اور اللہ کی نعمتیں دیکھیں گے تو کہیں گے: سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ، سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ، سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ۔ بعض روایات میں یوں بھی آتا ہے کہ جب جنتی کوئی چیز لینا چاہیں گے، دل میں خیال آئے گا اور زبان سے الحمد اللہ کہیں گے تو فرشتے وہ چیزیں ان کے سامنے پیش کر دیں گے تو جنتی سب سے پہلے کہیں گے: سبحان اللہ! مکان کیسا ہے، حوریں کیسی ہیں، فلاں چیز کیسی ہے!

حوارانِ بہشت کا تذکرہ:

حوروں کے تذکرے کیا کرو، یہ عیب کی بات نہیں ہے۔ ہم عجیب لوگ ہیں! جو شرم کی باتیں نہیں ہیں ان میں شرم آتی ہے اور جو شرم کی ہیں اس میں بے شرمی کرتے ہیں۔ لڑکیوں کی باتیں کرتے ہیں تو محسوس نہیں ہوتا، حوروں کی باتیں کریں گے تو کہیں گے کیسا مولوی ہے، شرم نہیں آتی، منبر پر بیٹھ کر حوروں کی باتیں کرتا ہے۔

اللہ نے قرآن میں حوروں کا تذکرہ اس لیے کیا ہے تاکہ اس لعنت سے بچو اور جنت کی حوروں کی طلب کرو، ہم ان کے تذکرے پر شرم محسوس کرتے ہیں اور

آپ حیران ہوں گے کہ قرآن کریم میں اللہ نے حوروں کی اٹھارہ صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ قرآن نے جنت کی حوروں کا ایسا تذکرہ کیا ہے تا کہ مسلمان میں طلب پیدا ہو اور جنت کی حور کا مشتاق ہو جائے۔

میری عادت ہے کہ میں جب قرآن کی آیت پڑھتا ہوں اور مسئلہ سمجھاتا ہوں تو محاورات کے مطابق بات کرتا ہوں تا کہ بات لوگوں کے دماغ میں اتر جائے۔ اللہ پاک نے حوروں کی ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے:

﴿لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ۝﴾[184]

کہ یہ اَن ٹچ قسم کی لڑکی ہو گی۔ اس سے بہتر میں ترجمہ کیا کر سکتا ہوں؟ اور یہ قرآن کہہ رہا ہے میں تو نہیں کہہ رہا۔ اللہ انسان کے دل میں جو جائز تقاضے رکھتے ہیں تو ان جائز تقاضوں کو پورا کرنے کی جگہ خدا نے جنت رکھی ہے۔

خود کو خدا کے حوالے کرو!

میں خلاصۃً ایک بات کہہ دیتا ہوں، اس بات کو اچھی طرح سمجھو۔ دنیا میں وہ کرو جو اللہ چاہتا ہے اور جنت میں وہ ہو گا جو تم چاہتے ہو! اس سے میں مختصر بات تو نہیں کہہ سکتا۔ یہ جو لڑکیاں تم دنیا میں چاہ رہے ہو، جنت میں اللہ ان سے بہتر دے گا اور ایک نہیں دے گا ہزاروں کی تعداد میں دے گا، میں تمہیں یہ بات کیسے سمجھاؤں؟

جنت کا بازار:

بازار میں جاؤ تو جی چاہتا ہے کہ میرے بال ایسے ہوں، میر الپف ایسا ہو، میری زلفیں ایسی ہوں، کتنی خواہشیں ہوتی ہیں اور پھر اسٹائل بنا بنا کر نوجوان پھرتے ہیں۔ خدا نے جنت میں ایک بازار بنایا ہے اور اس کا نام ہے ”سوق الصور“ تصویروں کا بازار۔

184۔ الرحمٰن 74:55

پورے بازار میں تصویریں لگی ہوئی ہوں گی۔ آپ دیکھیں گے، آپ چاہیں گے کہ میں اس طرح ہو جاؤں، آپ خواہش کریں گے تو آپ اسی طرح ہو جائیں گے۔ سبحان اللہ! اب تصویر بدل گئی۔ جب گھر جائیں گے تو بیگم پہچان لے گی کہ یہ وہی ہے، یہ نہیں ہو گا کہ حور کہے کہ یہ کون آگیا؟

اب بتاؤ کہ جو ہمارے دل کے تقاضے ہیں خدا نے ان کو پورا کرنے کی جگہ کون سی رکھی ہے؟ جنت رکھی ہے۔

میں تمھیں کیسے سمجھاؤں؟ اللہ کی قسم! اگر بندے کو سمجھ آجائے تو بندہ لعنت بھیجتا ہے دنیا پر اور گناہوں والی زندگی پر۔ پھر وہ طلب کرتا ہے کہ اللہ مجھے وہ جنت والی زندگی عطا فرمادیں۔ گناہوں کے ماحول سے بچو۔ میں کس درد سے کہوں! جو گناہ کر لیے ہیں، اللہ سے توبہ کرو! بس دل میں تھوڑے سے تصور کی ضرورت ہے، اللہ سارے گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ بھائی! توبہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (کر سکتے ہیں۔ سامعین) میں بھی کرتا ہوں کہ اللہ میرے سارے گناہوں کو معاف فرمائیں اور آپ بھی کہہ لیں۔ اللہ آپ کے گناہوں کو بھی معاف فرمادیں۔

جنتیوں کا سلام:

جنت میں جائیں گے تو سب سے پہلے کیا کہیں گے؟ ﴿سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ﴾

بات توجہ سے سننا! اور اس کے بعد ﴿وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ﴾ پھر کہیں گے السلام علیکم... السلام علیکم... ایک دوسرے کو ملیں گے تو سلام کریں گے۔ آپ کسی شادی کی جگہ پر جائیں اور خوب صورت ٹینٹ لگے ہوں تو پہلے کیا کہیں گے؟ واہ جی واہ! ماشاء اللہ، سواد آگیا اور بعد میں کہتے ہیں: السلام علیکم! اچھا آپ کو بھی دعوت ہے!

جنت میں جائیں گے تو سب سے پہلے سبحان اللہ، سبحان اللہ اور پھر کہیں گے اچھا ماشاء اللہ یہ بھی آگیا، اب ایک دوسرے کو بھی سلام کریں گے اور فرشتے بھی سلام

کریں گے:

﴿سَلٰمٌ ۟ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِیۡمٍ ﴿۵۸﴾﴾ [185]

اللہ بھی سلام کریں گے۔

اور جب یہ دو مرحلے مکمل ہو جائیں گے تو پھر قرآن کہتا ہے:

﴿وَاٰخِرُ دَعۡوٰىهُمۡ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰﴾﴾ [186]

آخر میں کہیں گے: الحمد للہ اے اللہ! تیرا ہی کرم ہے، اللہ! تیرا ہی شکر ہے، ہم جیسے نالائقوں پر تو نے کتنا کرم فرما دیا ہے۔

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

یہ بات تو سمجھ آگئی ہے؟ میں یہ جملے سمجھا تا رہوں تو اللہ کی قسم آپ وجد میں آئیں کہ قرآن نے کیسی عجیب بات فرمائی ہے! لیکن میں صرف ایک بات کہتا ہوں بتائیں سبحان اللہ کہنا عبادت ہے یا نہیں؟ عبادت ہے، اور سلام کہنا؟ یہ بھی عبادت ہے، اور الحمد للہ رب العالمین کہنا یہ سب عبادات ہیں۔ جنتی لوگ یہ کہاں کہیں گے؟ (جنت میں۔ سامعین) موت کے بعد یا پہلے؟ (موت کے بعد۔ سامعین) تو جب ہم یہ بات کہتے ہیں:

"اَلْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ." [187]

کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور قبروں میں نماز پڑھتے ہیں، تو ہمارے خلاف لوگ آیت پڑھتے ہیں کہ قرآن کہتا ہے:

185۔ یٰسین 58:36

186۔ یونس 10:10

187۔ مسند ابی یعلی الموصلی: ص 658 رقم الحدیث 3425

﴿وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ ﴾[188]

کہ اے نبی! موت تک عبادت کریں۔

لوگ کہتے ہیں کہ یہ حدیث تو قرآن کی آیت کے خلاف ہے، کیونکہ جب عبادت ہے ہی موت تک تو نبی قبر میں عبادت کیسے کرتا ہے؟ تو جب حدیث آیت کے مخالف ہو تو حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں اور قرآن کو لے لیتے ہیں۔

یہ وہ شبہات ہیں جو یہ لوگ پیدا کرتے ہیں اور آپ سمجھتے ہیں کہ علامہ صاحب بڑے مفسرِ قرآن ہیں کہ حدیث کا انکار کر دیا! یہ عجیب مفسرِ قرآن ہے۔ جو حدیثوں کا انکار کرے وہ مفسر قرآن کیسے ہو سکتا ہے؟

اس سے پوچھو کہ اگر موت کے بعد عبادت نہیں ہے تو قرآن کیوں کہتا ہے کہ جنت میں جنتی کہیں گے: سبحان اللہ۔ جواب سمجھ میں آیا؟ (جی ہاں۔ سامعین)

دوسرا آپ ان کے مولوی صاحب سے پوچھیں کہ اب جواب دو کہ ایک آیت کہتی ہے کہ موت کے بعد عبادت نہیں ہے اور دوسری آیت کہتی ہے کہ جنت میں عبادت کریں گے۔ دونوں آیتوں کا ٹکراؤ ختم کرو! وہاں تو تمہارا کہنا تھا کہ حدیث قرآن کے خلاف ہے اور یہاں تو ایک آیت دوسری آیت کے خلاف ہو گئی۔

میں جواب دینے لگا ہوں، ذرا جواب سمجھنا! دنیا میں وہ عبادت ہے جسے آدمی کرے تو اجر ملتا ہے عبادت نہ کرے تو ثواب نہیں ملتا، اور موت کے بعد وہ عبادت ہے جس کے کرنے پر ثواب نہیں ہے بلکہ اس کے کرنے میں لذت اور مزے ہیں۔ یہ جو جنت میں سبحان اللہ کہیں گے یہ ثواب کے لیے کہیں گے؟ نہیں، یہ مزے لینے کے لیے کہیں گے اور دنیا میں ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے سے جنت میں درخت لگ جائے

188۔ الحجر 99:15

گا۔ اب جنت میں سبحان اللہ کہنے پر درخت نہیں لگتا۔ یہ جو دنیا میں سبحان اللہ کہا ہے اس پر درخت لگا ہے۔ جب اس درخت کو دیکھے گا تو کہے گا: سبحان اللہ۔ اب یہ سبحان اللہ اس وجہ سے نہیں کہ ایک اور درخت لگے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ میں نے دنیا میں کہا تھا تو دیکھو اس سے کتنا بڑا درخت لگا ہے، اب یہ سبحان اللہ درخت لگوانے کے لیے ہے یا مزے لینے کے لیے؟ (مزے لینے کے لیے ہے۔ سامعین) ہم دنیا میں نماز پڑھتے ہیں۔ پڑھیں گے تو اجر ملے گا، نہیں پڑھیں گے تو گناہ ملے گا لیکن نبی قبر میں نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ اس لیے کہ نماز پڑھیں گے تو مزا آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی ہے؟ (جی ہاں۔ سامعین)

میں یہ عقیدے اس لیے سمجھاتا ہوں کہ لوگ کہتے ہیں کہ ان کے عقیدے قرآن کے خلاف ہیں۔ بھائی قرآن پڑھیں تو سمجھ آئے کہ قرآن کے خلاف ہیں یا نہیں؟

اکابر علمائے دیوبند کا عقیدہ اور قرآن کے خلاف ہو! یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ ہمارے اکابر قرآن کے خلاف نہیں تھے، قرآن کی خدمت کرنے والے تھے۔

ذکر کرنے اور بیمار کے دعا کرنے کی ترتیب:

﴿وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآىِٕمًا ۚ﴾[189]

اللہ نے دو جگہوں پر عجیب بات فرمائی ہے۔ یہاں فرماتے ہیں کہ جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو انسان لیٹ کر بھی اللہ سے کہتا ہے: یا اللہ! میری تکلیف دور کر دے، پھر بیٹھ کر کہتا ہے: اللہ! میری تکلیف کو دور کر دے۔ پھر کھڑے ہو کر کہتا ہے: اللہ! میری تکلیف کو دور کر دے۔ ترتیب کیا رکھی ہے کہ پہلے لیٹے ہوئے، پھر بیٹھے

189۔ یونس 12:10

ہوئے اور پھر کھڑے ہوئے۔ اور جب ذکر کی باری آئی تو فرمایا:

﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾[190]

اللہ کے ولی کھڑے ہو کر ذکر کرتے ہیں، تھک جائیں تو بیٹھ کر کرتے ہیں، پھر تھک جائیں تو لیٹ کے کرتے ہیں۔

ذکر میں قیام سے بیٹھنے کی طرف ترتیب ہے اور بیماری میں بیٹھنے سے کھڑے ہونے کی طرف ترتیب ہے۔ اللہ نے انسان کی فطرت بیان کی ہے کہ پہلے کھڑا ہوتا ہے، تھک جائے تو بیٹھ جاتا ہے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جاتا ہے، تو جب بیماری آئے تو لیٹا ہو تو بیٹھ جاتا ہے پھر کھڑا ہو کر دعا مانگتا ہے۔ تو دونوں کی ترتیب الگ الگ ہے۔ اللہ ہمیں ذکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

گنجائش نکالو! کا خدائی جواب:

﴿وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾﴾

اللہ نے مشرکین کے اعتراض کا جواب دیا ہے۔ مشرکین کے سامنے جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھتے تھے تو مشرکین وہ بات کرتے تھے جو لوگ آج ہمیں کہتے ہیں۔ توجہ سے سمجھنا! ہمیں لوگ کہتے ہیں: مولانا صاحب! کوئی گنجائش نکالو! دسواں تو بدعت ہے کچھ تبدیلی کرو، ہماری مجبوری ہے۔ قل ہیں تو بدعت لیکن کچھ نہ کچھ گنجائش نکالو! جب اللہ کے نبی قرآن پڑھتے تھے تو مشرکین کہتے تھے ﴿ائْتِ

190۔ آل عمران 191:3

بِقُرۡاٰنٍ غَيۡرِ هٰذَاۤ﴾ کہ یہ قرآن نہیں کوئی اور لاؤ، اچھا یہ نہیں ہو سکتا﴿اَوۡ بَدِّلۡهُ ؕ﴾ یا تھوڑی سی تبدیلی کر دیں۔ اور یہی بات آج لوگ ہمیں کہتے ہیں: مولوی صاحب! ہم سمجھتے ہیں کہ بات ٹھیک نہیں ہے لیکن ہماری مجبوری ہے، کچھ گنجائش نکالیں۔ یہ بات جو مشرکین مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے آج وہی بات لوگ نبی کے ورثاء سے کہتے ہیں۔

اللہ کے نبی نے جواب دیا:﴿مَا يَكُوۡنُ لِىۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآئِ نَفۡسِىۡ﴾ میں قرآن کو نہیں بدل سکتا، یہ میرے بس میں نہیں ﴿اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ﴾ میں تو وحی کا پابند ہوں، ﴿اِنِّىۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَيۡتُ رَبِّىۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۵﴾﴾ اگر میں نے وحی کو بدل دیا تو میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اس لیے یہ میرے بس میں نہیں ہے۔

ہم بھی امت سے یہ بات کہتے ہیں کہ ہم سے مسائل بدلنے کی توقع نہ رکھو! ہمارے بس میں نہیں ہے، عمل کر سکتے ہو تو کر لو، نہیں کر سکتے تو بدلنا ہمارے بس میں نہیں ہے۔

آپ مجھے بتائیں! آپ علماء سے محبت کرتے ہیں یا نہیں؟ کیوں کرتے ہیں؟ اس لیے کرتے ہیں نا کہ آخرت میں ہمارے کام آئیں، اس لیے کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ہماری سفارش کریں، اس لیے ان کی بیعت کر لو، ان کے پیچھے نماز پڑھو، ان کے مدرسے میں چندہ دو! تو دنیا کے لیے یا آخرت کے لیے؟(آخرت کے لیے۔ سامعین) لیکن یہ بتاؤ کہ آخرت میں تمہارے کام کون سے مولوی صاحب آسکتے ہیں؟ تمہاری سفارشیں کون کریں گے؟ حق گو علماء کرام! حق کو بیان کرنے والے، ملامت کی پروانہ کرنے والے اور قوم سے مفاد نہ رکھنے والے علماء یہ قیامت کے دن ہمارے سفارشی ہوں گے۔ دعا کریں کہ اللہ ہمیں ایسے علماء سے جوڑ کر رکھیں۔ (آمین)

اولیاء کو دنیا اور آخرت میں بشارت:

اللہ رب العزت نے اولیاء کے بارے میں ایک جملہ فرمایا:

﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾﴾

ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی، اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ تو اللہ رب العزت اپنے ولی کو دنیا میں بھی بشارت دیتے ہیں اور آخرت میں بھی بشارت دیتے ہیں۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں بشارت یہ ہوتی ہے کہ وہ خود اچھا خواب دیکھتا ہے یا لوگ اس کے بارے میں اچھے خواب دیکھتے ہیں اور دوسری اس کی نشانی یہ ہے کہ بغیر مفاد کے لوگ اس سے پیار کرتے ہیں اور موت کے بعد اللہ اسے جنت کی نعمت عطا فرما دیتے ہیں۔

جادو سے بچنے کے لیے وظیفہ قرآنی:

﴿فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَ يُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾﴾

یاد رکھیں! میں ایک بات سمجھانے لگا ہوں۔ پوری دنیا میں آج ایک مسئلہ ہے کہ مولوی صاحب! کوئی حساب کتاب لگائیں، دکان نہیں چلتی ہے، جادو ہو گیا ہے، اثرات ہو گئے ہیں، فلاں عامل کے پاس گئے اس نے بتایا ہے۔ بھائی! جس عامل کے پاس بھی جائیں گے تو اس نے آپ کو بتانا تو ہے نا؟ وہ ایسی بات بتائیں گے کہ آپ واقعتاً پریشان ہوں تاکہ آپ ان سے علاج شروع کروا دیں۔

اب بات سمجھیں: یہ دو آیتیں تین مرتبہ صبح اور تین مرتبہ شام کو پڑھیں گے تو جادو اثر نہیں کرے گا۔ اگر جادو ہو گا تو اس کی برکت سے بچاؤ ہو جائے گا۔ اس سے آسان نسخہ میں آپ کی خدمت میں کیا پیش کروں؟ لیکن آپ کو قیمت کیوں نہیں سمجھ آنی، اس لیے کہ مفت میں بتا دیا ہے۔

آپ مرکز میں تشریف لاتے، ہزار روپے خرچ کرتے، دو ہزار جیب میں ڈالتے اور میں پرچی میں لپیٹ کر دیتا تو آپ کہتے کہ مولوی صاحب نے بڑا بہترین نسخہ بتایا۔ آسان بات قوم کی سمجھ میں نہیں آتی نا!

بحمد اللہ میرا سالہاسال سے یہ معمول چلا آرہا ہے کہ میں صبح کو تین مرتبہ پڑھتا ہوں اور شام کو بھی پڑھتا ہوں اور آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ بھی صبح و شام تین مرتبہ پڑھیں تو جادو اثر نہیں کرے گا۔ اگر ہو گا بھی تو اللہ اس کو اپنی قدرت سے ختم کر دیں گے۔

آمین آہستہ کہنے کی دلیل:

﴿قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِیْمَا وَ لَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾﴾

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا ذکر فرمایا ہے اور میں نے اس سے ایک مسئلہ سمجھانا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دعا مانگی تھی: ﴿رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ اے اللہ! آپ نے فرعون اور اس کی قوم کو مال دیا ہے، دولت دی ہے لیکن یہ لوگ امت کو برباد کرتے ہیں، اللہ! ان کے مالوں کو مسخ کر کے رکھ دیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ ان کے جو باغات تھے وہ بھی تباہ ہو گئے، سارے

اموال کو خدا نے ختم کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یا اللہ! ان کے دلوں کو بھی سخت کر دے اب ایمان تو لائیں گے نہیں، اب ان کو عذاب دے دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَدۡ اُجِیۡبَتۡ دَّعۡوَتُکُمَا﴾ اے موسیٰ اور ہارون! ہم نے تم دونوں کی دعا قبول کر لی ہے۔ دعا مانگ رہے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس دعا پر آمین فرما رہے ہیں حضرت ہارون علیہ السلام۔

توجہ رکھنا! امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں- باوجود شافعی مسلک ہونے کے- کہ اس آیت سے پتا چلا ہے کہ یہ جو امام نماز میں ﴿وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ﴾ پڑھتا ہے اور ہم آمین کہتے ہیں یہ آمین دعا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا مانگتے ہیں اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے ہیں۔ اللہ نے دونوں سے فرمایا: ﴿قَدۡ اُجِیۡبَتۡ دَّعۡوَتُکُمَا﴾ کہ ہم نے تم دونوں کی دعا قبول کر لی ہے۔ اس سے پتا چلا کہ آمین دعا ہے اور دعا کے بارے میں قرآن کریم کہتا ہے:

﴿اُدۡعُوۡا رَبَّکُمۡ تَضَرُّعًا وَّ خُفۡیَۃً﴾[191]

کہ جب تم دعا مانگو تو گڑ گڑا کر مانگو اور آہستہ مانگو۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ میں امام شافعی کا مقلد ہوں لیکن حق یہ ہے کہ آمین آہستہ کہنے پر قرآن امام اعظم ابو حنیفہ کا ساتھ دیتا ہے۔[192]

یہ چھوٹی دلیل نہیں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے مقلد امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ جنہوں نے تیس جلدوں میں عربی میں تفسیر کبیر لکھی ہے وہ فرما رہے ہیں: ”وَنَحۡنُ نَقُوۡلُ بِهٰذَا الۡقَوۡلِ“ کہ اس مسئلے میں ہم بھی وہی کہتے ہیں جو امام ابو حنیفہ

191۔ الاعراف 7:55

192۔ التفسیر الکبیر للرازی: ج14 ص107

فرماتے ہیں۔ اللہ ہمیں اپنے مسلک کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ ہم سب کو بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

پیغمبر علیہ السلام کو تسلی:

بس میں آخری آیت پر بات کر کے بات ختم کرتا ہوں:

﴿وَ اتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤی اِلَیْكَ وَ اصْبِرْ حَتّٰی یَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَ هُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ۝۱۰۹﴾

اللہ رب العزت نے اپنے پیغمبر سے فرمایا: میرے پیغمبر! آپ ان سے فرمادیں کہ اگر یہ اطاعت کریں گے تو اپنے لیے، اگر گمراہ ہوں گے تو عذاب ان پر ہو گا، اے پیغمبر! آپ وحی کی اتباع کریں اور صبر کرتے رہیں، اللہ فیصلہ فرمادیں گے اور اللہ بہترین فیصلہ فرمانے والے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے اور اس میں علماء کے لیے بھی ہدایت ہے کہ علماء کو چاہیے دلائل کے ساتھ اپنے مسلک کو بیان کرتے رہیں، اگر قوم قبول کرے تو ان کا شکریہ ادا کریں اور اگر قوم قبول نہ کرے تو زیادہ پریشان نہ ہوں۔ بس بات کہہ کر اللہ کے حوالے کر دیں۔

اللہ مجھے اور آپ سب کو اپنے مسلک کو سمجھنے کی اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.

سورۃ ھود

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿الٓرٰ ۟ کِتٰبٌ اُحۡکِمَتۡ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ خَبِیۡرٍ ۙ﴿۱﴾
اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰہَ ؕ اِنَّنِیۡ لَکُمۡ مِّنۡہُ نَذِیۡرٌ وَّ بَشِیۡرٌ ۙ﴿۲﴾﴾

سورت کا تعارف:

آپ حضرات کے علم میں ہے کہ ترتیب کے ساتھ بحمد اللہ تعالیٰ ہمارا درس قرآن کریم شروع ہے۔ آج ہمارے درسِ قرآن کا عنوان ہے ”سورۃ ھود کے مضامین“۔ یہ سورۃ مکی ہے۔ اس میں دس رکوع اور ایک سو تیئس آیات ہیں۔ سورۃ ھود میں اللہ رب العزت نے کئی ایک انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا ہے مثلاً حضرت نوح، حضرت ھود، حضرت صالح، حضرت شعیب، حضرت ابراہیم، حضرت لوط اور حضرت موسیٰ علیہم السلام لیکن اس سورۃ کا نام ”سورۃ ھود“ ہے۔ میں ہر سورت کی وجہ تسمیہ عرض کیا کرتا ہوں یعنی سورت کا نام رکھنے کی وجہ کیا ہے! اس سورۃ میں کئی ایک انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ تھا تو کسی ایک نبی کے نام پر اس سورۃ کا نام تجویز کر دیا گیا۔ یہ نام ہم خود تجویز نہیں کر سکتے اور اس میں دخل بھی نہیں دے سکتے کہ انبیاء تو کئی تھے تو فلاں نبی کے بجائے فلاں نبی کے نام پر سورۃ کا نام کیوں رکھا گیا ہے؟ بہر حال چونکہ اس میں حضرت ھود علیہ السلام کا مبارک تذکرہ ہے اس لیے سورۃ کا نام بھی سورۃ ھود ہے۔

قرآن اللہ کا کلام ہے… دلیل:

﴿اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِہٖ مُفۡتَرَیٰتٍ وَّ ادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۳﴾﴾

فرمایا: کیا یہ لوگ یہی بات کہتے ہیں کہ پیغمبر پاک نے قرآن کو خود ہی گھڑا ہے! آپ ان سے فرما دیجیے کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو تو تم بھی اس جیسی دس سورتیں بنا کر لاؤ اور اللہ کے سوا جس کو مدد کے لیے بلا سکتے ہو بلا لو!

حضور علیہ السلام کے دو معجزات:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی معجزات ہیں لیکن آپ کا سب سے معروف معجزہ قرآن کریم ہے۔ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اپنی معروف تفسیر ”معارف القرآن“ میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو معجزے ایسے ہیں جو قیامت تک رہیں گے۔ ان میں ایک معجزہ قرآن کریم ہے اور ایک معجزہ اور ہے جو ہمارے مشاہدہ میں نہیں ہوتا۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا معجزہ یہ ہے کہ جتنے لوگ حج کے لیے جاتے ہیں تو جن کا حج قبول ہو جائے تو ان کے کنکر اٹھانے نہیں پڑتے بلکہ خود بخود اٹھ جاتے ہیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو معجزات ہیں۔

اب بہت سے احباب کو تعجب ہوتا ہے کہ اب تو پتھر اٹھانے پڑتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اب ساروں کے حج قبول نہیں ہوتے، پہلے وہاں کنکر اٹھانے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا تھا، حجاج حج کرتے کنکر پھینکتے اور جن کا حج قبول ہوتا ان کے کنکر خود بخود اٹھ جاتے لیکن اب کنکر کیوں اٹھانے پڑتے ہیں؟ جب آدمی کا کاروبار حرام کا ہو اور وہ حج کرے تو اللہ تعالیٰ سے اس حج کی قبولیت کی توقع رکھنا کتنی بڑی بیوقوفی کی بات

ہے! اس لیے انسان کو اپنے کاروبار پہ، اپنی تجارت پہ، اپنے اسباب پہ غور کرنا چاہیے اور پھر خود اندازہ لگالینا چاہیے کہ کنکر کیوں نہیں اٹھتے!

دوسرا معجزہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن کریم ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات عملی بھی ہیں اور علمی بھی ہیں، باقی انبیاء علیہم السلام کے معجزات عملی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا پھینکا تو وہ سانپ بن گیا یہ عملی معجزہ ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر عصا مارا تو بارہ چشمے نکل پڑے یہ عملی معجزہ ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب کسی نابینا کی آنکھوں پر ہاتھ لگاتے تھے تو اسے دکھائی دینے لگتا تھا یہ عملی معجزہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام تخت پر بیٹھے جہاں چاہتے وہ تخت اڑا کر لے جاتا یہ عملی معجزہ ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے جب عامل جاتا تو عمل اس کے ساتھ چلا جاتا ہے اور جب عالم جاتا تو علم کے نتائج چھوڑ کر جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جو انبیاء علیہم السلام تھے ان کی نبوت قیامت تک نہیں تھی، ان کی نبوت کا وقت چونکہ محدود تھا اس لیے ان کے معجزے کا وقت بھی محدود تھا۔ ہمارے نبی کی نبوت چونکہ قیامت تک ہے اس لیے خدا نے معجزہ دیا تو ایسا دیا جو قیامت تک ہے۔

علمی اور عملی معجزات:

عمل عامل کے ساتھ چلا جاتا ہے لیکن عالم اپنے علم کے اثرات کو چھوڑ کر جاتا ہے۔ ایک آدمی دنیا میں آیا، وہ نماز پڑھتا ہے، جب وہ فوت ہوتا ہے تو اس کے بعد اس کا تذکرہ ہی کر سکتے ہیں کہ یہاں فلاں نمازی تھے لیکن اب نہیں ہیں، وہ زندہ تھے اور نمازیں پڑھ رہے تھے تو نمازیں چل رہی تھیں، جب وفات پاگئے تو نمازیں بھی ختم ہو گئیں لیکن عالم جب زندہ ہوتا ہے تو تب بھی علوم ہوتے ہیں اور جب دنیا سے چلا جاتا ہے تو نتائج چھوڑ کر جاتا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ فلاں عالم دنیا سے چلے گئے ہیں لیکن ماشاء

اللہ ہزاروں کی تعداد میں اپنے شاگرد دے کر گئے ہیں۔ تو باقی انبیاء علیہم السلام کے معجزات عملی ہیں اور ہمارے نبی کا معجزہ علمی ہے۔

اور اللہ رب العزت کی ترتیب اور سنت یہ ہے کہ نبی کو معجزات وہ دیتے ہیں جو اس دور میں کسی چیز کا عروج ہو، جس چیز کا لوہا دنیا مانتی ہو نبی اس کے مقابلے میں اپنا معجزہ پیش کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جادو کا چرچا تھا تو موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ وہ تھا جس نے جادو کو ختم کیا ہے، اس کے مقابلے سے جادوگر لاعاجز ہو گئے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں طب کا عروج تھا، بڑے بڑے طبیب ہوتے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزے وہ دیے جس سے طبیب عاجز آ جائیں۔ میں اس پر زیادہ بات نہیں کرتا لیکن اتنی بات کہتا ہوں کہ طبیب یہ تو کر سکتا ہے کہ دوا دے تو بخار ٹھیک ہو جائے، یہ تو کر سکتا ہے کہ دوا دے تو سر درد ٹھیک ہو جائے، یہ تو کر سکتا ہے کہ دوا دے تو بینائی لوٹ آئے لیکن مادر زاد اندھا ہو اور طبیب دوائی دے تو بینائی لوٹ آئے یہ بڑا مشکل ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام مادر زاد اندھے کا علاج فرماتے تھے یہ معجزہ تھا۔

یہ بھی ہم مان سکتے ہیں کہ مادر زاد اندھا ہو اور ڈاکٹر علاج کرے تو بینائی مل جائے لیکن آدمی دنیا چھوڑ دے اور طبیب اس میں روح ڈال دے یہ نہیں ہو سکتا، اور ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام قبر پر کھڑے ہو کر فرماتے: "قُمْ بِإِذْنِ اللّٰهِ" کہ اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جا تو وہ مردہ زندہ ہو کر قبر سے باہر آ جاتا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پرندے کی شکل بناتے اور اس پر اللہ کا نام لے کر پھونک مارتے تو وہ پرندہ جاندار بن کر اڑ جاتا، دنیا کی سائنس نے جتنی بھی ترقی کی ہو، بے جان میں جان نہیں ڈال سکتی۔

معجزہ دینے کے متعلق اللہ کی ترتیب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عربی ادب کا چرچا تھا، ایک عام

عورت آتی اور سو سو اشعار پڑھ دیتی تھی، ایک آٹھ سال کا بچہ آتا اور سو سو شعر پڑھ دیتا تھا، ہزار ہزار شعروں کے قصیدے پڑھے جاتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے کچھ پہلے سات شعراء نے قصیدے لکھے اور کعبے پر لٹکا دیے گئے، انہیں عربی زبان میں کہتے ہیں: سبع معلقہ۔ "سبع" کا معنی ہے سات اور "معلقہ" کا معنی ہے لٹکائے ہوئے، یہ کتاب ہمارے ہاں درس نظامی کے نصاب میں شامل ہے جس میں وہ قصیدے موجود ہیں۔ شاعر اٹھا اور اس نے قصیدہ لٹکا دیا کہ اس جیسا کلام ہے تو پڑھ کر دکھاؤ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے معجزہ وہ دیا کہ جس کے سامنے عربی کے ادیب بھی عاجز آ گئے، وہ مان گئے کہ یہ کلام بندے کا نہیں بلکہ یہ کلام بندے کے خدا کا ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کلام اترا تو سبع معلقہ کو اتار دیا گیا۔ اب اللہ کے پیغمبر دنیا میں تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے معجزہ علمی بھی دیا اور ایسا معجزہ دیا کہ دنیا اس کے مقابلے سے عاجز آ گئی۔

قرآن مجید کے تین چیلنج:

اللہ نے تدریجاً چیلنج کیا ہے۔ پہلے اللہ نے فرمایا:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾﴾[193]

اے پیغمبر! آپ فرما دیجیے کہ اگر تمام انسان اور جنات جمع ہو جائیں اور اس جیسا قرآن لانا چاہیں تو نہیں لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کر لیں تب بھی نہیں لا سکتے!

جب اس چیلنج کو پورا کرنے سے سارے عاجز آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے چیلنج تھوڑا

193۔ بنی اسرائیل 88:17

ساکم کر دیا کہ اگر یہ نہیں کر سکتے تو چلو پھر دوسرا چیلنج سنو!

﴿اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَیٰتٍ وَّادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۳﴾﴾ [194]

اگر تم قرآن کو نہیں مانتے تو اس جیسی دس سورتیں تم لے آؤ، ہم مان لیں گے کہ تم قرآن کا مقابلہ کر سکتے ہو!

اس سے بھی عاجز آ گئے تو اللہ نے اور تخفیف کی ہے اور فرمایا:

﴿وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ﴾ [195]

کہ اگر تم اس قرآن میں شک کرتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی ایک سورت ہی لے آؤ!

دنیا بھر کے عرب مل کر ایک چھوٹی سی سورت سورۃ الکوثر کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے تو پورے قرآن کا مقابلہ کیا کریں گے! اللہ رب العزت نے چیلنج دیا ہے تو پھر اس چیلنج کے سامنے کوئی نہیں بولا۔

خیر میں گزارش یہ کر رہا ہوں کہ سورۃ ھود کی ان آیات میں اللہ رب العزت نے قران کریم کی صداقت پر بات کی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ اور قوم کے دو طعنے:

﴿وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖۤ اِنِّىۡ لَـكُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۲۵﴾﴾

حضرت نوح علیہم السلام نے جب قوم کو دعوت دی تو نوح علیہ السلام کا کلمہ پڑھنے والے بڑے بڑے لوگ نہیں تھے بلکہ غریب لوگ تھے، مسکین تھے، چھوٹے

194۔ ھود 13:11

195۔ البقرۃ 23:2

چھوٹے کاروبار والے لوگ تھے۔ تو اس پر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے سرداروں نے نوح علیہ السلام کو طعنہ دیا:

پہلا طعنہ... کہ نبی بشر کیوں ہے؟

﴿فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ﴾

ان سرداروں نے پہلی بات یہ کی کہ ہم تجھے نبی کیسے مانیں؟ تُو تو ہم جیسا انسان ہے، بھلا انسان بھی نبی ہو سکتا ہے؟

میں آپ کے ذوق کی تازگی کے لیے چھوٹا سا جملہ کہتا ہوں۔ ہمارے ہاں دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں جو غلط فہمی کا شکار ہیں۔ ایک وہ جنھوں نے نبی کو دیکھا ہے اور ایک وہ جنھوں نے نہیں دیکھا۔ ذہن دونوں کا ایک ہی ہے۔ جنھوں نے دیکھا تو انہوں نے کہا کہ ہم تمہیں بشر مانتے ہیں، نبی نہیں مانتے اور جنھوں نے نہیں دیکھا تو انہوں نے کہا کہ ہم تمہیں نبی مانتے ہیں بشر نہیں مانتے۔ اس کا معنی کہ دونوں کا دماغ ایک ہی ہے کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا۔

نبی بشر ہو تو امت کا درد سمجھ سکتا ہے!

ہم کہتے ہیں کہ نبی ہوتا ہی بشر ہے، بشر نہ ہو تو اللہ تعالیٰ تاج نبوت اس کے سر پر رکھتے ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی قوم کا پیشوا ہوتا ہے، نبی قوم کا مقتدا ہوتا ہے اور پیشوا اور مقتدا وہی بن سکتا ہے جو قوم کے درد کو سمجھے اور قوم کا درد وہی سمجھتا ہے جس پر درد آئے، جو درد میں مبتلا نہ ہو وہ قوم کا درد سمجھے گا کیسے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں۔ نبی قوم سے کہے کہ روزہ رکھو! اب روزہ رکھنے سے بھوک بھی لگتی ہے، پیاس بھی لگتی ہے، اگر نبی ایسا ہو جسے بھوک اور پیاس لگتی ہی نہ ہو تو بتاؤ اس نبی کی بات

کون مانے گا؟ خدا نبی اس کو بناتے ہیں جس کو بھوک بھی لگے۔

آپ نے واقعہ سنا ہے اور کوئی کتاب ذہن میں نہ ہو تو فضائل اعمال تو ذہن میں ہے نا! اس میں آپ نے واقعہ پڑھا ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ خندق کھود رہے ہیں اور عرض کی کہ یارسول اللہ! بہت بھوک لگی ہے، کیا کریں؟ اور پیٹ سے کپڑا اٹھایا تو پتھر بندھا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ مبارک سے کپڑا اٹھایا تو دو پتھر بندھے ہوئے تھے، فرمایا: بھوک تمہیں لگی ہے تو مجھے بھی لگی ہے۔ اب اگر نبی بشر نہ ہوتے تو نہ بھوک لگنی تھی نہ صحابہ کرام کو مسئلہ سمجھ آنا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی کی تربیت کے بہت فضائل بیان فرمائے ہیں۔ اب بتاؤ! اگر کسی آدمی کی بیٹی نہ ہو اور اس کو پتا چلے کہ فلاں کی بیٹی کو طلاق ہو گئی ہے تو وہ اس درد کو کیا سمجھے گا؟ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیوں کو طلاق ہوئی ہے، ابو لہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیوں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو طلاق دی ہے۔ یہ طلاق رخصتی سے پہلے ہی ہو گئی تھی۔ اب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے ہیں کہ جب بیٹی کو طلاق ہو تو باپ کے دل پر کیا گزرتی ہے! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد نہ ہوتی اور نبی فرشتہ ہوتے تو کیسے سمجھ آتا؟

نابالغ اولاد فوت ہو تو اس کا اجر:

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد نابالغی کی حالت میں فوت ہوئی ہے۔ اب پیغمبر کو پتا ہے کہ نابالغ اولاد فوت ہو تو کیا دکھ ہوتا ہے۔

آپ کے علم میں ہے کہ ابھی ہمارے قریب ہیں مولانا ثناء اللہ صاحب ان کا چھوٹا بچہ فوت ہوا تھا تو میں تعزیت کے لیے گیا۔ وہ مجھے کہنے لگے: مولانا صاحب! مجھے

اب بات سمجھ آئی ہے کہ چھوٹا بچہ فوت ہو تو کیا تکلیف ہوتی ہے۔ پہلے کسی کے چھوٹے بچے کی وفات کا سنتے تھے تو ہم کہتے تھے کہ چھوٹا بچہ ہے، فوت ہو گیا ہے تو کیا ہوا؟ ہمیں دکھ نہیں ہوتا تھا لیکن جب اپنا بیٹا فوت ہوا ہے تو اب مجھے احساس ہوا ہے کہ چھوٹے بچے کے فوت ہونے کا دکھ کیا ہوتا ہے۔ میں نے کہا: اب یہ حدیث سمجھنی کتنی آسان ہے کہ نابالغ بچہ فوت ہو اور والدین صبر کریں تو وہ جنت میں جانے کا سبب بنتا ہے! یہ بات سمجھ تب آتی ہے جب نابالغ بیٹا فوت ہو، جب فوت نہ ہو تو بات سمجھ میں نہیں آتی۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں اپنے گھر میں وضو کر رہا تھا، چھوٹے بچے میرے سامنے کھیل رہے تھے، غیر شعوری طور پر میرے ذہن میں بات آئی کہ نابالغ کے فوت ہونے پر اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تو اگر ہمارا بھی کوئی نابالغ فوت ہوتا... یہ بات ذہن میں آتی تو پھر میں اپنے آپ کو ایسا جھٹکا دیتا کہ یہ تو نے کیا بات سوچی ہے؟ یہ بات غیر شعوری طور پر دل میں آتی تھی جب فضائل پڑھتا تھا لیکن پھر جھٹکا دیتا کہ یہ کون سی بات ہے۔ ہمارا ایک نہیں بلکہ دو بیٹے اور ایک بیٹی؛ تین بچے نابالغی کی حالت میں فوت ہوئے ہیں۔

میں ساتھیوں سے کہتا ہوں کہ ہمیں دکھ تو ہوا ہے لیکن اب خوش ہیں، کیونکہ یہ ایک نصاب ہے جو اللہ نے ہمیں عطا فرمایا دیا ہے۔ دکھ تو ظاہر ہے کہ ہوتا ہے لیکن جب آخرت کے فضائل سامنے آتے ہیں تو بندے کو تسلی ہوتی ہے۔ میں اب بھی یہ بات بیوی کو سمجھاتا ہوں اور آپ بھی یہ بات سمجھیں! اگر بچہ بالغ ہوا تو آپ کو پتا نہیں کہ وہ کافر ہو گا یا مؤمن ہو گا؟ پھر مؤمن ہو گا تو فاسق ہو گا یا نیک ہو گا؟ یہ ہمیں کچھ پتا نہیں۔ وہ خود جنت میں جائے گا یا باپ کو بھی گھسیٹ کر جہنم میں لے جائے گا یہ ہمیں بالکل معلوم نہیں اور اگر نابالغ فوت ہوا اور وہ ہوا مسلمان کا بچہ تو اس نے کہاں

جانا ہے؟ جنت میں۔ وہ خود بھی جنت میں جائے گا اور والدین کو بھی لے کر جائے گا۔ اگر بالغ بیٹا نیک ہو کر فوت ہوا اور وہ جنت میں چلا بھی گیا تو اس کی جنت الگ ہو گی اور ماں باپ کی جنت الگ ہو گی! لیکن اگر نابالغ فوت ہوا تو ماں باپ کے ساتھ رہے گا۔ تو جو نابالغ بچوں کا لطف آتا ہے نا تو جس کے نہیں گئے وہ لطف نہیں اٹھا سکتا اور جس کے گئے ہیں وہ نابالغ بچوں کا لطف جنت میں ہمیشہ اٹھائے گا۔

اب بتاؤ! یہ اللہ کا کرم ہے یا اللہ کی طرف سے تکلیف ہے؟ (اللہ کا کرم ہے۔ سامعین) جس کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تو وہ گلہ کر گزرتے ہیں۔ اللہ کے بندے! آپ کے نابالغ بیٹے کو موت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کو آپ سے بھی پیار ہے اور آپ کے نابالغ بیٹے سے بھی پیار ہے۔ اللہ آپ کو جنت میں ہمیشہ اکٹھا رکھنا چاہتے ہیں تو یہ پیار کی نشانی ہے یا نفرت کی نشانی ہے؟ (پیار کی نشانی ہے۔ سامعین)

اللہ نبوت کا تاج ہمیشہ بشر کے سر پر رکھتے ہیں۔ قوم کے سردار حضرت نوح علیہ السلام کو طعنہ دیتے کہ نوح! تو بھی بشر ہے اور ہم بھی بشر ہیں۔ بھلا بشر بھی نبی ہو سکتا ہے؟ وہ بھی کہتے تھے کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا۔ اس دور کے مشرک اور اس دور کے مشرک کی سوچ ایک ہی ہے۔ فرق یہ تھا کہ اس دور کا مشرک بشر مانتا تھا لیکن نبی نہیں مانتا تھا اور آج کا مشرک نبی تو مانتا ہے لیکن بشر نہیں مانتا۔ موحد؛ بشر بھی مانتا ہے اور نبی بھی مانتا ہے۔ لہذا ہم دونوں چیزیں مانتے ہیں۔

دوسرا طعنہ... کہ نبی کے متبعین چھوٹے لوگ کیوں؟

اور دوسرا طعنہ انہوں نے یہ دیا:

﴿وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ﴾

ہم تیری بات کیسے مانیں، ہمارے گاؤں کے چھوٹے چھوٹے لوگ ہی کلمہ

پڑھتے ہیں، کوئی بڑا کلمہ پڑھتا تو پتا چلتا۔

نوح علیہ السلام کا جواب:

جب قوم کے سردار یہ طعنے دیتے تو نوح علیہ السلام فرماتے کہ دیکھو!

﴿يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝۲۸﴾

فرمایا: یہ جو خدا نے مجھے رحمت دی ہے اگر تم نہ لو تو کیا میں تمہارے اوپر زبردستی مسلط کر دوں؟ ان کا مقصد یہ تھا کہ بڑے لوگ کلمہ پڑھیں تو ہم بھی پڑھ لیں گے، چھوٹے کلمہ پڑھیں تو ہم تیری بات کیسے مانیں؟

یہ بات یاد رکھ لیں کہ جب بھی کسی نبی نے قوم کو دعوت دی ہے تو عموماً ایسے ہوا کہ ابتدا میں پیغمبر کا کلمہ پڑھنے والے لوگ غریب ہوتے تھے اور بعد میں کلمہ پڑھنے والے امیر ہوتے تھے۔ مالدار بھی آئے ہیں جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے کلمہ گو ہیں اور مالدار بھی ہیں، دکانیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر لٹائی ہیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مالدار بھی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھا ہے، دولت حضور علیہ السلام کے قدموں پر لٹائی ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ میں کلمہ پڑھنے والے حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین غریب اور غلام بھی تھے۔

آپ نے واقعہ پڑھا ہو گا کہ جب ابو سفیان شام کے علاقے میں گئے اور حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہاں اطلاعات پہنچی ہوئی تھیں تو بادشاہ نے بلا کر ابو سفیان سے کئی سوالات کیے۔ اس میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ جس شخص نے دعوی نبوت کیا اس کے بارے میں بتاؤ کہ اس کے کلمہ گو بڑے بڑے لوگ ہیں یا غریب لوگ ہیں؟ ابو سفیان نے کہا: غریب غریب لوگوں نے کلمہ پڑھا ہے۔ اس

پر بادشاہ ہرقل نے کہا: یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ سچا نبی ہے، سچے نبی کو پہلے غریب لوگ قبول کرتے ہیں، بڑے بعد میں قبول کرتے ہیں۔[196]

یہ ہمارا مشاہدہ اور تجربہ ہے اور عموماً ایسے ہوتا بھی ہے کہ علماء کو غریب آدمی سعادت سمجھ کر قبول کرتا ہے اور بڑا آدمی دیکھتا ہے کہ اس مولانا صاحب کی دعوت کرو جس کا حلقہ بڑا ہو، جس کا نام بڑا ہو، عام مولوی صاحب کی دعوت بڑا آدمی نہیں کرتا۔ غریب آدمی دین سمجھ کر قبول کرتا ہے اور دولت بھی پیش کرتا ہے لیکن بڑا آدمی عموما ایسا نہیں کرتا! اللہ ہم سب کو بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نبی کو غیب کا علم نہیں:

﴿وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَاۤ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّ لَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّیْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ (۳۱)﴾

حضرت نوح علیہ السلام کو جب قوم کے سردار کہتے تھے کہ تمہارے ساتھ غریب آدمی ہیں، بڑے لوگ نہیں ہیں تو نوح علیہ السلام نے کتنا پیارا جواب دیا، فرمایا: ﴿وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ﴾ میں نے کب دعویٰ کیا ہے کہ میرے پاس خزانے ہیں! ﴿وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ﴾ میں کب کہتا ہوں کہ میں غیب کی خبریں جانتا ہوں! ﴿وَ لَاۤ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ﴾ میں کب کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں! ﴿وَّ لَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا﴾ میں کب کہتا ہوں کہ جو تمہاری نگاہ میں چھوٹے ہیں خدا ان کو کچھ نہیں دے گا!

196۔ صحیح البخاری، رقم:7

لیکن جو میرے پاس آیا ہے وہ دولت کے لیے نہیں آیا، تمہارے ذہن میں آیا کہ یہ لوگ غریب ہیں اور میرے پاس پیسوں کے لیے آئے ہیں، ایسا نہیں ہے بلکہ جو میرے پاس آیا ہے وہ خالص اللہ کے دین کے لیے آیا ہے، ان کے دل کی حالت خدا جانتا ہے، جو جس مقصد کے لیے آیا وہ اس کو ضرور ملے گا، نہ ہم خزانے کی بات کرتے ہیں کہ خزانے والوں سے دوستی لگائیں، نہ فرشتہ ہونے کی بات کرتے ہیں کہ اس بشر کو چھوڑ کر ملائکہ سے تعلق جوڑیں، نہ علم غیب کی بات کرتے ہیں۔ جس بات کا خدا نے حکم دیا ہے اس کا میں بھی پابند ہوں اور میرے ماننے والے بھی پابند ہیں۔ نوح علیہ السلام نے زیادہ صفائیاں نہیں دیں بلکہ صاف صاف مسئلہ اور موقف ان کے سامنے بیان فرما دیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کا انجام:

﴿وَ اُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا وَ لَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿٣٧﴾﴾

حضرت نوح علیہ السلام کتنے بڑے نبی ہیں اور بیٹا کتنا بڑا کافر ہے! باپ کی صف دیکھو اور بیٹے کی صف دیکھو! باپ کا حلقہ دیکھو اور بیٹے کا حلقہ دیکھو! حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے جب شرک کی انتہا کر دی تو نوح علیہ السلام نے بھی بد دعا کی کہ اے اللہ! مجھے لگتا ہے اب یہ قوم ماننے والی نہیں ہے، آئندہ ان کی نسل بھی چلے گی تو شرک ہی کرے گی۔ اے اللہ! ان کو ختم فرما دے۔ اللہ رب العزت نے حکم دیا کہ آپ کشتی بنائیں! اب کشتی خشکی میں بن رہی ہے، ادھر قوم ان کا مذاق اڑا رہی ہے کہ کون سا پانی ہے جو آپ کشتی بنا رہے ہیں؟ حضرت نوح علیہ السلام ان کی باتیں سن بھی

رہے ہیں اور وحی کے مطابق کشتی بنا بھی رہے ہیں۔ جب کشتی مکمل ہو گئی تو اب آسمان سے پانی برسا، زمین سے پانی نکلا، اب پانی ہی پانی ہے۔ نوح علیہ السلام خود کشتی میں بیٹھے ہیں، ان کے ماننے والے بھی اسی یا بیاسی لوگ تھے وہ بھی ساتھ بیٹھے اور سب جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا بھی ساتھ رکھ لیا۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کے بارے میں بڑے متفکر تھے۔ اپنے بیٹے کو آواز دی کہ بیٹا! اب بھی وقت ہے، اب بھی وقت ہے، بیٹے نے باپ کو جواب دیا:

﴿سَاٰوِیۡۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعۡصِمُنِیۡ مِنَ الۡمَآءِ ؕ﴾

ابا جی! میں آپ کی بات نہیں مانوں گا، میں پہاڑ پر چڑھ کر بچ جاؤں گا۔

نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا:

﴿لَا عَاصِمَ الۡیَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ﴾

میرے بیٹے! یہ عذاب ہے، اس سے پہاڑ نہیں بچا سکتے، اب بھی وقت ہے کشتی میں آ کر بیٹھ جا۔ باپ بلا رہا ہے لیکن بیٹا بات نہیں مانتا۔ اب کیا ہوا!

﴿وَ حَالَ بَیۡنَہُمَا الۡمَوۡجُ فَکَانَ مِنَ الۡمُغۡرَقِیۡنَ ﴿۴۳﴾﴾

ایک موج آئی اور باپ نے بیٹے کو دیکھنا چھوڑ دیا، بیٹا اب غرق ہونے والوں میں سے ہو گیا۔ جب یہ غرق ہوا تو اللہ پاک نے زمین سے فرمایا:

﴿یٰۤاَرۡضُ ابۡلَعِیۡ مَآءَکِ وَ یٰسَمَآءُ اَقۡلِعِیۡ وَ غِیۡضَ الۡمَآءُ﴾

اے زمین! اپنا پانی پی لے اور اے آسمان! تھم جا! اب یہ پانی خشک ہونا شروع ہوا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی درخواست اور اللہ کا جواب:

نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کے بارے میں فکر مند تو تھے۔ اللہ سے دعا مانگی:

﴿رَبِّ اِنَّ ابۡنِىۡ مِنۡ اَهۡلِىۡ وَاِنَّ وَعۡدَكَ الۡحَـقُّ﴾

اے میرے رب! میرا بیٹا بھی تو میرے اہل والوں میں سے ہے، آپ کا وعدہ تھا کہ آپ مجھے اور میرے اہل کو نجات دیں گے، اللہ! میرے بیٹے کو نجات دے دیں۔

اللہ پاک نے فرمایا:

﴿يٰنُوۡحُ اِنَّهٗ لَيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ‌ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ﴾

اے نوح! آپ نبی ہیں، آپ کا اہل وہ ہے جو کلمہ گو ہے، جو کلمہ گو نہیں ہے وہ آپ کا اہل نہیں ہو سکتا، اس کے اعمال ٹھیک نہیں ہیں، اس لیے "فَلَا تَسۡـئَلۡنِ مَا لَـيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ" آپ کو اس مسئلے کا پتا نہیں ہے اس لیے ہم نے بتا دیا ہے، اب اس مسئلے کے بارے میں ہم سے بات نہ کریں۔ اس کے بعد بھی کہا تو پھر آپ کا نقصان ہو گا۔ نوح علیہ السلام نے پھر دوبارہ نہیں کہا کہ میرے اس بیٹے کو نجات دے دیں!

نجات کا مدار ایمان و اعمال ہیں:

پتا یہ چلا کہ باپ جتنا بھی بڑا ہو، باپ کی بنیاد پر اولاد کی نجات نہیں ہوتی، نجات ہوتی ہے تو ایمان اور اعمال کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی لخت جگر فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو یہ بات سمجھائی ہے:

يَا فَاطِمَةُ! أَنْقِذِىْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَإِنِّىْ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا۔[197]

اے میری بیٹی فاطمہ! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچانے کی فکر کرو،

197۔ صحیح مسلم، رقم:204

کیونکہ میں تمہیں اللہ کی پکڑ سے نہیں بچا سکتا! یعنی صرف اسی بات پر ناز نہ کرنا کہ میں حضور کی بیٹی ہوں، اگر نجات ہو گی تو صرف نبوت کی بیٹی ہونے کی وجہ سے نہیں ہو گی بلکہ نجات ہو گی تو ایمان واعمال کی بنیاد پر ہو گی۔

لیکن ایک بات ذہن نشین فرمالیں کہ اس کا تعلق صرف ایمان سے ہے کہ اگر اولاد کا ایمان نہیں تو پھر والدین کے ایمان کی بنیاد پر اولاد کی نجات نہیں ہو سکتی۔ ہاں اگر اولاد میں ایمان موجود ہو اور اعمال بھی ہوں لیکن اعمال میں کچھ کمی ہو تو والدین کی وجہ سے اولاد جنت میں جائے گی۔ قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے یہ بات سمجھائی ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ مَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾﴾[198]

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کی اولاد ہے تو ہم ان لوگوں کے ایمان کی وجہ سے ان کی اولاد کو ماں باپ کے ساتھ ملا دیں گے۔ یعنی اولاد کا بھی ایمان ہے اور ماں باپ کا بھی ایمان ہے لیکن اولاد کے اعمال میں کمی تھی، ان اعمال کی بنیاد پر وہ اولاد اپنے والدین کے ساتھ نہیں رہ سکتی تھی، اب والدین کا جی چاہتا ہے کہ ہماری اولاد ہمارے ساتھ آئے۔ اولاد میں ایمان چونکہ موجود تھا اور والدین ان کے چونکہ جنتی ہیں اور جنتی کی خواہش اللہ پوری کرتے ہیں۔ ان کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اللہ اپنے کرم سے اس اولاد کو والدین کے ساتھ ملا دیں گے لیکن یہ ضروری ہے ان میں ایمان موجود ہو۔

خیر حضرت نوح علیہ السلام نے دعا مانگی، اللہ پاک نے بتا دیا کہ اے نوح! اگر

198۔ الطور 21:52

آپ کی اولاد کے اعمال ٹھیک نہیں ہیں تو پھر وہ آپ کے ساتھ نہیں ہے، نبی کی اولاد عمل کی بنیاد پر پیغمبر کی اہل بنتی ہے۔

آپ درود پاک پڑھتے ہیں "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ"، بعض علماء نے لکھاہے کہ اس آل محمد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کلمہ گو امتی شامل ہے، ہر وہ شخص جو نبی کا کلمہ پڑھے وہ روحانی طور پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد شمار ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے روحانی باپ ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہماری مائیں ہیں۔ تو جب روحانی اولاد ہیں تو پھر درود میں شامل کیوں نہیں ہوں گے؟! ایک ہے نبی کی اولادِ جسمانی اور ایک ہے نبی کی اولادِ روحانی۔ تو مقام؛ روحانیت کی بنیاد پر ہوتا ہے، مقام؛ جسمانیت کی بنیاد پر نہیں ہوا کرتا۔

حضرت ھود علیہ السلام کی تبلیغ:

﴿وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ﴿٥٠﴾ يَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥١﴾﴾

ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی حضرت ھود علیہ السلام کو بھیجا۔ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم! اللہ کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں، تم لوگوں نے تو محض جھوٹی باتیں گھڑ رکھی ہیں۔ اے میری قوم! میں اس دعوت و تبلیغ پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اس ذات کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ کیا تم لوگ یہ بات سمجھتے نہیں ہو؟

حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾ میرا مقصد مزدوری تو نہیں ہے! میرا مقصد پیسے کمانا تو نہیں ہے! مجھے میری محنت کا اجر خدا

نے دینا ہے۔ میں اکثر احباب سے کہتا ہوں کہ اللہ پاک دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے لیکن پیشہ بنانے کی توفیق عطا نہ فرمائے۔

لوط علیہ السلام کی قوم کا گناہ:

﴿قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿٧٩﴾﴾

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بدترین عادت یہ تھی کہ وہ مردوں کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: ﴿يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ﴾ کہ یہ میری بیٹیاں موجود ہیں یعنی جو نبی کی امت ہوتی ہیں وہ ساری نبی کی بیٹیاں ہوتی ہیں۔ فرمایا: میری بیٹیاں ہیں ان سے نکاح کرو، تم لوگ بدترین حرکت کیوں کرتے ہو؟ تو لوط علیہ السلام کی قوم نے جواب دیا:

﴿قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ﴾

اے لوط! تو جانتا ہے کہ ہمیں عورتوں کے ساتھ کوئی غرض نہیں ہے، ہماری غرض اور ہے۔ پھر حضرت لوط علیہ السلام نے بد دعا کی تو خدا نے عذاب نازل کیا، بستی کو الٹ پلٹ دیا، برباد کر دیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی اس قوم کے ساتھ ہلاک ہوئی۔ ان کے ہاں جب کوئی مہمان آتا تو قوم کے یہ شیطان لوگ اسے بھی معاف نہیں کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس فرشتے خوبصورت بے ریش لڑکوں کی شکل میں آئے۔ وہ لوگ وہاں پر پہنچ گئے۔

بیوی نے ان لوگوں کو اطلاع کر دی کہ آج لوط علیہ السلام کے ہاں جو تم چاہتے ہو وہ موجود ہیں۔ قوم آئی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے کہا: خدا سے ڈرو، ہماری قوم کی بیٹیوں سے نکاح کرو، یہ ظلم میرے ساتھ نہ کرو، مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو! فرشتوں نے کہا: آپ گھبرائیں مت، ہم انسان نہیں ہیں ہم چاہتے ہیں کہ اس قوم پر

حجت پوری ہو جائے، پھر دیکھیں کہ ان کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟! آپ ان کو چھوڑیں اور صبح سے پہلے ان کی بربادی کا منظر دیکھیں۔ یہ اس آیت کا پس منظر تھا۔

ایک علمی لطیفہ:

یہاں ایک علمی لطیفہ بھی سن لیں۔ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اس پر ایک لطیفہ لکھا ہے کہ ایک طفیلی آدمی تھا۔ اس کے محلہ میں شادی ہوئی اور اس کا جی چاہا کہ میں بھی کھانے میں پہنچ جاؤں۔ دعوت اس کو تھی نہیں تو وہ پیچھے سے دیوار پھلانگ کر چھت پر چڑھا اور جہاں زنان خانہ تھا وہاں پہنچ گیا۔ تو شادی والوں نے کہا: اوئے ادھر تو عورتیں ہیں! اس نے کہا "لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ" تم جانتے ہو کہ مجھے عورتوں سے کوئی غرض نہیں ہے، یعنی میرا مقصد کوئی اور تھا، وہاں دوسری طرف چونکہ مرد ہیں اور وہ کھانا نہیں دیں گے اس لیے میں ادھر گھسا ہوں۔ ہمارے بعض علماء بہت سے علمی لطائف لکھتے ہیں تاکہ لوگوں کو بات سمجھ میں آجائے۔

اتباعِ محمود اور اتباعِ مذموم:

﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡىِٕهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ مَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾﴾

ہم موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنی آیات اور واضح دلائل دے کر بھیجا لیکن انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بات ماننے کے بجائے فرعون کی بات مانی، حالانکہ فرعون کی بات درست نہیں تھی۔

یہاں ایک بات سمجھیں کہ جب ہم کہتے ہیں کہ علماء اور فقہاء کی بات مانو تو غیر مقلد کہتے ہیں کہ اتباع کرو لیکن تقلید نہ کرو، وہ کہتے ہیں کہ نبی کی بات مانو تو اتباع ہوتی ہے اور اگر امام کی بات مانو تو تقلید ہوتی ہے، تقلید باطل ہے اور اتباع ٹھیک ہے۔

ہم انہیں کہتے ہیں کہ تم نے قرآن کو پڑھا نہیں ہے، اگر پڑھا ہے تو پھر سمجھا نہیں ہے۔ قرآن کریم میں کئی مقامات پر "اتباع" لفظ آیا ہے۔ ہمیشہ نبی کی بات ماننے کو اتباع نہیں کہتے بلکہ اگر غلط بات کو مانیں تو اس کو بھی اتباع کہا گیا ہے۔ یعنی نیک بات مانیں تو وہ بھی اتباع ہے اور بری بات مانیں تو وہ بھی اتباع ہے۔

فرق صرف یہ ہے کہ نیک کی مانیں تو اتباعِ محمود ہے اور برے کی مانیں تو اتباعِ مذموم ہے۔ قرآن کریم کو نیک کی اتباع کرنا پسند اور برے کی اتباع کرنا پسند نہیں ہے۔ اب اسی آیت میں دیکھیں کہ فرعون کی بات ماننے کے لیے لفظ "اتباع" استعمال کیا، فرمایا: ﴿فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ﴾ کہ ان لوگوں نے فرعون کے حکم کی اتباع کی۔ اس لیے ہم نے کہا کہ ہمیشہ نبی کی بات ماننے کو اتباع نہیں کہتے، فرعون کی بات مانیں تو اسے بھی اتباع کہتے ہیں۔ ہاں فرق یہ ہے کہ اچھی اتباع ہو تو ٹھیک ہے اور بری اتباع ہو تو غلط ہے۔

سورت ھود نے مجھے بوڑھا کر دیا:

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۱۲﴾

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی میں تقریباً بیس بال مبارک سفید ہو گئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ کو کس چیز نے بوڑھا کر دیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

"شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ وَأَخَوَاتُهَا"

کہ مجھے سورت ھود اور اس جیسی دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔ عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! سورت ھود کی کس آیت نے؟ فرمایا: اس آیت نے:

﴿فَاسۡتَقِمۡ كَمَاۤ اُمِرۡتَ﴾

کہ تم ڈٹ جاؤ! اس آیت کے غم نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔[199]

آپ کہیں گے کہ اس میں تعجب والی کون سی بات ہے؟ ساٹھ سال کے بندے کے بال تو سفید ہو ہی جاتے ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ یہ ساٹھ سال کا امتی نہیں ہے بلکہ یہ نبی ہے، نبی میں کتنی طاقت ہوتی ہے؟ یہ بات سمجھنا! دو روایتیں ہیں۔ اللہ ایک نبی کو جنت کے چالیس مردوں کی طاقت دیتے ہیں اور ایک جنتی مرد کی طاقت دنیا کے سو مردوں کے برابر ہوتی ہے۔ اس حساب سے ایک نبی میں کتنے مردوں کی طاقت ہوئی؟ چار ہزار۔ اب بتاؤ! ہمارے جیسا بندہ ہو اور ساٹھ سال کی عمر میں بال سفید ہوں تو تعجب کی کوئی بات نہیں اور جس میں چار ہزار مردوں کے برابر طاقت ہو تو اس کی ڈاڑھی میں چند بال سفید ہوں تو یہ تعجب کی بات ہے۔

میں نے پورا مسئلہ اس لیے کھولا ہے کیونکہ منکرینِ حدیث اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ روایت ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ساٹھ یا باسٹھ سال ہے اور اس عمر کا بندہ تو بوڑھا ہوتا ہی ہے، اس کے بال تو سفید ہو ہی جاتے ہیں، پھر صحابہ کے تعجب کی کون سی بات ہے؟ اس لیے میں نے وضاحت کر دی ہے۔

مستشرقین کے اعتراض کا جواب:

اچھا! اس سے آپ ایک اور مسئلہ سمجھیں۔ مستشرقین اور کفار نے اعتراض کیا، العیاذ باللہ، العیاذ باللہ، العیاذ باللہ، نقلِ کفر کفر نباشد۔ اللہ ہمیں محفوظ فرمائیں، سچی بات ہے ایسی باتیں نقل کرتے ہوئے بھی کلیجہ منہ کو آتا ہے لیکن بات سمجھانے کے لیے میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مستشرقین، ملحدین اور کفار نے

199۔ المفردات: ص 127

اعتراضات کیے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ نکاح کیے اور بیک وقت نو نکاح کیے، اس کا مطلب یہ ہے کہ، العیاذ باللہ، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں جنسیت کا بڑا غلبہ تھا، عام آدمی کے لیے ایک نکاح مشکل ہوتا ہے اور حضور نے گیارہ کیے۔

ہم نے کہا: کم عقلو! تم بات سمجھتے نہیں ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں اللہ تعالیٰ نے چار ہزار مردوں کے برابر طاقت رکھی ہے اور آپ کی بیویاں گیارہ ہیں۔ اب بتاؤ! پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہشات کو دبایا ہے یا ان پر عمل کیا؟ دبایا ہے۔ تو یہ تعریف کی چیز تھی اور تم نے اعتراض کر دیا۔ حیرت کی بات ہے!

بھائی میرے لیے عافیت ہی مانگو!

اور میں کئی بار یہ عرض کر چکا ہوں کہ جب کوئی مجھے استقامت کی دعا دیتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ استقامت کی دعا نہ دو بلکہ عافیت کی دعا دو۔ کئی بار ایسے ہوا ہے کہ میں جلسے سے فارغ ہوا ہوں اور کوئی دھڑلے دار بیان ہوا ہو تو لوگ فوراً کہتے ہیں کہ ماشاء اللہ! اللہ آپ کو استقامت دے۔ میں انہیں کہتا ہوں کہ استقامت کا معنی یہ ہے کہ ابھی جو میں نے بیان کیا ہے اس کے خلاف ایف آئی آر درج ہو، پھر میں تھانے جاؤں، پھر جیل کاٹوں اور پھر آکر وہی تقریر کروں جو پہلے کی ہے یہ استقامت ہے، اور عافیت یہ ہے تقریر بھی کریں، شاباش بھی ملے، کھانا بھی اچھا ملے، پیسے بھی اچھے ملیں، پھر دوبارہ وہی بیان کریں یہ عافیت ہے۔

اب بتاؤ! استقامت ٹھیک ہے یا عافیت ٹھیک ہے؟ (عافیت ٹھیک ہے۔ سامعین) اس لیے آپ میرے لیے عافیت کی دعا کریں۔ اللہ ہمیں عافیت کے ساتھ دین کا کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

بعض حضرات نے استقامت کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ کوئی مشکل ہی نہ

آئے، بندہ مشکلات کے بغیر ہی سیدھی راہ پر چلتا رہے۔ اس معنی کو دیکھا جائے تو پھر درست ہے۔

امتی کے دل کو مضبوط کرتے ہیں امتی کے واقعات سے:

﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ﴾[200]

اے میرے پیغمبر! ہم آپ کے سامنے گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے کچھ واقعات بیان کرتے ہیں تاکہ آپ کا دل پختہ ہو، آپ کا دل مضبوط ہو۔

اس سے ایک مسئلہ ذہن میں رکھیں! نبی کے دل کو مضبوط رکھنے کے لیے انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان ہوتے ہیں۔ ہم امتی ہیں اور امتی کے دل کو مضبوط رکھنے کے لیے امتیوں کے واقعات بیان ہوتے ہیں۔ اس لیے اکابر اور بزرگوں کا تذکرہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ (کرنا چاہیے۔ سامعین)

آج ایک نئی وبا ہمارے ہاں پھیلائی جا رہی ہے کہ جب ہم بزرگوں کے واقعات بیان کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ بزرگوں کے واقعات کیوں بیان کرتے ہو؟ انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کرو!

ہم کہتے ہیں کہ اگر مخاطب نبی ہے تو نبی کے دل کو پختہ رکھنے کے لیے نبیوں کے واقعات بیان فرمائے جاتے ہیں۔ نبی سے فرمایا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو دیکھو! انہیں تخت ملا ہے تب بھی اپنی بات پر قائم رہے ہیں، ایوب علیہ السلام کو دیکھو! کتنے بیمار ہیں تب بھی حق بیان کیا ہے، حضرت داؤد علیہ السلام کو دیکھو! بادشاہ بنے ہیں تب بھی حق بیان کیا ہے، یحییٰ علیہ السلام کو دیکھو! ٹکڑے ہوئے ہیں تب بھی حق بیان کیا ہے تو اے پیغمبر! آپ نے بھی ثابت قدم رہنا ہے جس طرح یہ انبیاء علیہم

200۔ ھود 11:120

السلام ثابت قدم رہے۔

میں نے کہا: اگر ہم یہ واقعات بیان کریں تو لوگ فوراً کہہ دیں گے کہ مولانا صاحب! وہ تو نبی تھے اس لیے حق پر قائم رہے اور ہم تو نبی نہیں ہیں، ہم تو امتی ہیں، ہم کیسے حق پر قائم رہیں؟ اس لیے ہم ان لوگوں کے سامنے پھر بزرگوں کے حالات پیش کرتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ حضرت شیخ زکریا کو دیکھو! حضرت مولانا الیاس دہلوی کو دیکھو! مولانا تھانوی کو دیکھو! مولانا شیخ الہند کو دیکھو! مولانا قاسم نانوتوی کو دیکھو! رحمہم اللہ تعالیٰ۔

نبی کے دل کو مضبوط کرنے کے لیے نبی کو پیش کرتے ہیں، امتی کے دل کو مضبوط کرنے کے لیے امتی کو پیش کرتے ہیں۔ اس لیے ہم انبیاء علیہم السلام کے واقعات بھی مانتے ہیں، اکابر اور مشائخ کے واقعات بھی مانتے ہیں۔ اللہ ہم سب کو اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

سورۃ یوسف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿ الٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۟﴿۱﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲﴾ ﴾

ترتیب درس قرآن کے حوالے سے ہماری آج کی اس سورت کا نام ”سورۃ یوسف“ ہے۔ اس سورت کے بارہ رکوع اور ایک سو گیارہ آیات ہیں۔

سورت یوسف کا شان نزول:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا چرچا مکہ سے مدینہ منورہ پہنچا تو مدینہ منورہ کے یہودی حسد کی آگ میں جلنے لگے۔ وہ اس بات کو خوب سمجھتے تھے کہ اس نبی کا دائرہ نبوت وسیع ہے اور آپ نے مکہ کے بعد مدینہ منورہ آنا ہے۔ تو انہوں نے طرح طرح کی شرارتیں شروع کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں روڑے اٹکانے شروع کیے۔ ان کی شرارت کا طرز مشرکین مکہ سے الگ تھا۔ مشرکین مکہ جاہل تھے اور یہود مدینہ علم والے تھے۔ جہلا کی شرارتیں اپنی ہوتی ہیں اور علماء کی شرارتیں اپنی ہوتی ہیں۔ جاہل اپنے انداز سے محنت کرتا ہے اور علم والا اپنے طرز سے حملہ کرتا ہے۔ جاہل علمی بات تو کہہ نہیں سکتا البتہ وہ راستہ روکنے کے لیے طاقت کا استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح جاہل علمی بات نہیں

کہہ سکتا بلکہ وہ الزامات لگاتا ہے۔ تو مکے والوں نے رسول اللہ صلی اللہ پر الزامات لگائے کہ آپ معاذ اللہ جادو گر ہیں، کاہن ہیں، شاعر ہیں۔

مدینہ میں چونکہ یہود تھے۔ ان کا طرز مخالفت یہ تھا کہ مختلف قسم کے علمی شبہات ڈالتے۔ ان کا ذہن یہ ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امی ہیں، جواب نہیں دے سکیں گے۔ تو ہم کہہ دیں گے کہ کیسا نبی ہے جس کو مسائل کا پتا ہی نہیں ہے! اور اعتراضات بھی ان کے ایسے ہوتے تھے کہ جن کا تعلق بھی بظاہر نبوت کے ساتھ نہیں ہے۔

یہودِ مدینہ کا سوال:

یہود مدینہ نے مشرکین مکہ کے ذریعے آپ سے سوال کیا کہ بتائیں! وہ کون سا نبی ہے جس کا بیٹا شام سے مصر پہنچا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آگئی اور پوری سورت یوسف نازل ہو گئی۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری سورت سنا دی۔ انہوں نے چھوٹا سوال کیا ہے اور جواب کتنا لمبا دیا گیا۔

اس سورت میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ﴾

قصے تو ہم نے اور بھی بیان کیے ہیں لیکن یوسف علیہ السلام کا قصہ سب سے اچھے انداز میں بیان ہوا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ میں زیادہ وجوہ پر بات نہیں کرتا۔

میں کئی مرتبہ آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں کہ میں آپ کے وقت کا بہت خیال کرتا ہوں۔ اگر میں نے بیان اڑھائی تین گھنٹے کا کر دیا تو آئندہ درس میں آپ نے سوچنا ہے کہ مولانا کے درس میں جائیں یا نہ جائیں؟ درس کے بعد چائے نہیں، چاول بھی نہیں، کھانا بھی نہیں ہے تو اتنا لمبا بیان کون سنے؟ اس لیے میں آپ کی رعایت کرتے ہوئے بیان تھوڑا کرتا ہوں، صرف ضروری ضروری باتیں کرتا ہوں،

لمبی باتیں چھوڑ دیتا ہوں۔

تو اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ باقی انبیاء علیہم السلام کے قصے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمائے ہیں اور یکجا کسی نبی کا قصہ بیان نہیں فرمایا، کہیں تھوڑا سا کہیں پھر تھوڑا سا، تو جتنی ضرورت ہوا اتنا بیان کر دیا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا قصہ اللہ نے بالترتیب ایک جگہ بیان کیا ہے اور آغاز کہاں سے کیا ہے؟ یوسف علیہ السلام کے خواب سے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ:

یوسف علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں۔ ایک بیوی سے دس بچے ہیں اور دوسری بیوی سے صرف دو ہی بیٹے ہیں۔ ایک کا نام حضرت یوسف اور دوسرے کا نام بنیامین ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں خواب دیکھا:

﴿اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝﴾

کہ مجھے گیارہ ستاروں، ایک چاند اور ایک سورج نے سجدہ کیا ہے۔ اپنے والد کے سامنے اپنا خواب بیان کر دیا۔ تو والد نے بتایا کہ اس خواب کا تذکرہ دوسرے بھائیوں سے نہ کرنا، ممکن ہے وہ تمہیں نقصان پہنچائیں۔ ظاہر ہے کہ والد سمجھتا ہے اپنے بیٹوں کے باہمی تعلقات کو۔ جب بھائیوں کو پتا چلا تو بھائی اس وقت سے آپ علیہ السلام کے مخالف ہو گئے۔

چونکہ نبی کی اولاد تھی، آدمی عالم کا بیٹا ہو، عالم نہ بھی ہو تو علم کی شان اس میں کچھ نہ کچھ ہوتی ہے۔ ایک آدمی بڑے خاندان کا ہو اور حرکتیں چھوٹوں والی کرے پھر بھی بڑے خاندان کا ہونے کی وجہ سے اس میں خوبیاں موجود ہوتی ہیں۔

وہ نبی کے بیٹے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ اس خواب کی جو تعبیر ہے وہ بڑی اہم ہے۔ ممکن ہے آئندہ چل کر حضرت یوسف کو بڑا مقام ملے، اس لیے انہوں نے حضرت یوسف کے بارے میں سازشیں شروع کیں تاکہ ہم ابھی اسے ختم کر دیں۔ ہمارا باپ اس سے پیار زیادہ کرتا ہے، ہم سے کم کرتا ہے۔ کل اس کا مقام بھی نظر آتا ہے تو کیوں نہ اس کو ختم کر دیں!

یوسف علیہ السلام کے خلاف بھائیوں کی تدبیر:

انہوں نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا: ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں، ہم نوجوان بھائی ہیں، اکٹھے بکریاں چرائیں گے، سیر کریں گے، کھائیں گے، پییں گے، خوشی منائیں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ تم کھیل کود میں مصروف رہو اور یوسف کو کہیں بھیڑیا نہ کھا جائے۔ مجھے یہ خدشہ ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا کہ مجھے خدشہ ہے کہ اس کو بھیڑیا نہ کھا جائے؟

مفسرین نے اس کی کئی وجوہات لکھی ہیں: اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جس علاقے میں حضرت یعقوب علیہ السلام رہتے تھے اس علاقے میں بھیڑیے کثرت کے ساتھ تھے، اس لیے یہ بات فرمائی۔ بعض نے یہ لکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو خواب آیا تھا کہ میرے اس بیٹے پر کچھ بھیڑیوں نے حملہ کر دیا ہے تو اسے ایک بھیڑیے نے بچا لیا ہے اور پھر میرا بیٹا ایک کنویں میں چھپ گیا ہے۔ اس سے ان کو خدشہ پڑا کہ شاید میرا بیٹا ان بھیڑیوں سے نقصان نہ اٹھائے۔

وہ سمجھدار تو بہت تھے۔ انہوں نے اسی جملے کو پکڑ لیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو لے گئے۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کر دیں، حضرت یوسف کے بڑے بھائی کا نام یہودا تھا۔

بعض کہتے ہیں: اس کی نسل سے جو لوگ ہیں انہیں یہودی کہتے ہیں۔ تو وہ ذرا رحم دل تھا اور ترس کھاتا تھا۔ اس نے کہا کہ دیکھو! یہ ہمارا بھائی ہے، باپ ہمارا ایک ہے اگرچہ ماں الگ الگ ہے، ہمیں اس بھائی کو مارنا نہیں چاہیے اور باپ کو دکھ نہیں دینا چاہیے۔

مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے بھائیوں نے یہودا کو دھمکی دی کہ اگر تو باز نہیں آیا تو تجھے بھی قتل کر دیں گے۔ اس نے کہا: پھر بچنے کا راستہ یہی ہے کہ کوئی ایسی تدبیر کروں کہ بھائی بچ بھی جائے اور یہ بھی مطمئن ہو جائیں۔ اس نے کہا کہ اگر تم نے فیصلہ کر ہی لیا ہے اس بچے کو باپ سے جدا کرنے کا تو قتل نہ کرو بلکہ اس کو کسی گمنام کنویں میں ڈال دو! یا تو کوئی بچھو اس کو ڈسے گا اور یہ مر جائے گا یا کوئی قافلے والے اسے اٹھا کر لے جائیں گے، تمہاری مراد بھی پوری ہو جائے گی کہ باپ سے الگ ہو گا اور ہمارے معصوم بھائی کی جان بھی بچ جائے گی۔ انہوں نے اس رائے کو بالآخر پسند کیا۔ گمنام سا ایک کنواں تھا۔ حضرت یوسف چھوٹے بچے تھے۔ آپ بتاؤ چھ یا سات سال کا بچہ کتنا ہوتا ہے؟ چھوٹا سا بچہ ہے، ان کو پکڑ کر کنویں کے ڈول میں رکھنے لگے تو یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی۔ انہوں نے قمیص اتار دی اور ہاتھ باندھ کر ڈول میں ڈال دیا۔

یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال دیا:

بعض روایات میں ہے کہ جب آدھا ڈول نیچے گیا تو رسی کاٹی اور بعض روایات میں ہے کہ خدا کا کرنا یہ تھا کہ اسی کنویں میں ایک چٹان تھوڑی سی آگے کی طرف بڑھی ہوئی تھی۔ جب ڈول نیچے گیا تو یوسف علیہ السلام اس سے نیچے اتر گئے۔ ڈول سے نکلے اور اس چٹان پر بیٹھ گئے اور بعض روایات میں ہے کہ جبرائیل امین علیہ السلام آئے۔ انہوں نے وہاں سے اٹھا دیا اور چٹان پر بٹھا دیا۔ تین دن اور تین رات

تک یوسف علیہ السلام یونہی ٹھہرے رہے۔ ان کا بھائی یہودا آتا تھا اور کچھ نہ کچھ کھانے کے لیے دے کر چلا جاتا تھا۔ اس کے دل میں ترس تھا لیکن بھائیوں کے سامنے وہ بھی بے بس تھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس گئے تو انہوں نے پوچھا: یوسف کا کیا بنا؟ انہوں نے کہا: بس ابو! آپ سچ ہی کہتے تھے، ہم سے تھوڑی سی غفلت ہو گئی، ہم کھیل کود میں لگے تھے، آگے گئے تو یوسف کے پاس بھیڑیا آیا اور اسے کھا گیا۔ ان کی قمیص کو لیا اور اس قمیص کے ساتھ انہوں نے ایک دنبے یا بکرے کا خون لگایا اور کہا دیکھو! یہ خون موجود ہے۔

بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت یعقوب فرمانے لگے: بھڑیا اتنا سمجھدار ہے کہ بیٹے کی قمیص کو کچھ نہیں کہا اور اسے چیر پھاڑ بھی دیا ہے، تم مجھے بیوقوف بناتے ہو؟ حضرت یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے کہ اللہ کی طرف سے ابتلا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہیں تو کچھ نہیں کہتا، ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا﴾ تم جھوٹ بولتے ہو، یہ تمہاری کوئی خفیہ تدبیر ہے، ﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾﴾ میں اس معاملے کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں، اللہ ہی میرے معاملے کا حل نکالے گا۔

قافلے والوں کا یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکالنا:

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے غم میں ہیں اور یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنی خوشی میں ہیں۔ یہودا خبر گیری کرتا ہے۔ ایک قافلہ جس کا راستہ یہ نہیں تھا نہ ہی وہ کنواں کسی خاص راستے پر تھا، وہ قافلہ بھٹک کر اس راستے کی طرف آیا۔

مفسرین فرماتے ہیں: وہ قافلہ بھٹکا نہیں تھا بلکہ اللہ اس قافلے کو بھٹکا کر ادھر

لائے تھے کہ ہم نے یہاں سے یوسف کو نکالنا ہے۔ قافلے والوں نے ایک بندے کو بھیجا کہ اس کنویں سے پانی نکالو! اس نے جب ڈول نکالا تو بجائے پانی کے ایک خوب صورت اور چمکتا ہوا بچہ باہر آیا۔ اس نکالنے والے کا نام ملک تھا۔ اس نے کہا: ﴿يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ﴾ کہ تمہیں مبارک ہو! ہم پانی تلاش کر رہے تھے تو اللہ نے کتنا پیارا بچہ عطا کیا ہے۔ یہودا دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے بھائیوں کو بتایا۔ بھائی دوڑے آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ قافلے والوں نے یوسف علیہ السلام کو تو کنویں سے نکال لیا ہے۔ اب ان کے ذہن میں تھا کہ یہ اس کو چھوڑیں گے نہیں اور یہ بھی ذہن میں تھا کہ ہو سکتا ہے چھوڑ دیں اور یہ بھی ذہن میں تھا کہ ہو سکتا ہے اسے اپنے ساتھ لے جائیں۔

اب بھائیوں نے ایک نئی ترکیب چلائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے انہوں نے کہا: یہ ہمارا غلام ہے، تم نے چوری کیا ہے، قافلہ والوں نے کہا: ہم نے چوری کہاں کیا ہے؟ یہ تو کنویں سے نکلا ہے۔ انہوں نے کہا: ہمارا غلام دوڑا ہوا تھا، اگر تم خریدنا چاہتے ہو تو ہم تمہیں بیچنے کے لیے تیار ہیں۔ قافلہ والوں نے کہا: ہم خرید لیتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں: انہوں نے بیس درہم میں ان کو بیچ دیا اور دس بھائیوں نے دو دو درہم تقسیم کر لیے اور ایسا کیوں کیا؟ اس کی وجہ یہ تھی ﴿وَ كَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿٢٠﴾﴾ وہ بے رغبت تھے، ان کو ضرورت نہیں تھی، وہ تو جان چھڑانا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ایسے طریقے سے یوسف جائے کہ وہاں سے واپس نہ آئے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے اس غلام کو لے لو اور باندھ کر رکھنا! اس کی عادت دوڑ جانے کی ہے۔ اگر تم نے کوتاہی کی تو یہ بھاگ جائے گا۔ مقصد یہ تھا کہ قافلے والے یوسف کو چھوڑیں نا۔ انہوں نے یوسف علیہ السلام کو باندھا اور مصر کے بازار میں لے گئے۔

حضرت یوسف سات سال کے بچے ہیں۔ حسن و جمال کے پیکر ہیں۔ اتنا جمال اللہ نے ان کو عطا فرمایا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے سفر میں حضرت یوسف کا چہرہ دیکھا تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کا آدھا حسن اللہ نے تنہا یوسف علیہ السلام کو دیا ہے اور آدھا حسن خدا نے دنیا میں تقسیم کیا ہے۔ بتاؤ خدا نے کتنا جمال عطا کیا ہو گا؟

یوسف بازارِ مصر میں:

یہ سب تکوینی نظام چل رہا تھا، اس بچے نے بادشاہ کے دربار میں پہنچنا تھا۔ اب لوگ خریدنے کے لیے آگئے۔ بچہ قیمتی تھا۔ قیمت لگنا شروع ہوئی۔ کسی نے کہا: میں اس کے بدلے میں چاندی دیتا ہوں۔ کسی نے کہا: میں اس کے بدلے میں سونا دیتا ہوں۔ اس کی قیمت بڑھتی چلی گئی اور قیمت اتنی بڑھ گئی کہ عام بندہ اس کو خرید ہی نہیں سکتا تھا۔

یوں کہنا چاہیے کہ یوسف علیہ السلام کی قیمت اللہ نے اتنی لگوادی کہ عام بندہ اس کو لے ہی نہیں سکا۔ اللہ نے بتا دیا کہ میرا یوسف کتنا قیمتی ہے! بالآخر عزیز مصر کے حصے میں آئے اور اس نے بھاری رقم دے کے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا۔ وہ جب گھر گیا تو اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کو دیکھا، ان کی بول چال دیکھی، وہ سمجھا کہ یہ کل بہت بڑا آدمی بنے گا۔

تین عقلمند اور دانا لوگ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں تین لوگ ایسے گزرے ہیں کہ جنہوں نے شکلوں اور چہروں سے پہچانا ہے کہ یہ بندہ کتنا بڑا ہو گا! ان میں سے ایک عزیز مصر تھا جس نے حضرت یوسف کو بچپن میں دیکھ کر پہچانا ہے کہ بہت بڑا آدمی بنے گا اور اپنی بیوی سے کہا کہ اس کا خیال رکھنا! ایک حضرت

شعیب علیہ السلام کی بیٹی ہے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو اپنے والد سے کہا کہ ان کو ملازم رکھ لیں، یہ طاقت ور بھی ہیں اور امانت دار بھی اور ایک حضرت ابو بکر صدیق ہیں جنہوں نے حضرت عمر کے چہرے سے پہچانا کہ بہت بڑا آدمی بنے گا۔

عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام کو گھر میں جگہ دی ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مصلی پر جگہ دی ہے۔

بعض لوگ ہوتے ہیں کہ جو پہچان لیتے ہیں کہ اس نے بہت بڑا آدمی بننا ہے۔ اور ایسے ہوتا ہے، بچپن میں بعض علامات ایسی ہوتی ہیں جو انسان کے بڑا ہونے کی دلیل بنتی ہیں۔

امام محمد؛ امام ابو حنیفہ کی مجلس میں:

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مجلس میں تشریف فرما تھے۔ ایک بچہ آیا اور امام صاحب سے مسئلہ پوچھا کہ اگر کوئی بندہ عشاء کی نماز پڑھ کر سو جائے اور پھر اس کو غسل کی حاجت ہو جائے تو عشاء کی نماز دوبارہ پڑھے یا نہ پڑھے؟ امام اعظم ابو حنیفہ نے فرمایا: عشاء کی نماز دوبارہ پڑھے۔ شاگردوں کو بڑا تعجب ہوا کہ امام صاحب نے کیسا مسئلہ بتایا ہے کہ جب کوئی آدمی عشاء کی نماز پڑھ کر سوئے، غسل کی حاجت ہو جائے تو دوبارہ تو نماز نہیں پڑھی جاتی۔ حضرت امام ابو حنیفہ فرمانے لگے: یہ بچہ نہایت ذکی اور سمجھدار تھا، اس بچے نے مسئلہ عام بندے کے بارے میں نہیں پوچھا اس نے اپنے بارے میں پوچھا ہے لیکن شرمیلا اتنا ہے کہ بتا نہیں سکتا کہ مجھے رات غسل واجب ہوا تھا، یہ پوچھنا چاہ رہا ہے کہ جب میں نے عشاء کی نماز پڑھی تو میں نابالغ تھا اور رات سویا تو مجھے غسل کی ضرورت پیش آگئی، اب میں بالغ ہوا ہوں تو میں عشاء کی نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں؟ امام صاحب نے فرمایا: جب عشاء کی نماز پڑھی یہ نابالغ تھا، اس پر نماز فرض ہی نہیں تھی تو جب فجر کی نماز سے پہلے بالغ ہوا تو اب عشاء کی نماز اس پر فرض ہو گئی ہے، تو

عشاء دوبارہ پڑھے گا۔ امام صاحب نے فرمایا: "قَدْ یُفْتِیْ هٰذَا الصَّبِیُّ" کہ یہ لڑکا بہت بڑا آدمی بنے گا۔

امام محمد کا سات دنوں میں قرآن حفظ کرنا:

کچھ دن گذرے اسی لڑکے کا باپ اسے لے کر درس گاہ میں آیا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اس نے عرض کی: حضرت! یہ میرا بچہ ہے آپ اس کو درس گاہ میں بیٹھا لیں۔ امام صاحب نے پوچھا: قرآن کا حافظ ہے؟ کہا: نہیں، فرمایا: میری ایک شرط ہے کہ لڑکا جب تک قرآن کا حافظ نہ ہو میں اپنی درس گاہ میں نہیں بٹھاتا۔

مجھے تعجب ہوتا ہے کہ لوگ قرآن وحدیث کی بات کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ کا رد کرتے ہیں، امام صاحب تو اس شخص کو درس گاہ میں ہی نہیں بٹھاتے جو قرآن کا حافظ نہ ہو، اس سے بڑھ کر قرآن کون جانتا ہے؟ امام ابو حنیفہ کا جنازہ جہاں سے اٹھا ہے وہاں پر امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے آٹھ ہزار مرتبہ قرآن ختم کیا ہے، اب یہ بندہ قرآن نہیں سمجھتا! عجیب بات ہے۔

خیر انہوں نے کہا: میرا لڑکا قرآن کا حافظ تو نہیں ہے۔ فرمایا پھر اس کو لے جاؤ۔ اب وہ ہفتے بعد پھر آئے۔ کہا کہ اس بچے کو داخل فرمالیں۔ امام صاحب نے فرمایا: میں نے پچھلے ہفتے بھی کہا تھا کہ بچہ قرآن کا حافظ ہونا چاہیے، یہ قرآن کا حافظ نہیں آپ دوبارہ لے آئے! باپ نے کہا: آپ امتحان لے لیں، یہ ایک ہفتے میں مکمل قرآن حفظ کر کے آیا ہے۔ (سبحان اللہ۔ سامعین)

یہ بچہ ہے اور امام صاحب نے پہچان لیا کہ اس نے کل کو بہت بڑا آدمی بننا ہے۔ یہ بچہ کون ہے؟ امام اعظم ابو حنیفہ کا شاگرد ہے۔

چھوٹا محمد ایسا ہے تو بڑا محمد کیسا ہو گا؟

اہلِ کتاب کے ایک دانشور نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "المبسوط" کا

مطالعہ کیا تو مسلمان ہو گیا۔ اس سے کسی نے پوچھا کہ مسلمان کیوں ہوئے؟ اس نے کہا:

”هٰذَا كِتَابُ مُحَمَّدِكُمُ الْاَصْغَرِ فَكَيْفَ كِتَابُ مُحَمَّدِكُمُ الْاَكْبَرِ“

کہ مسلمانوں کے چھوٹے محمد کی کتاب ایسی ہے تو بڑے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب کا کیا عالم ہو گا؟! اس بات نے مجھے اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔[201]

بچوں کو پہلے دین پڑھائیں پھر دوسری چیزیں!

بعض لوگ بہت چھوٹے ہوتے ہیں اور کل کو جا کر بہت بڑے بنتے ہیں۔ بعض صفات اللہ نے بچوں میں رکھی ہوتی ہیں ہم صفات کا استعمال غلط کرتے ہیں۔ مثلاً ہمارا بیٹا ذہین ہوتا ہے تو ہم قرآن کے بجائے اسے انگلش لینگویج میں لگا دیتے ہیں، صلاحیتیں اس کی بدل جاتی ہیں اب وہ عالم بنے گا تو کیسے بنے گا؟ ہمارا بیٹا ذہین ہوتا ہے اور اب ہم نے اس کو کمپیوٹرائزڈ زندگی دے دی ہے تو بتاؤ وہ قرآن پر کیسے آئے گا؟ ہم کمپیوٹر کے مخالف نہیں ہیں لیکن ہم کہتے ہیں پہلے قرآن پڑھائیں پھر کمپیوٹر سکھائیں، پہلے قرآن سکھائیں پھر انگلش زبان پر لائیں۔ ہم نے کب انگریزی کا انکار کیا ہے! لیکن دین پہلے ہے اور دنیاوی علم بعد میں ہے۔ اللہ نے بچوں میں صلاحیتیں بہت رکھی ہوتی ہیں لیکن ہم کبھی ان صلاحیتوں ابھارتے نہیں۔

چلیں بات چل پڑی ہے تو میں ایک چھوٹی سی بات کہتا ہوں۔ عید الفطر کے موقع پر مدارس میں چھٹیاں تھیں اور میرا گجرات میں علماء کنونشن میں بیان تھا۔ میرا ایک چھوٹا بچہ ہے دس یا گیارہ سال کا ہو گا وہ مدرسے سے گھر آیا تو میری بیوی نے کہا: اس کو بھی ساتھ لے جائیں۔ میں نے کہا: اس کو بھی ساتھ لے جاتا ہوں۔ ہم نے صبح ناشتہ نہیں کیا جلدی چلے گئے۔ راستے میں میں نے اس سے پوچھا کہ کوئی چیز کھانی ہے؟

201۔ بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن الحسن الشیبانی للکوثری: ص196

بچہ تھا نا، اس نے کہا: کھانی ہے۔ میں نے کہا: کیا کھانا ہے؟ اس نے کہا کہ جوس دے دیں اور ساتھ چپس بھی ہوں۔ میں نے کہا: تجھے بھوک لگی ہے؟ کہتا ہے: جی ہاں۔ میں نے کہا: بھوکے آدمی کو تو نیند نہیں آتی اور تو تو گاڑی میں سو رہا ہے؟ تجھے کیسی بھوک لگی ہے؟ میں تو بیٹے سے مذاق کر رہا تھا۔

دیکھیں ذہن کیسے کام کرتا ہے! صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ مجھے فوراً کہنے لگا، کہا: ہم فضائل اعمال کی تعلیم میں بیٹھتے تھے مدرسے میں تعلیم ہوتی ہے، اس میں ہم نے ایک واقعہ سنا کہ ایک صاحب گھر آئے اور ان کے گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا اور بیوی نے ہانڈی آگ پر رکھ دی اور اس میں پتھر ڈال کر اسے ہلاتی رہی اور بچے سو گئے کہ کھانا پک رہا ہے۔ اس نے کہا کہ اگر بھوکے کو نیند نہیں آتی تو فضائل اعمال کا واقعہ غلط ہے؟ یہ گیارہ سال کا بچہ ہے اور آپ استدلال دیکھیں، یہ چھوٹی بات نہیں ہے، میں جب یہ صلاحیتیں دیکھتا ہوں تو میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور ہم پوری کوشش کریں گے کہ ان کو دین پر لائیں، باقی اللہ کی مرضی ہے اللہ کیا کام لینا چاہتے ہیں، ہمیں تو اندازہ نہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام عزیزِ مصر کے گھر میں:

خیر میں اپنے عنوان پر واپس آتا ہوں۔ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں کہہ رہا تھا کہ عزیز مصر نے اپنے بیوی سے کہا: ہم نے اس کو خریدا ہے یہ ہمارے کام بھی آئے گا اور اس کو بیٹا بھی بنا سکتے ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ عزیز مصر کا بیٹا نہیں تھا، صاحبِ اولاد نہیں تھا تو اس نے کہا چلو بیٹا بنا لیتے ہیں۔ حضرت یوسف اس کے گھر میں پلے اور جوان ہوئے۔ عزیز مصر کے بیوی کا نام زلیخا ہے۔ وہ حضرت یوسف پر فریفتہ ہو گئی۔ اس نے نیا جال بچھانا شروع کر دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن سے متأثر ہوئی اور اس نے حضرت یوسف سے اپنی خواہش کا اظہار کر ڈالا۔ اپنے محل

اور کمرے کے دروازے کو تالا لگایا، اگلے میں پھر اگلے میں، یوں کئی تالے بند کر کے وہ ان کو اپنے کمرے میں لے گئی اور وہاں جا کر اس نے حضرت یوسف علیہ اسلام کے حسن کی تعریفیں شروع کر دیں۔ یوسف علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ مجھ سے گناہ کا تقاضا کرتی ہے۔ یوسف علیہ السلام گناہ کے لیے قطعاً تیار نہیں ہوئے۔

عزیز مصر کی بیوی کا تقاضا:

اب جو بات سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ زلیخاہ نے ارادہ کیا حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنی بری خواہش کو پورا کرنے کا۔ یوسف علیہ السلام تیار کیوں نہیں ہوئے؟ اس کی وجوہات تو کئی ہیں جو مفسرین نے لکھی ہیں، میں ایک آپ کے سامنے پیش کرنے لگا ہوں۔ قرآن کریم میں تو صرف اتنا ہے ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ﴾ کہ اس عورت نے گناہ کا پختہ ارادہ کر لیا، ﴿وَهَمَّ بِهَا﴾ حضرت یوسف علیہ السلام نے ارادہ نہیں کیا، ﴿هَمَّ﴾ عربی زبان کا لفظ ہے، پختہ ارادہ کے معنی میں بھی آتا ہے اور طبعی میلان کے معنی میں بھی آتا ہے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ جس طرح آدمی نے گرمی کا روزہ رکھا ہو اور سامنے ٹھنڈا شربت آجائے تو پینے کو جی تو چاہتا ہے لیکن آدمی روزہ توڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اگر خلوت میں نا محرم عورت آجائے تو گناہ کا طبعی تقاضا پیدا ہوتا ہے لیکن اس طبعی تقاضے پر عمل کرنے کا نبی تصور بھی نہیں کر سکتا۔

﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ﴾ اس زلیخا نے تو پختہ ارادہ کر لیا تھا لیکن یوسف علیہ السلام نے ارادہ پختہ نہیں کیا، ہاں ﴿وَهَمَّ بِهَا﴾ غیر اختیاری طور پر طبعی خیال آیا لیکن یوسف علیہ السلام کے پاس چونکہ دلیل موجود تھی اور وہ دلیل علم شریعت تھا کہ زنا اور یہ گناہ کرنا حرام ہے، اس لیے یوسف علیہ السلام نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا اور اس کے قریب جانے کا سوچا ہی نہیں ہے۔

رب کی برہان کیا تھی؟

میں بتایہ رہا تھا کہ بسا اوقات انسان بات سمجھتا نہیں ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے ﴿لَوۡ لَاۤ اَنۡ رَّاٰ بُرۡهَانَ رَبِّهٖ﴾ اگر یوسف علیہ السلام کے پاس دلیل نہ ہوتی، اللہ کی دلیل نہ دیکھ لیتے تو ممکن ہے کچھ ارادہ کر لیتے، اگرچہ ارادے پر عمل نہ کرتے۔ وہ دلیل کیا تھی جس نے حضرت یوسف کو گناہ سے دور رکھا ہے؟ یہ بات سمجھنے کی ہے۔

مفسرین نے کئی واقعات نقل کیے ہیں خلاصہ سب کا ایک ہے۔ بعض نے کہا کہ زلیخا بند کمرے میں اپنا بت جس کو سجدے کرتی تھی اس پر اپنا دوپٹہ اتار کر ڈالنے لگی۔ یوسف علیہ السلام نے پوچھا یہ کیا کرتی ہو؟ اس نے کہا: میرا خدا ہے، مجھے اس سے شرم آتی ہے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اس سے شرم آتی ہے جو دیکھ نہیں سکتا اور جو خدا دیکھتا ہے اس سے شرم نہیں آتی۔ بعض نے کہا کہ دلیل یہ دیکھی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا جسم اطہر ان کے سامنے آیا، جنھوں نے اپنے دانت کے نیچے انگلی رکھی ہوئی تھی، یہ بتانے کے لیے کہ بیٹا یہ جرم کبھی نہیں کرتے۔

بعض نے اس طرح کے اور واقعات لکھے ہیں لیکن مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کو خدا نے بچانا تھا، دلیل نبوت بھی ہے، علم شریعت بھی ہے اور طبع سلیم بھی دی تھی۔ یوسف علیہ السلام گناہ کے قریب بھی نہیں گئے، حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کو سمجھایا تو کتنی عجیب عورت ہے! ایک شخص نے مجھ پر احسانات کیے ہیں، مجھے گھر میں ٹھکانا دیا ہے، میری بچپن میں پرورش کی ہے، میں اس گھر میں بھلا خیانت کر سکتا ہوں؟ تو کیسی بات سوچتی ہے؟ لیکن اس وقت یوسف علیہ السلام جب یہ سمجھے کہ یہ عورت مجھے چھوڑنے والی نہیں ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام دوڑے اس دروازے کی طرف جس کو تالا لگا ہوا تھا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام دوڑے تو

خدا کے حکم سے تالے ٹوٹتے چلے گئے۔ معلوم ہوا کہ اپنی ہمت کے مطابق کام کرنا انسان کے ذمہ ہے، کامیابیاں عطا فرمانا یہ اللہ کے ذمے ہے۔ آدمی اپنا کام کرے، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھے۔

عزیزِ مصر کا سامنا:

﴿وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَّأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوٓءًا إِلَّآ أَنْ يُّسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۵﴾﴾

دروازے پر پہنچے۔ جونہی باہر نکلے تو اب نیا مسئلہ پیش آیا۔ آگے عزیز مصر سامنے کھڑا تھا۔ وہ تو ہکا بکا رہ گیا۔ کمرے سے یوسف علیہ السلام بھی آرہے ہیں اور کمرے سے زلیخا بھی آرہی ہے۔ زلیخا پیچھے دوڑ رہی ہے اور یوسف علیہ السلام آگے تھے۔ زلیخا نے -جیسے عورتوں کی عادت ہوتی ہے- فوراً وار کیا اور عزیز مصر سے کہنے لگی: ﴿مَا جَزَآءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوٓءًا إِلَّآ أَنْ يُّسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ عزیز مصر! بتاؤ کہ اگر کوئی تمہاری بیوی کے ساتھ گناہ کا ارادہ کرے تو اس کی کیا سزا ہے؟ یا تو اس کو دردناک قسم کا عذاب دو یا اسے جیل میں ڈال دو۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے عجیب صورتحال بن گئی۔ اب چونکہ موقع ایسا تھا کہ صفائی پیش کرنا ضروری تھا، حضرت یوسف علیہ السلام نے صفائی تو اس کو دینی تھی لیکن یوسف علیہ السلام کے بولنے سے قبل اللہ نے وکیلِ صفائی کا انتظام خود فرمایا۔

یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی گواہی:

﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا﴾

مفسرین فرماتے ہیں کہ وہاں ان کے محل میں چھوٹا سا بچہ موجود تھا۔ جب عورت نے عزیز مصر کے ساتھ بات کی تو فوراً اس چھوٹے بچے کو جو بول نہیں سکتا تھا خدا

نے اسے ایسی قوت گویائی عطا کی کہ اس نے کہا:

﴿اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۲۶ وَ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۲۷﴾

اے عزیز مصر! اگر حضرت یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو یہ عورت سچ بولتی ہے اور حضرت یوسف سچے نہیں ہیں اور اگر حضرت یوسف کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو پھر عورت جھوٹ بولتی ہے اور وہ سچے ہیں۔

جب دیکھا تو حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی، یوسف علیہ السلام دوڑ رہے تھے وہ پکڑ رہی تھی تو اس چھینا جھپٹی میں ان کی قمیص پیچھے سے پھٹ گئی۔ عزیز مصر نے کہا: جھوٹ تُو بولتی ہے اور الزام یوسف پر لگاتی ہے۔

مفسرین نے عجیب بات لکھی ہے کہ اگر وہاں یہ چھوٹا بچہ بول کر اتنی بات ہی کہہ دیتا کہ یوسف سچا ہے اور زلیخا جھوٹی ہے تو بات تو پھر بھی سمجھ آسکتی تھی کہ چھوٹا سا بچہ جو بول نہیں سکتا اس نے صفائی دی ہے لیکن یوں نہیں ہوا بلکہ اللہ نے اس کو بلوایا اور ساتھ دانائی کی بات بلوا کر بلوایا، دلیل کے ساتھ بلوایا۔

اس بچے نے جملہ ایسا کہا کہ عام بندہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ بات ٹھیک کہتا ہے، صرف یہ نہیں کہا کہ زلیخا جھوٹی ہے اور یہ سچے ہیں، تیری بیوی جھوٹ بولتی ہے اور تمہارا غلام سچ بولتا ہے۔ اس نے کہا کہ عقل کی بات ہے تم دیکھ لو! اگر دامن آگے سے پھٹا ہے تو قصور ان کا ہے لیکن اگر دامن پیچھے سے پھٹا ہے قصور تمہاری بیگم کا ہے۔

عزیز مصر کا حضرت یوسف کو اعراض کا حکم:

اب جب دیکھا تو ایسا ہی تھا ﴿فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ﴾ اب کیا کرتے! جرم تو پکڑا گیا۔ عزیز مصر نے دیکھ لیا کہ زلیخا میری بیوی جھوٹ بولتی ہے اور

یوسف علیہ السلام سچ بولتے ہیں تو عزیز مصر نے کہا: ﴿یُوۡسُفُ اَعۡرِضۡ عَنۡ هٰذَا﴾ اے یوسف! آپ جانے دیں۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ عجیب بات یہ ہے کہ ایسے موقع پر عزیز مصر کو طیش آنا چاہیے تھا لیکن اسے طیش نہیں آیا۔ یا تو اس میں غیرت کی کمی تھی یا پھر یہ اللہ کی طرف سے انتظام ہونا تھا اس لیے اسے طیش نہیں آیا۔ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا: آپ جانے دیں اور اپنی بیوی سے کہا: تیرا قصور ہے، تو اپنے قصور پر معافی مانگ، یہ بات اچھی نہیں اور ساتھ عزیز مصر نے ایک جملہ بھی کہا: ﴿اِنَّهٗ مِنۡ كَيۡدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيۡدَكُنَّ عَظِيۡمٌ ﴿۲۸﴾﴾ یہ تمہارا ہی مکر ہے اور تمہارے مکر بہت بڑے ہوتے ہیں۔

یہ جملہ ہر عورت کے بارے میں کبھی نہ کہنا اور ہر عورت پر فٹ نہ کرنا! نیک عورتوں کو کبھی نہ کہنا کہ عورتیں مکار ہوتی ہیں اور ان کے مکر بہت بڑے ہوتے ہیں۔ یہ ان عورتوں کے بارے میں ہے جو فاحشہ، بدکردار اور غلط قسم کی ہوں۔

اس بات کی شہرت ہوئی تو.....:

خیر معاملہ رفع دفع ہو گیا لیکن یہ بات عزیز مصر کے محل میں پھیل گئی۔ اب یہ گھر کا مسئلہ تھا لیکن عورتوں تک بات جا پہنچی، چلتے چلتے محل سے باہر شہر میں چرچا ہو گیا۔ یہ چرچا اس بات کا تھا کہ زلیخا اپنے غلام پر عاشق ہو گئی ہے۔ مصر کی عورتوں نے زلیخا سے کہا: زلیخا تجھے کچھ حیا کرنا چاہیے تھی، تُو عزیز مصر کی بیوی ہے اور غلام پر عاشق ہو گئی ہے! اس وقت زلیخا نے کہا: تم نے اس غلام کو دیکھا نہیں، اگر دیکھ لیتیں تو مجھے کبھی بھی طعنہ نہ دیتیں۔ انہوں نے کہا: اچھا ہمیں بھی دکھا دو۔ اب ان کا و بھی دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔

زنانِ مصر کا یوسف علیہ السلام کو دیکھنا:

حضرت یوسف علیہ السلام اندر ہیں اور زلیخا باہر ہے۔ عورتوں کی دعوت کر دی گئی اور اس دعوت میں اس نے خاص اہتمام کیا۔ دستر خوان بچھایا گیا اور پھل اور چھریاں رکھ دی گئیں۔ تکیے سجا دیے گئے۔ پھر اس نے یوسف علیہ السلام سے کہا: ﴿اُخْرُجْ عَلَيْهِنَّ﴾ آپ ذرا باہر تشریف لائیں۔ جب یوسف علیہ السلام باہر آئے تو ﴿فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ﴾ انہوں نے کہا کہ زلیخا تو ٹھیک کہتی ہے، یہ تو بلا کا حسین و جمیل ہے۔ زلیخا کو طعنہ دینے والی عورتیں ہکا بکا رہ گئیں۔ انہوں نے ایک جملہ کہا اور ایک عمل کیا۔

زنانِ مصر کا جملہ اور عمل:

رات میں نے بیان میں بھی نقل کیا تھا، جو ساتھی تھے انہوں نے سنا ہو گا، جملہ یہ کہا ﴿حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿٣١﴾﴾ یہ انسان نہیں ہے، یہ تو فرشتہ ہے۔ ساتھ انہوں نے ایک کام کیا ﴿وَ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ﴾ انہوں نے اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ اتنے حسن و جمال کے نظارے میں مست ہو کر رہ گئیں، ان کو پتا ہی نہیں چلا کہ ہم اپنی انگلیاں کاٹ رہی ہیں یا پھل کاٹ رہی ہیں۔

آپ بتائیں! کس درجے کا حسن ہو گا؟ آپ تصور کر سکتے ہیں؟ ان دونوں جملوں کی مختصر شرح سمجھ لیں۔ میں نے رات بیان میں بھی عرض کیا تھا کہ اللہ نے انسان میں دو قسم کی صفتیں رکھی ہیں:

صفتِ ملکیت اور صفتِ بہیمیت:

1: صفتِ ملکیت

2: صفتِ بہیمیت

ملکیت کا معنی ہے فرشتہ پن اور بہیمیت کا معنی ہے ڈنگر پن۔ فرشتہ پن کا معنی

مان کر چلنا اور ڈنگر پن کا معنی من مانی کرکے چلنا۔ جانور میں ایک ہی صفت ہے من مانی کرنا اور فرشتوں میں ایک ہی صفت ہے مان کر چلنا اور انسان میں اللہ نے دونوں صفتیں رکھی ہیں اور پھر یہ دیکھنا ہے کہ انسان من مانی کرتا ہے یا مان کر چلتا ہے؟ اگر یہ من مانی کی صفت نہ ہو اور پھر انسان مان کر چلے تو یہ انسان کا کوئی امتحان نہیں ہے، امتحان تو تبھی ہو گا کہ من مانی کرنے کا مادہ موجود ہو اور پھر بھی مان کر چلے۔ اگر انسان من مانی کرے اور مان کر نہ چلے تو قرآن کہتا ہے:

﴿أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ﴾[202]

یہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ جانور سے بھی بدتر ہیں۔ جانور سے بدتر کیوں ہیں؟ اس لیے کہ جانور وہ ہے جو من مانی کرے، اس نے من مانی کی ہے تو جانور کی طرح بنا ہے، جانور میں تو مان کر چلنے کا وصف بھی نہیں تھا لیکن اس میں مان کر چلنے کا وصف تھا پھر بھی من مانی کی ہے تو جانور سے بھی بدتر ہوا۔

انہوں نے کہا: ''إِنْ هَٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ'' کہ یہ تو فرشتہ ہے، کیونکہ اس انسان میں من مانی کا وصف موجود ہے اور پھر بھی مان کر چلتا ہے، یہ فرشتوں کا کام ہے جانور کا کام نہیں ہے۔ ان عورتوں نے کہا: یہ کیسا انسان ہے کہ من مانی کرتا ہی نہیں، یہ تو مان کر چلتا ہے ''إِنْ هَٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ'' یہ تو فرشتہ ہے۔ پھر صرف ''مَلَكٌ'' نہیں کہا بلکہ ''مَلَكٌ كَرِيمٌ'' کہا۔ فرشتہ وہ ہوتا ہے جس میں مان کر چلنے کی ہی صفت ہو اور مان کر چلے اور جس میں من مانی کی صفت ہو اور پھر مان کر چلے تو یہ ''مَلَكٌ'' نہیں بلکہ ''مَلَكٌ كَرِيمٌ'' ہوتا ہے، یہ تو فرشتہ صفت ہے۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں کہا تو زلیخا فوراً بول اٹھی

202۔ الاعراف 7:179

"فَذٰلِكُنَّ الَّذِىْ لُمْتُنَّنِىْ فِيْهِ" یہی ہے وہ جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں، اب دیکھ لیا تم نے؟ اب بتاؤ میں بے بس تھی یا نہیں؟

میرے محمد کو دیکھتیں تو دل کاٹ ڈالتیں!

ام المؤمنین امی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

لَوَاحِیْ زَلِیْخَا لَوْ رَأَیْنَ جَبِیْنَهٗ
لَآثَرْنَ بِالْقَطْعِ الْقُلُوْبَ عَلَى الْاَيْدِیْ[203]

جن عورتوں نے زلیخا کو طعنہ دیا تھا انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں، اگر میرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتیں تو دل کاٹ ڈالتیں۔

یہ جملہ کیوں کہا؟ وجہ یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء ہیں اور حضرت یوسف نبی ہیں۔ نبی الانبیاء وہ ہوتا ہے جس سے اوصاف نکلتے ہیں اور نبی وہ ہوتا ہے جسے اوصاف ملتے ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسن نکلا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو ملا ہے، ہمارے نبی مرکزِ حسن ہیں حضرت یوسف شاخِ حسن ہیں۔ ہمارے جسم میں دل مرکزِ بدن ہے اور ہمارا ہاتھ شاخِ بدن ہے۔ امی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے شاخِ بدن کو دیکھا تو شاخِ بدن کو کاٹا، مرکزِ حسن کو دیکھ لیتیں تو مرکز بدن کو کاٹ لیتیں۔ جنہوں نے یوسف کو دیکھا اور ہاتھ کاٹے ہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتیں تو دل کاٹ لیتیں۔

یوسف علیہ السلام کا جیل جانا:

زلیخا نے کوشش کی کہ اس کی بات مانیں لیکن حضرت یوسف اگر بات نہ

203۔ تفسیر روح المعانی: ج 13 ص 77

مانیں تو ان کو جیل جانا پڑے گا۔ ادھر یوسف علیہ السلام نے کہا: ﴿رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡہِ﴾ اے اللہ! جس گناہ کی یہ مجھے دعوت دیتی ہے، میں جیل میں تو جا سکتا ہوں گناہ نہیں کر سکتا۔

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر رحمہ اللہ جو میرے پیر و مرشد ہیں، ایک بہت پیارا جملہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: ﴿رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ﴾ عربی زبان کے دو لفظ ہیں؛ ایک لفظ حبیب ہوتا ہے اور ایک لفظ احب ہوتا ہے۔ حبیب کا معنی ہوتا ہے "پیارا" اور احب کا معنی ہوتا ہے "سب سے پیارا"، جیسے گرائمر میں کہتے ہیں کہ احب یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ تو حضرت فرماتے تھے کہ اللہ کی کیسی تقدیر ہے اور خدا کی قدرت کا عالم دیکھیں کہ ﴿رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡہِ﴾ یوسف علیہ السلام کہتے ہیں کہ اللہ! گناہ کے بجائے مجھے ان کی جیل احب ہے، محبوب نہیں کہا بلکہ احب کیا۔ حضرت فرماتے ہیں: اللہ کی محبت کا جیل خانہ احب ہے تو بتاؤ اللہ کے گلزار کا عالم کیا ہو گا؟ جس کی جیل محبوب ترین ہو اس کی جنت کا عالم کیا ہو گا؟

عصمتِ انبیاء علیہم السلام:

آگے جملہ سنو، فرمایا:

﴿وَ اِلَّا تَصۡرِفۡ عَنِّیۡ کَیۡدَہُنَّ اَصۡبُ اِلَیۡہِنَّ وَ اَکُنۡ مِّنَ الۡجٰہِلِیۡنَ ﴿۳۳﴾﴾

اے اللہ! اگر آپ مجھ سے گناہ کو الگ نہ کرتے، اگر آپ میری مدد نہ فرماتے تو ہو سکتا ہے میں گناہ میں مبتلا ہو جاتا۔

یہاں دو لفظوں پر غور کرنا! حضرت یوسف گناہ سے بچے ہیں اللہ رب العزت نے فرمایا: ﴿کَذٰلِکَ لِنَصۡرِفَ عَنۡہُ السُّوۡٓءَ وَ الۡفَحۡشَآءَ﴾ کہ ہم نے یوسف

سے گناہ کو دور رکھا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے یوسف کو گناہ سے دور رکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میں اور آپ وہ ہیں کہ جو گناہ سے الگ ہوتے ہیں، نبی وہ ہوتا ہے جس سے خدا گناہ کو الگ کرتا ہے۔ ہم تو گناہ سے بچتے ہیں لیکن اللہ نبی سے گناہ کو الگ کر دیتے ہیں۔

اور دوسری بات کہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿كَذٰلِكَ لِنَصۡرِفَ عَنۡهُ السُّوۡٓءَ وَ الۡفَحۡشَآءَ﴾ ہم نے یوسف سے گناہ کو الگ کیا ہے اور خود یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿وَ اِلَّا تَصۡرِفۡ عَنِّیۡ كَیۡدَهُنَّ﴾ کہ اے اللہ! اگر آپ مجھ سے ان کے مکر کو دور نہ کرتے.... معلوم ہوا کہ ان عورتوں کا مکر بھی خدا نے دور کیا ہے اور گناہ بھی خدا نے دور کیا ہے۔

اس سے ایک مسئلہ سمجھ میں آیا کہ نبی معصوم ہے۔ معصوم ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نبی گناہ نہیں کرتا بلکہ معصوم ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ اپنے نبی سے گناہ ہونے ہی نہیں دیتا۔ معصوم ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ نبی اپنی حفاظت خود کرتا ہے بلکہ معصوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنے نبی کی حفاظت کرتا ہے۔ کیونکہ نبی نبوت کا اعلان خود نہیں کرتا بلکہ خدا نبی سے اعلان نبوت کراتا ہے، وہ خدا نبی کو گناہوں سے بچاتا ہے۔ اگر نبی سے گناہ ہو جائے تو الزام نبی پر نہیں لگے گا بلکہ الزام خدا پر لگے گا کہ نبوت کے لیے کیسا بندہ منتخب کیا ہے جو گناہ کرتا ہے!

اللہ اپنے نبی کو بچاتا ہے... مثالیں:

[1]: میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں۔ اگر سخت گرمی میں بارہ بجے دن کو اڑھائی سال یا تین سال کا بچہ سڑک پر آ جائے تو لوگ اس کو نہیں کہتے کہ تُو اڑھائی سال یا تین سال کا بچہ ہے تُو سڑک پر کیوں آیا ہے؟ سردی میں رات گیارہ بجے تین سال کا بچہ باہر آ

جائے اور اسے سردی لگے تو کوئی اس بچے کو نہیں کہتا کہ تو ننگے پاؤں، ننگے جسم باہر کیوں نکلا ہے؟ لوگ اس کی ماں سے کہتے ہیں کہ آپ کو جننے کا شوق ہے، ان بچوں کی حفاظت نہیں کر سکتیں؟ یہ آج ہم عورت سے کہتے ہیں۔ اگر اڑھائی تین سال کا بچہ گرمی سردی سے نہ بچے تو الزام بچے پر نہیں لگتا، الزام بچے کی ماں پر لگتا ہے، کیونکہ یہ بچہ دنیا میں خود نہیں آیا، ماں نے بچے کو جنا ہے، اگر بچہ خود آتا تو سردی گرمی سے بچنا خود بچے کے ذمہ ہوتا، وہ خود نہیں آیا بلکہ اسے ماں نے جنا ہے، تو جس ماں نے جنا ہے اس ماں نے بچے کو بچانا بھی ہے۔

اسی طرح نبی اپنی نبوت کا اعلان خود نہیں کرتا، اگر خود کرتا تو گناہ سے بچنا خود نبی کے ذمے ہوتا، خدا نبی کے سر پر تاجِ نبوت سجاتا ہے، تبھی تو خدا اپنے نبی کو گناہوں سے بچاتا ہے۔ اگر بچہ نہ بچے تو الزام ماں پر لگتا ہے، اگر نبی نہ بچے تو الزام خدا پر لگتا ہے کیونکہ نبی انتخاب خدا ہوتا ہے۔

[2]: میں ایک مثال دیا کرتا ہوں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَا تَزَوَّجْتُ شَيْئًا مِنْ نِسَائِيْ وَلَا زَوَّجْتُ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِيْ إِلَّا بِإِذْنٍ جَاءَنِيْ بِهِ جِبْرِيْلُ عَنِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ"[204]

میں نے جب بھی کسی کی بیٹی لی ہے تو خدا کی وحی سے لی ہے، میں نے جب بھی اپنی بیٹی کسی کو دی ہے تو خدا کی وحی سے دی ہے۔

میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ نکاح فرمائے ہیں۔ الزام ایک عائشہ پر لگا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دفاع نہیں کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم دفاع تب کرتے جب عائشہ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہوتے، حضور چپ

204۔ حلیۃ الاولیاء لابی نعیم: ج7ص295رقم10582

رہے ہیں، صفائی خود خدا نے دی ہے۔ کیونکہ عائشہ انتخابِ مصطفیٰ نہیں ہے، عائشہ انتخابِ خدا ہے۔ اگر انتخابِ مصطفی ہوتی تو دفاع نبی کے ذمے تھا، انتخاب خدا ہے تو دفاع خدا کے ذمے ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نبی ہیں۔ انتخاب خدا کا ہے یا اپنا؟ (خدا کا۔ سامعین) تو دفاع کس نے کرنا تھا؟ (خدا نے۔ سامعین) فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ لِنَصۡرِفَ عَنۡهُ السُّوۡٓءَ﴾ کہ ہم نے گناہ کو اس سے دور کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اگر یوسف علیہ السلام کو ہم نہ بچاتے تو مبتلا ہو جاتے لیکن ہمارے نبی ہیں تو ہم نے ان کو بچایا ہے۔

یوسف علیہ السلام جیل خانہ میں:

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں تدبیریں ہوئیں۔ عزیز مصر نے سمجھا کہ الزام لگا ہے لیکن یوسف ہے تو سچا، ادھر میرے گھر کا مسئلہ ہے۔ آخر یہ طے کیا کہ یوسف کو جیل میں ڈال دو۔ یوسف علیہ السلام جیل میں چلے گئے۔ کچھ عرصہ گزرا تو دوسرے قیدیوں سے دوستیاں ہو گئیں۔

مفسرین نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے کچھ قیدیوں نے کہا: ہمیں آپ سے بڑا پیار ہے تو حضرت یوسف نے فرمایا: مجھ سے پیار نہ کرو، کہنے لگے: کیوں؟ فرمایا: جب بھی مجھ سے پیار ہوا تو تکلیف مجھے آئی ہے، لہذا تم مجھ سے پیار مت کرو، میری پھوپھی نے مجھ سے پیار کیا تھا تو چوری کا الزام مجھ پر لگا تھا، میرے باپ نے پیار کیا تھا تو مجھے کنویں کی قید اور غلامی اور جلا وطنی ملی ہے، زلیخا نے پیار کیا ہے تو مجھے جیل ملی، تم پیار کرو گے تو پتا نہیں کیا ملے گا؟ اس لیے مجھ سے پیار کے دعوے نہ کرو، پیار تم نے کرنا ہے اور سزا مجھے ملنی ہے۔

اللہ والوں کے ساتھ بھی عجیب معاملات ہوتے ہیں!

یوسف علیہ السلام پر پھوپھی کے گھر میں چوری کا الزام:

یوسف علیہ السلام سے پیار پھوپھی نے کیا تو الزام چوری کا لگا۔ یہ چوری کا الزام کیسے لگا تھا؟ اصل میں حضرت یوسف علیہ السلام بالکل چھوٹے بچے تھے، والدہ کا انتقال ہو گیا تھا تو پھوپھی نے ان کو اپنے گھر میں رکھ لیا۔ پھوپھی کو ان سے پیار بہت زیادہ تھا۔ جب آپ کچھ بڑے ہوئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا: میرا بیٹا واپس کر دو، میں اسے لے جاتا ہوں۔ پھوپھی کا دل نہیں کرتا تھا واپس کرنے کو۔ اس نے واپس تو کر دیا لیکن ایک تدبیر کی کہ اپنا دوپٹہ لیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی کمر سے باندھ کر قمیص پہنا کر حضرت یعقوب کے حوالے کر دیا۔

جب جانے لگے تو انہوں نے کہا کہ میں دوپٹہ تلاش کر رہی ہوں نہیں مل رہا، نوکر کے پاس دیکھا تو نہیں مل رہا، کسی اور کے پاس دیکھا تو نہیں ملا۔ بالآخر تلاشی لینی شروع کی تو یوسف کی کمر سے بندھا ہوا ملا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت یہ تھی کہ جو شخص چوری کرے تو چوری کے بدلے میں وہ خود غلام بنے۔ لہذا ان کی پھوپھی نے کہا: یہ میرا چور ہے، مجھے دو۔ یوں اس طریقے سے پھوپھی نے لے لیا۔ پھوپھی کا انتقال ہوا تو یوسف علیہ السلام واپس گھر آئے۔

آپ نے ان قیدیوں سے فرمایا: پھوپھی نے پیار کیا تو چوری کا الزام لگا، باپ نے پیار کیا تو غلامی ملی، زلیخا نے پیار کیا تو جیل ملی اور تم پیار کرو گے تو پتا نہیں پھر کیا ملے گا؟! اس لیے ہم سے پیار کے دعوے مت کرو۔ یہ ظرافت کی باتیں تھیں جو یوسف علیہ السلام ان سے فرما رہے تھے۔

ساتھی قیدیوں کا خواب اور یوسف علیہ السلام کی تعبیر:

خیر حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل میں قیدی تھے۔ انہوں نے یوسف علیہ السلام سے کہا کہ ہم نے خواب دیکھا ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے

خواب کی تعبیر بتائیں۔ اس پوری سورت میں چار خوابوں کا ذکر ہے، یوسف علیہ السلام نے کہا: کیا خواب ہے؟ ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ میرے سر پر روٹیوں کا ایک ٹوکرا ہے اور اس میں سے کچھ پرندے اٹھا کر لے جا رہے ہیں اور دوسرے قیدی نے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں انگور سے شراب نچوڑ کر بادشاہ کو پلا رہا ہوں۔

یوسف علیہ السلام تعبیر کے امام تھے، تعبیر ایک فن ہے جو اللہ تعالیٰ ہر کسی کو نہیں دیتے اور ہر کسی کے سامنے اپنے خواب کا تذکرہ بھی نہیں کرنا چاہیے۔

بہر حال یوسف علیہ السلام نے سمجھا کہ تبلیغ کا موقع بڑا اچھا ہے، یوسف علیہ السلام نے پہلے ان کو بات سمجھائی کہ ہم جیل میں آئے ہیں جیل سے تو نکل ہی جانا ہے، یہ جو تم نے بت بنا رکھے ہیں چھوڑو ان کو، اللہ کی عبادت کرو، مجھے خدا نے علم دیا ہے، خدا نے تعبیر بتائی ہے۔ اس طرح ان کی ذہن سازی شروع کی۔ فرمایا: ایک خدا بہتر ہے یا ہزاروں خدا بہتر ہیں؟ یوں ان کو پوری بات سمجھائی اور توحید کی دعوت دی۔

اب یوسف علیہ السلام نے ان کو خواب کی تعبیر بتائی۔ فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص وہ ہے جو بادشاہ کا ساقی بنے گا اور ایک وہ ہے جس کو سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔ تعیین کر کے یہ نہیں کہا کہ تیری تعبیر یہ ہے اور تیری تعبیر یہ ہے۔ نبی دل رکھتا ہے اور دل رکھنے کے لیے فرمایا۔ یہ بھی تو بتا سکتے تھے کہ جس نے کہا کہ میں انگور نچوڑ کر شراب پلا رہا ہوں یہ بادشاہ کا ساقی بنے گا اور جس کے سر سے پرندے روٹیاں اٹھا کر لے جا رہے تھے اس کو سزائے موت ہوگی۔ جس کے بارے میں خیال تھا کہ یہ بچ جائے گا اس سے فرمایا: جب تم بادشاہ کے ساقی بنو گے تو بادشاہ کے سامنے میرا ذکر بھی کرنا کہ ایک بے گناہ قیدی جیل میں ہے۔ قرآن کہتا ہے:

﴿فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝٤٢﴾

اس نے کہا کہ یہ میرے ذمے ہو گیا۔ جب وہ وہاں پہنچا تو بھول گیا۔ اس کو یاد

ہی نہیں رہا کہ میرے ساتھ جیل میں کوئی قیدی تھا جس نے مجھے کہا تھا کہ بادشاہ کے سامنے میرا تذکرہ کرنا۔ " بِضۡعَ سِنِیۡنَ " کا اطلاق تین سال سے لے کر سات سال تک ہوتا ہے۔

بادشاہِ مصر کا خواب:

تو بعض کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد سات سال تک یوسف علیہ السلام جیل میں رہے۔ ایک دن بادشاہ نے خواب دیکھا تو اپنے درباریوں سے کہا:

﴿اِنِّیۡۤ اَرٰی سَبۡعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاۡکُلُهُنَّ سَبۡعٌ عِجَافٌ وَّ سَبۡعَ سُنۡۢبُلٰتٍ خُضۡرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ﴾

میں نے دیکھا ہے کہ سات موٹی گائے ہیں اور سات دبلی پتلی گائے ہیں، دبلی گائیوں نے موٹی گائیوں کو کھالیا ہے اور میں نے دیکھا کہ سات ہری بھری بالیاں ہیں اور سات خشک ہیں، ﴿یٰۤاَیُّهَا الۡمَلَاُ اَفۡتُوۡنِیۡ فِیۡ رُءۡیَایَ اِنۡ کُنۡتُمۡ لِلرُّءۡیَا تَعۡبُرُوۡنَ ﴿۴۳﴾﴾ اس نے کہا مجھے بتاؤ اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟ اب درباری خواب کی تعبیر تو جانتے نہیں تھے۔ انہوں نے کہا: " اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ " بادشاہ! یہ بے تکے خیالات ہیں اور ہم خیالات کی تعبیر نہیں جانتے، ہم تو صحیح خوابوں کی تعبیر بتائیں گے۔ اب پہلے صحیح خواب بتا پھر ہم تعبیر بتائیں گے۔ اب دیکھو! کیسے چکر دیا بادشاہ کو، یہ نہیں کہا کہ ہمیں پتا نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ کہتے تو انہیں پتا تھا کہ دربار سے خارج کر دیے جائیں گے۔

تعبیر بتانے میں متکلمِ اسلام کا طرزِ عمل:

خواب کی تعبیر ایک فن ہے۔ خواب ہر کسی کو نہ بتایا کرو، جو شخص تعبیر کا ماہر ہو اسے خواب بتایا کرو۔ میں نے آپ سے کئی مرتبہ کہا ہے کہ میں خواب کی تعبیر دیتا

ہوں لیکن دیتا صرف ان کو ہوں جو میرا پکا مرید ہو۔لوگ سمجھتے ہیں کہ مرید بنانے کا شوق ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ مجھے مرید بنانے کا شوق نہیں، مرید بنا کر تو بندہ خود پھنس جاتا ہے کہ ان کو مرید بنا کر تربیت کون کرے گا؟ تربیت نہیں کرے گا تو قیامت کو مواخذہ ہے، ہم شرط لگاتے ہیں ورنہ لوگ کہتے ہیں کہ تعویذ دے دو، خواب کی تعبیر دے دو، پھر پورا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے... ہم کہتے ہیں کہ ہم سے مسائل پوچھو، تعویذ تو بڑا آسان کام ہے، خواب کی تعبیر تو بہت آسان کام ہے۔ مسائل تم نہیں پوچھتے اور تعبیر ہم نہیں بتاتے، اپنے اپنے کام پر ڈٹے رہیں! اللہ ہمیں بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

بادشاہ کا خواب اور حضرت یوسف کی تعبیر:

جب بادشاہ کے دربار میں بات چلی تو اس بندے کو یاد آیا کہ یوسف نے مجھ سے کہا تھا کہ بادشاہ کے سامنے میرا ذکر کرنا۔ اس نے کہا: بادشاہ سلامت! اگر اجازت ہو تو میرے ساتھ ایک صاحب جیل میں تھے، نیک بھی تھے اور خوابوں کی تعبیر بھی بتاتے تھے، ان سے جا کر پوچھوں؟ بادشاہ نے کہا: پوچھو! تو یہ جب وہاں پہنچا تو اس نے جو جملہ کہا وہ بڑا پیارا ہے، اس نے کہا: ﴿یُوۡسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیۡقُ﴾ میرے دوست خواب کی تعبیر تو بتا! بادشاہ نے خواب دیکھا ہے کہ سات دبلی پتلی گائے ہیں وہ سات موٹی گائیوں کو کھا رہی ہیں اور سات بالیاں ہیں جو بالکل سوکھی ہیں اور سات ہری بھری ہیں۔ جب خواب کی تعبیر پوچھی تو یوسف علیہ السلام نے فوراً کہا کہ بادشاہ کو جا کر بتاؤ کہ سات سال فصل بہت اگے گی، اگلے سات سال میں قحط پڑے گا تو جو تم نے سات سال میں جمع کیا ہو گا یہ سات سالہ قحط کھا جائے گا۔

بادشاہ کے خواب کی تعبیر کی وجہ:

یہ تعبیر کیوں نکالی ہے؟ ذرا اس کی وجہ سمجھیں! زمین سے فصلیں اگتی ہیں،

جب بیل کنویں کو چلائیں تو پانی نکلتا ہے، وہ فصل کو لگتا ہے تو اچھی گائے یہ اشارہ ہے اچھی فصل کی طرف اور یہ جو تھا دبلی پتلی گائے تو یہ اشارہ ہے قحط سالی کی طرف، کہا کہ پہلے سات سال ہری بھری فصلیں ہوں گی، پھر سات سال میں قحط پڑے گا۔ قحط سے اگر بچنا ہے تو کسانوں سے کہو کہ جتنا ان کے پاس غلہ ہے ان کو بالیوں میں ہی رہنے دیں، ضرورت سے زائد نہ نکالیں۔ ہر سال پانچواں حصہ رکھتے جائیں، جب قحط شروع ہو گا تو جمع شدہ غلہ تمہارے کام آئے گا۔

جو سرکار ہے وہ دیہاتوں سے غلہ خریدے، بقدر ضرورت خرچ کرنا، باقی سارا خزانے میں جمع کر لینا، اگلے سال تمہارے کام آئے گا۔ تو جب سات سال کا قحط ختم ہو گا تو اگلا تم نے خواب نہیں دیکھا۔ میں ایک چیز اور بتاتا ہوں کہ اس کے ایک سال بعد پھر بارشیں خوب ہوں گی، فصل بہت ہو گی۔ یوں پچھلی قحط سالی کا جتنا تمہارا نقصان ہو گا وہ ایک سال میں سارا پورا ہو جائے گا۔ یہ اللہ کے نبی ہیں جنہوں نے خواب کی تعبیر بھی بتائی اور اضافی بشارت بھی سنائی ہے۔

اب بات سمجھنا! بادشاہ نے کہا: یہ تو بڑا نیک آدمی ہے، اس کو جیل سے نکال لاؤ تاکہ ہم اپنے کانوں سے ذرا خواب کی تعبیر سنیں۔ جب لینے کے لیے بادشاہ کا قاصد پہنچا تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ﴾ بادشاہ کے پاس واپس جاؤ، اس سے پوچھو: ﴿مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ﴾ کہ ان عورتوں نے ہاتھ کیوں کاٹے؟ پہلے یہ تحقیق کرو، پھر میں باہر نکلتا ہوں۔ دیکھیں! اللہ کے نبی کیسے کھرے ہیں! یہ قیدی وہ ہے جو جیل کاٹ رہا ہے، قیدی بھی نیک تھا لیکن بدنام ہو کر گیا تھا۔ اب باہر آنا ہے تو صفائی کے بغیر باہر نہیں آنا۔ حضرت یوسف فرمانے لگے: ﴿اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۝٥٠﴾ کہ میرا رب تو جانتا ہی ہے، لیکن ذرا تحقیق کرو۔

بادشاہ سے یہ نہیں کہا کہ عزیزِ مصر کی بیوی نے مجھ پر الزام لگایا ہے، مجھے

ناحق جیل میں رکھا ہے، نہیں بلکہ اس کی بیوی کا نام ہی نہیں لیا۔ فرمایا کہ جن عورتوں نے ہاتھ کاٹے ہیں ان سے پوچھو کہ ہاتھ کیوں کاٹے ہیں؟ عزیزِ مصر کا پھر بھی خیال کیا ہے، پھر بھی اس کی ستر پوشی کی ہے۔

بادشاہ نے ان عورتوں کو بلایا اور کہا: ﴿مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ تمہارا کیا قصہ ہے جب تم نے یوسف کو ورغلانے کی کوشش کی تھی؟ تم نے کیوں ایسا ڈرامہ رچایا؟ ان سب نے کہا: ﴿حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ﴾ اللہ کی پناہ! یوسف تو نیک آدمی ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں تھا۔ عزیز مصر کی بیوی نے کہا: ﴿الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ اب تو حق واضح ہو گیا، میں کہتی ہوں کہ قصور میرا ہے وہ سچا ہے۔

اب یوسف علیہ السلام باہر آئے، بتاؤ! کتنے پروٹوکول اور اعزاز سے آئے ہوں گے!

مفسرین کہتے ہیں: عجیب بات یہ ہے کہ خود بندے سے کہا کہ جاؤ بادشاہ سے تذکرہ کرو، وہ بندہ بھول گیا، کیوں بھولا؟ اس کی وجہ سمجھیں: اللہ اپنے نبی کو کسی کا ممنون نہیں بناتے، اللہ اپنے نبی کو کسی کا زیرِ احسان نہیں ہونے دیتے، اگر وہ تذکرہ کر دیتا تو بادشاہ رحم کرکے نیک سمجھ کر چھوڑ دیتا، الزام تو رہتا لیکن خدا نے اسے بھلا دیا۔ ایسا سبب پیدا کیا کہ نبی اپنی ترتیب سے باہر آیا ہے۔

اگر میں یوسف کی جگہ ہوتا... کا مطلب:

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا پیارا جملہ ارشاد فرمایا کہ اگر اس موقع پر میں ہوتا ”لَمَا أَخْبَرْتُهُمْ حَتّٰى اَشْتَرِطَ أَنْ يُّخْرِجُوْنِيْ“ تو میں شرط لگاتا کہ تعبیر بعد میں بتاؤں گا پہلے مجھے جیل سے نکالو! اور دوسرا ”وَلَوْ كُنْتُ مَكَانَهٗ

لَبَادَرْتُهُمُ الْبَابَ" کہ اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو میں فوراً جیل سے نکل جاتا۔[205]

اب اس پر بندہ کے ذہن میں ایک سوال آتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ صبر والے ہیں؟

مفسرین نے اس کا بڑا پیارا جواب دیا ہے، فرماتے ہیں: اصل میں اللہ کے نبی یہ نہیں کہنا چاہتے کہ میں کرتا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کو ترتیب بتانا چاہتے ہیں کہ یہ یوسف علیہ السلام کا جگر تھا جو ڈٹ گئے، جب تمہارے ساتھ یہ معاملہ ہو تو شرطیں نہ لگانا، بلکہ رہائی کے اسباب تلاش کرنا، بادشاہوں کے موڈ کا پتا نہیں چلتا اور یوسف علیہ السلام تو نبی تھے، ان کا مقام بہت بڑا تھا اور یوسف علیہ السلام نبی تھے تو ممکن ہے کہ بذریعہ وحی خدا نے انہیں بتادیا ہو کہ اب صفائی کا موقع ہے، صفائی کے ساتھ باہر آنا ہے تو اس لیے یوسف علیہ السلام صفائی کے بعد جیل سے باہر نکلے ہیں۔

یوسف علیہ السلام کی براءت اور تواضع:

﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵۳﴾﴾

یوسف علیہ السلام نے جیل سے نکلنے سے پہلے اپنی براءت کا اظہار زیادہ ضروری سمجھا، شاہِ مصر نے ان عورتوں کو جمع کیا، ان سے ساری بات پوچھی۔ اسے پتا چلا کہ یوسف علیہ السلام تو بالکل بے گناہ ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ادھر قاصد کو پیغام دیا اور ساتھ یہ فرمایا:

﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ﴾

اب اس میں پاکدامنی کا دعویٰ بھی تو تھا کہ یوسف علیہ السلام نے خود کو پاک

205۔ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ج1 ص1641

دامن فرمایا ہے تو ساتھ ہی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک جملہ ارشاد فرمایا کر پاکدامنی کے ساتھ تواضع کا اظہار بھی کر دیا۔ فرمانے لگے کہ اگرچہ میں اس معاملے میں بے گناہ ہوں لیکن میرا یہ بے گناہ ہونا میرا کمال نہیں ہے، یہ میرے اللہ کا فضل ہے۔ کیونکہ ہر انسان کا نفس گناہ کا حکم دیتا ہے مگر اللہ کرم فرمائے تو انسان گناہوں سے بچ جاتا ہے۔

نفس کی تین اقسام:

علماء نے لکھا ہے کہ نفسِ انسانی اپنی ذات کے اعتبار سے ہمیشہ گناہوں کا حکم دیتا ہے، اس کو کہتے ہیں: نفس امارہ بالسوء کہ گناہ کا حکم دینے والا، لیکن جب انسان اپنے نفس کے گناہوں کے تقاضے پر عمل نہ کرے تو یہی نفس؛ امارۃ سے نکل کر نفس لوامۃ بنتا ہے یعنی برے کاموں پر ملامت کرنے والا اور اس کے تقاضے پورے نہ کرنے والا اور قرآن کریم نے نفس لوامۃ کو اعزاز یہ بخشا کہ اللہ نے نفس لوامۃ کی قسم اٹھائی ہے۔ فرمایا:

﴿لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝١ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝٢﴾ [206]

اور جب انسان گناہوں کے تقاضے مسلسل دبائے اور گناہوں کے تقاضے پر بالکل عمل نہ کرے تو یہی نفس؛ لوامہ سے نکل کر نفسِ مطمئنہ بنتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝٢٧ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝٢٨﴾ [207]

تو پہلے نفسِ امارہ یعنی گناہوں کا حکم دینے والا، پھر نفس لوامہ یعنی گناہوں پر ملامت کرنے والا اور پھر نفسِ مطمئنہ۔

206۔ القیامۃ 2:75

207۔ الفجر 28،27:89

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں بڑا عجیب نکتہ لکھا ہے، فرماتے ہیں کہ عام آدمی کا نفس امارہ ہوتا ہے، صالحین کا نفس لوامہ ہوتا ہے اور مسلسل محنت کے بعد جب نفس میں برے کاموں کا تقاضا ہی نہ رہے تو یہ نفس مطمئنہ بن جاتا ہے۔ صلحائے امت کا نفس مطمئنہ بنتا ہے لیکن مسلسل مجاہدات اور ریاضات کے بعد، مگر نبی کو یہ مقام بغیر کسی محنت اور مشقت کے محض اللہ کے فضل وکرم سے حاصل ہو جاتا ہے۔ تو گویا عام آدمی کے نفس کا آخری درجہ ہے نفس مطمئنہ لیکن نبی کے نفس کا آغاز ہی نفس مطمئنہ سے ہوتا ہے۔ آپ بتائیں کہ نبی کس مقام پر فائز ہوتا ہے؟ انسان سوچ بھی نہیں سکتا!

تو یوسف علیہ السلام نے صفائی بھی دی ہے اور ساتھ تواضع کا اظہار بھی فرمایا ہے اور یہ طریقہ ہمارے اکابر علماء دیوبند کا بھی ہے۔

حضرت نانوتوی کا ہندو پنڈت سے مناظرہ اور تواضع:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند کے بانی ہیں۔ حضرت کا ایک ہندو سے مناظرہ تھا۔ مناظرے کے لیے اعلان کیا گیا۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تشریف لے آئے تو حضرت نے ہندو مناظر پنڈت سے کہا: پہلے گفتگو آپ کریں۔ ہندو نے کہا کہ پہلے گفتگو آپ کریں، آپ بڑے ہیں، آپ بزرگ ہیں۔ مولانا فرمانے لگے کہ بہتر ہے کہ آپ کر لیں۔ اس نے کہا: حضرت! آپ فرمائیں، ہم آپ کو اعزاز دینا چاہتے ہیں۔ مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ فرمانے لگے کہ اس نبی کا امتی ہوں جو خاتم النبیین ہیں، تو میرا موقع بعد میں ہے مجھے بعد میں کرنی چاہیے۔ انہوں نے کہا حضرت! آپ شفقت فرمائیں، آپ پہلے کر لیں۔

مولانا فرمانے لگے: چلو! میں تمہاری مان کر کچھ پہلے کرتا ہوں اور کچھ بعد میں کروں گا، کیونکہ میں اس نبی کا امتی ہو جو نبی اول بھی ہیں اور نبی آخر بھی ہیں، اس لیے

میری باری پہلے بھی ہے اور بعد میں بھی ہے۔ اس ہندو پنڈت نے کہا کہ حضرت! ہم دلائل کی بات نہیں کرتے آپ کی منت کرتے ہیں، آپ بڑے ہیں، آپ پہلے گفتگو فرمائیں۔ مولانا نانوتوی فرمانے لگے: اگر میں نے گفتگو کی تو میرے بعد تم گفتگو کر نہیں سکو گے، میری گفتگو اول بھی ہو گی اور آخر بھی ہو گی، اس لیے میں موقع دیتا ہوں کہ گفتگو پہلے کر لو۔ انہوں نے پھر اصرار کیا تو مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے تین گھنٹے کی گفتگو کی اور اللہ کے وجود کو ثابت کر کے ان کے معبودوں کی نفی کی۔

مولانا کے بیان کے بعد ثالث نے اعلان کیا تو کوئی ہندو پنڈت بیان کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوا۔ جو انہوں نے شبہات پیدا کرنے تھے مولانا نے ان تمام شبہات کا جواب پہلے دے دیا تھا، ان کی کوئی دلیل بچی ہی نہیں تھی۔ تو ہندو پنڈت جو ثالث تھا اس نے فیصلہ دیا، اس نے کہا کہ آج قاسم نانوتوی انسان نہیں بول رہا تھا بلکہ لگتا تھا کہ انسان کی زبان پر الہام کا فرشتہ بول رہا ہے۔ مولانا قاسم نانوتوی جیت گئے۔

جو میں واقعہ اصل میں سنانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایک شخص مولانا قاسم نانوتوی کے پاس آیا، اس نے ایک عجیب حملہ کیا، اس نے کہا: مولانا قاسم نانوتوی! مسلمان آپ کی قدر نہیں کرتے، اگر آپ ہندوؤں میں ہوتے تو دہلی کے ایک ایک چوک پر آپ کا بت بنا کر پوجا جاتا۔ آپ بتائیں! کتنا بڑا حملہ تھا؟ اگر ہم ہوتے تو ہم نے فوراً کہنا تھا بالکل بات ٹھیک ہے، سرگودھا کے لوگ میری قدر نہیں کرتے، مجھے سمجھ ہی نہیں سکے۔

مولانا قاسم نانوتوی کہنے لگے: بالکل ٹھیک کہتے ہو، اگر میں تمہارے اندر ہوتا تو تم بت بنا کر پوجتے کیونکہ تمہاری مجبوری ہے کہ تمہارے اندر قاسم ہوتا جو کوئی نہیں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے مسلمانوں میں اتنے قاسم ہیں کہ یہ کس کس کی پوجا کریں گے؟! اب دیکھو اتنا بڑا آدمی تھا اور تواضع میں ساری بات کو ختم

کر دیا۔

یوسف علیہ السلام کی بادشاہ کے دربار میں آمد:

حضرت یوسف علیہ السلام پاکدامن بھی ہیں اور ساتھ تواضع فرما کر عاجزی کا اظہار بھی کر دیا تاکہ اس پر نفس خوش نہ ہو کہ اپنی پاکدامنی کے دعوے کیے جا رہے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا معاملہ صاف ہوا تو بادشاہ نے کہا کہ ان کو میرے پاس لے آؤ، ہم ان کو اپنا خاص بندہ بنا کر رکھتے ہیں۔

روایات میں ہے کہ یوسف علیہ السلام کے ساتھ بادشاہ مصر جس زبان میں بات کرتا آپ اسی زبان میں جواب دیتے۔ جتنی زبانیں وہ جانتا تھا وہ بات کرتا رہا اور آپ جواب دیتے رہے۔ یوسف علیہ السلام نے دو زبانیں اضافی استعمال کیں، عربی زبان میں اس کو سلام کیا اور عبرانی زبان میں اس کو دعائیں دیں تو یہ بادشاہ کے سامنے ان کی فوقیت کا معاملہ تھا کہ آپ دو زبانیں وہ جانتے ہیں جو بادشاہ بھی نہیں جانتا۔ تو بادشاہ کے ذہن میں آیا کہ یہ صرف نیک ہی نہیں بلکہ عالم بھی ہے، صرف پاکدامن ہی نہیں بلکہ بہت بڑا عالم بھی ہے۔ تو بادشاہ بڑا متاثر ہوا۔ اس نے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے اور میری خواہش ہے کہ اس کی تعبیر آپ بتائیں، میں اپنے کانوں سے سنوں۔

تو باد نے کہا: میرا جی چاہتا ہے کہ میں خود سنوں۔ یوسف علیہ السلام نے کہا کہ آپ کے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ سات سال خوب پیداوار ہو گی اور پھر سات سال خوب قحط ہو گا، آپ ایسا کریں کہ اپنی رعایا کو حکم دیں کہ خوب محنت کریں اور پیداوار خوب اگائیں، جتنی پیداوار ہو اس کے چار حصے استعمال کریں اور پانچواں حصہ اپنے پاس رکھ لیں اور وہ جو پانچواں حصہ ہے وہ گندم کے خوشے میں ہی رہنے دیں، اس سے گندم خراب نہیں ہوتی اور سات سال کے بعد جب قحط شروع ہو گا تو آپ کے خزانے

میں تو ویسے ہی گندم جمع ہو گی اور عوام کے پاس بھی ہو گی۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ عوام کو حکومت سے گندم لینے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

اب جو حکومت کے پاس گندم اور غلہ ہو گا، باہر کے جو تاجر اور مساکین آئیں گے یہ ان کو مل جائے گا۔ حکومت کا کام بھی چلے گا اور عوام پہلے سے خوشحال ہو گی۔ عوام حکومت کی محتاج نہیں ہو گی اور باہر سے لوگ جب آپ سے گندم لینے کے لیے آئیں گے، غلہ آپ ان کو بیچیں گے تو حکومت کے خزانے میں اتنے پیسے جمع ہوں گے جتنے پہلے کبھی بھی جمع نہیں ہوئے ہوں گے۔ بادشاہ حیران ہو گیا کہ اس بندے نے خواب کی تعبیر بھی بتائی ہے اور تعبیر کے ساتھ تدبیر بھی بتائی ہے۔ نبی کا معاملہ بہت بلند ہوتا ہے۔ جتنا شفیق نبی ہوتا ہے امت کے ساتھ اتنی شفقت تو ماں بھی نہیں سوچ سکتی اپنی اولاد کے ساتھ۔

یوسف علیہ السلام وزیرِ خزانہ کے منصب پر:

بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کو اپنا خاص بندہ بنالیا اور ایک سال تک ان کو اپنا شاہی مہمان بنا کر رکھا اور ایک سال کے بعد ان کو وزیر خزانہ بنایا۔ ایک سال تک شاہی مہمان کیوں بنایا؟ مفسرین کہتے ہیں کہ اس کا خیال یہ تھا یہ عالم بھی بہت بڑا ہے اور نیک بھی بہت زیادہ ہے لیکن ابھی شاہی آداب سے واقف نہیں ہے، اس کو ذرا حکومت کے معاملات میں دخیل بھی کر دیں اور میں قریب رہ کر ان کو سال میں دیکھ بھی لوں تاکہ آئندہ منصب دوں تو مجھے دھوکہ نہ لگے۔

حضرت یوسف علیہ السلام سے جب بادشاہ نے مشورہ کیا کہ ساری بات مجھے سمجھ آگئی ہے۔ اب ہمیں کرنا کیا چاہیے، آپ اس کا حل بتائیں، اس کے لیے انتظام کیسے کریں؟ تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

﴿اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾﴾

آپ مجھے وزیر خزانہ بنا دیں، یہ کام میں سنبھال لوں گا۔ آج کے دور کا میں ترجمہ کر رہا ہوں کہ مجھے وزیر خزانہ بنا دیں، کیوں؟ اس لیے کہ وزیر خزانہ میں دو صفتیں ضروری ہوتی ہیں:

1: وہ امانت دار ہو، بد دیانت نہ ہو۔

2: وہ یہ جانتا ہو کہ کہاں خرچ کرنا ہے اور کہاں خرچ نہیں کرنا اور کتنا کرنا ہے اور کتنا نہیں کرنا۔ فرمایا: ﴿اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ﴾ کہ میں حفیظ بھی ہوں اور علیم بھی ہوں، میں حفاظت بھی کرنا جانتا ہوں اور مجھے یہ بھی پتا ہے کہ کہاں خرچ کرنا ہے!

عہدہ مانگنا کب جائز اور کب ناجائز؟

وزیر کی ساری صفات یوسف علیہ السلام نے دو لفظوں میں سمیٹ دی ہیں۔ اس پر بظاہر ایک اشکال ہے۔ کوئی بندہ یہ سمجھے گا کہ یوسف علیہ السلام العیاذ باللہ خود وزارت مانگ رہے ہیں حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لَنْ نَسْتَعْمِلَ عَلٰى عَمَلِنَا مَنْ أَرَادَهُ." [208]

کہ جو بندہ ہم سے کوئی عہدہ مانگے تو ہم اس کو نہیں دیتے۔

تو حدیث سے ثابت ہوا کہ عہدہ مانگنا اچھا کام نہیں ہے، نہیں مانگنا چاہیے لیکن یوسف علیہ السلام تو مانگ رہے ہیں۔ مفسرین نے اس کی وجہ بتائی ہے کہ یوسف علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اور نبی امت پر بہت شفیق ہوتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام دیکھ رہے تھے کہ قحط آنا ہے، غریب نے پریشان ہونا ہے، بادشاہ بھی کافر ہے، عملہ بھی کافر ہے، ان کے دل میں امت کا دکھ اور درد نہیں ہے۔ اگر اس موقع پر آگے بڑھ کر میں نے یہ کام نہ سنبھالا تو ان لوگوں سے کام سنبھلے گا نہیں، اس لیے اپنے کندھوں پر

208۔ سنن ابی داؤد، رقم:3579

بوجھ اٹھالیا تاکہ غریب کی پریشانی ختم ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایسے موقع پر اگر کوئی عالم سیاست میں آجائے تو اس کو آنا چاہیے، پیچھے نہیں رہنا چاہیئے۔ آپ کہیں گے کہ شاید مولانا صاحب اپنے لیے فضا ہموار کر رہے ہیں! ارے بھائی! فضا ساز گار کوئی دس بندوں میں تو نہیں کرتا، دس ہزار بندوں میں کرتا ہے، میں تو مسئلہ اس لیے سمجھا رہا ہوں کہ جب بندہ خود کو اہل سمجھے اور اس کا خیال ہو کہ میں کنٹرول کر سکتا ہوں تو اس کو اللہ کا نام لے کر میدان میں نکل آنا چاہیے، پھر لوگوں کی باتوں کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔

قحط اور یوسف علیہ السلام کی تدبیر:

سارا نظام حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالے کر دیا گیا۔ قرآن کا اسلوب ہے کہ پورا واقعہ بیان نہیں کرتا بلکہ جس واقعہ کی ضرورت ہوتی ہے اس کو بیان کرتا ہے۔ اب وزیر خزانہ بنادیا گیا۔ پیداوار اگ گئی بعد میں قحط شروع ہو گیا۔ یہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں تھی اس لیے اب قرآن کریم نے سیدھا واقعہ بیان کیا ہے کہ قحط مصر سے نکلا اور باہر تک چلا گیا۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو بھیجا کہ تم بھی مصر جاؤ اور جاکر سامان لے آؤ۔ اس دور میں حضرت یوسف علیہ السلام نے اصول یہ بنایا تھا کہ جو آدمی آئے گا اس کے پاس جو سواری ہو گی اس کے حصے کا غلہ اس کو لاد کر دیں گے، دوسرے بندے کے حصے کا غلہ اس کو نہیں دیں گے۔ ایک بندے کو ایک کا سامان دیں گے۔ ظاہر ہے کہ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ لوگ تھوڑا تھوڑا لے کر جائیں گے، زیادہ نہیں لے کر جائیں گے، جب ختم ہو جائے پھر آؤ، پھر ختم ہو جائے تو پھر آؤ، اب جو شخص اتنا لمبا سفر کر کے آئے گا اور غلہ تھوڑا ملے گا تو وہ حساب کے ساتھ خرچ کرے گا کہ دوبارہ جانا بڑا مشکل ہے اور اگر ایک ایک بندے کو دس دس بندوں کا غلہ دے دیں گے تو لوگ جاکر ضائع کرنا شروع

کر دیں گے۔

برادرانِ یوسف دربارِ یوسف میں:

تو یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی آئے اور ان کے بھائیوں نے آکر بھی اپنا اپنا حصہ وصول کیا۔ یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا کہ میرے بھائی ہیں لیکن وہ نہیں پہچان سکے کیونکہ جب یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینکا تھا تو ان کی عمر سات سال تھی اور اب اس واقعے کو چالیس سال ہو گئے ہیں۔ ان کی عمر سینتالیس سال ہے تو وہ کیسے پہچانتے؟ جب یہ بھائی واپس جانے لگے تو یوسف علیہ السلام نے ان کے بھائیوں کا جتنا پیسہ تھا وہ سارا ایک بوری میں ڈال کر واپس کر دیا اور ان سے پوچھا کہ تمہارے بھائی کتنے ہیں؟ انہوں نے کہا: جی ہمارے اتنے بھائی ہیں، ایک ہمارا چھوٹا بھائی ہے جو ہمارے والد کے پاس ہے۔ تو یوسف علیہ السلام نے کہا کہ آئندہ آؤ تو اس کو بھی لے کر آنا، اگر تم نہیں لے کر آئے تو میں تمہیں تمہارے حصے کا مال نہیں دوں گا۔

یہ شرط کیوں لگائی؟ اس لیے کہ وہ کہہ رہے تھے کہ ہمارا ایک بھائی ہے۔ اب آئندہ اگر اس بھائی کو نہیں لاتے تو اس کا مطلب کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اب ان کو مجبوراً اپنا بھائی ساتھ لانا پڑے گا یہ بتانے کے لیے کہ ہمارا ایک بھائی تھا جس کو ہم ساتھ لے کر آگئے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے ان کے سامان میں ان کے سارے پیسے بھی رکھ دیے۔ جب یہ واپس گئے تو انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو سارا واقعہ سنا دیا کہ انہوں نے ہم سے پوچھا تھا تو ہم نے ایک بھائی اور بھی بتایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آئندہ اس بھائی کو لاؤ گے تو ہم غلہ دیں گے ورنہ غلہ نہیں دیں گے۔

یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے پیسے کیوں واپس کیے؟

﴿وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ﴾

جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو اندر ان کے پیسے سارے موجود تھے۔

انہوں نے کہا: اباجی! ہمیں اناج بھی دیا گیا ہے اور پیسے بھی سارے آ گئے۔ اور ہمیں کیا چاہیے؟

یوسف علیہ السلام نے یہ پیسے ان کے سامان میں کیوں رکھے تھے؟ مفسرین نے اس کی کئی وجوہات لکھی ہیں۔ ایک وجہ تو یہ لکھی ہے کہ وہ ان کے بھائی تھے اور یوسف علیہ السلام کی مروت نے گوارا نہ کیا کہ اپنے بھائیوں سے پیسے لے کر ان کو سامان دیا جائے۔ اگرچہ بھائیوں نے ظلم کیا تھا لیکن پھر بھی بھائی ہی تھے۔ تو یوسف علیہ السلام کی غیرت نے گوارا نہیں کیا۔ اس لیے آپ علیہ السلام نے ان کو پیسے واپس کر دیے اور عین ممکن ہے کہ آپ نے اتنے پیسے خزانے میں جمع کروا دیے ہوں۔

دوسری وجہ مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے پیسے واپس کر دیے اس لیے کہ ان کے ذہن میں تھا کہ یہ لوگ غریب ہیں، جب ان کے پاس پیسے نہیں ہوں گے تو یہ دوبارہ کیسے آئیں گے؟ اس لیے پیسے رکھ دیے تاکہ یہ دوبارہ آئیں۔

اور تیسری وجہ یہ لکھی ہے کہ یوسف علیہ السلام سمجھتے تھے کہ میرے والد حضرت یعقوب نبی ہیں۔ جب یہ پیسے دیکھیں گے تو کہیں گے کہ جاؤ! یہ پیسے واپس کر کے آؤ، وہ ان کو رہنے نہیں دیں گے، ان کو ضرور بھیجیں گے۔ اس لیے یوسف علیہ السلام نے پیسے سامان میں رکھ دیے۔

بنیامین کو لے جانے کے لیے بھائیوں کا اصرار:

جب بیٹوں نے باپ کے سامنے ساری بات رکھ دی اور کہا کہ اس بھائی بنیامین کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دیں تو والد نے کہا: بیٹا! مجھے بتاؤ!

﴿هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ﴾

پہلے میں نے یوسف کے بارے میں تم پر اعتماد کیا تو اس کو کھو بیٹھا، اب یہ

چھوٹا بھی تمہیں دے کر اسے بھی ضائع کر بیٹھوں؟ میں کیسے تمہارے ساتھ بھیج سکتا ہوں؟ مجھے بتاؤ! یہ ان کی باتیں چل رہی تھیں بعد میں سامان کھولا تو اس میں سے پیسے بھی نکلے۔ تو انہوں نے والد کو ترغیب دی کہ ابا جان! سامان تھوڑا ہے، گزارہ نہیں ہو گا۔ ہم دوبارہ جا کر اور لے کر آئیں، سال گزارنا مشکل ہو گا۔ والد نے کہا کہ چلو میں بھیج دیتا ہوں لیکن ایک شرط ہے:

﴿لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِیْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّحَاطَ بِكُمْ﴾

تم قسم کھا کر وعدہ کرو کہ تم اس کو واپس لے کر آؤ گے، اللہ کی طرف سے کوئی مصیبت آجائے تو الگ بات ہے لیکن تم وعدہ کرو کہ تم کوتاہی نہیں کرو گے۔

اب ظاہر ہے والد کے دل میں پہلے یوسف علیہ السلام کا صدمہ موجود ہے، اب چھوٹا بیٹا بھیجنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ جب انہوں نے قسم اٹھا کر وعدہ کر لیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے سارے بیٹے بھجوا دیے۔ جب بیٹے جانے لگے تو ایک مشورہ دیا اور ایک تدبیر دی۔ فرمانے لگے: میرے بیٹو!

یعقوب علیہ السلام کی تدبیر:

﴿یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ﴾

تم مصر کے ایک ہی دروازے سے سارے اکٹھے نہ داخل ہو جانا بلکہ تم الگ الگ دروازے سے شہر میں داخل ہونا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ بات کیوں فرمائی ہے؟ وجہ اس کی یہ تھی کہ جب یہ پہلی مرتبہ گئے تو اجنبی تھے، ان کو کوئی پہچانتا نہیں تھا، وہاں شاہی مہمان خانے میں ان کو ٹھہرایا گیا تھا، ان کو عزت بھی دی گئی تھی، اب

جب واپس آئے ہیں تو ان کا سامان بھی واپس ہو گیا ہے، اب جب دوبارہ جا رہے ہیں اور بادشاہ کے کہنے پر جا رہے ہیں تو اب لوگ تو ان کو جانتے ہیں کہ یہ بندے خاص ہیں، اب بندے خاص بھی ہوں اور نوجوان بھی ہوں اور تعداد بھی کافی ہے، سارے بھائی ہیں تو ہر بندے کی نظر پڑتی ہیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام سمجھتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ ان کو دیکھ لیں اور نظر لگ جائے۔ اس لیے فرمایا کہ اکٹھے نہ جانا، الگ الگ دروازے سے داخل ہونا۔

نظر بد کا لگ جانا بر حق ہے:

اس آیت کے تحت مفسرین نے لکھا ہے کہ نظر لگ جاتی ہے اور نظر کا لگ جانا بر حق ہے، اس لیے انسان کو اس کا بہت خیال رکھنا چاہیے۔ اس کے تحت ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک صحابی تھے سہل بن حُنیف رضی اللہ عنہ۔ ایک بات کپڑے اتارے اور غسل کرنے لگے۔ جسم کا اوپر کا حصہ نظر آرہا تھا تو عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ صحابی نے دیکھا تو ان کا جسم بہت خوبصورت اور سفید تھا، فرمایا: کتنا خوب صورت جسم ہے، میں نے زندگی میں اتنا خوب صورت جسم کبھی دیکھا ہی نہیں ہے۔ یہ کہنا تھا کہ حضرت سہل کو بہت سخت بخار ہو گیا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے عامر بن ربیعہ سے بڑا عجیب جملہ فرمایا:

عَلَامَ يَقْتُلُ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ، أَلَّا بَرَّكْتَ إِنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ.

تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو قتل کیوں کرتا ہے؟ تو نے بارک اللہ کیوں نہیں کہا، مبارک کیوں نہیں کہا، ماشاء اللہ کیوں نہیں کہا؟ اللہ کے نبی نے فرمایا: نظر لگ جاتی ہے، نظر حق ہے۔ پھر حضرت عامر بن ربیعہ سے فرمایا کہ تم وضو کرو۔ انہوں نے وضو کیا، وضو کا سارا پانی جمع کیا، وہ جمع شدہ پانی حضرت سہل بن حُنیف پر پھینکا تو نظر اتر گئی

اور بخار ٹھیک ہو گیا۔[209]

اس لیے نظر سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ ایسے آدمی کو دیکھیں کہ جو بہت خوبصورت ہے تو کہیں ماشاء اللہ! کسی کا بچہ دیکھیں تو کہیں: ماشاء اللہ، مبارک ہو، اس سے پھر نظر نہیں لگتی ہے۔

تدبیر اور توحید ساتھ ساتھ:

تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ ایک دروازے سے داخل نہیں ہونا الگ الگ دروازے سے جانا ہے اور ساتھ ایک جملہ فرمایا:

﴿وَ مَآ اُغۡنِیۡ عَنۡکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ ۚ وَ عَلَیۡہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُتَوَکِّلُوۡنَ ﴿۶۷﴾﴾

یہ ایک تدبیر ہے جو میں نے بتادی ہے، باقی اگر اللہ نے کسی مصیبت کا فیصلہ کر دیا ہے تو اس کو میری تدبیر بھی نہیں ٹال سکتی۔

نبی تدبیر بھی بتا رہے ہیں اور توحید بھی بتا رہے ہیں۔ بعض لوگ موحد بنتے ہیں تو تدبیر چھوڑ دیتے ہیں اور بعض لوگ تدبیریں اختیار کرتے ہیں تو اللہ کی توحید کو بھول جاتے ہیں۔ نبی موحد بھی ہوتا ہے اور مدبر بھی ہوتا ہے۔ اس لیے توحید بھی نہ چھوڑیں اور تدبیر بھی نہ چھوڑیں۔ بچہ بیمار ہو جائے تو ڈاکٹر کے پاس بھی لے جائیں اور اللہ سے دعا بھی مانگیں۔ اللہ سے دعا مانگیں اور ڈاکٹر کے پاس نہ لے کر جائیں تو یہ بچے کے ساتھ زیادتی ہے۔ ڈاکٹر سے علاج کروائیں اور اللہ سے دعا نہ مانگیں تو بھی یہ زیادتی ہے۔ اس لیے دعا بھی مانگیں اور دوا بھی کریں۔ اللہ چاہیں گے تو شفا دیں گے، اللہ نہیں چاہیں گے تو شفا نہیں عطا فرمائیں گے۔

209۔ مؤطا امام مالک، رقم: 3459

بنیامین کو روکنے کی تدبیر:

خیر جیسے باپ نے کہا تھا اسی طرح برادرانِ یوسف داخل ہوئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کا اہتمام کیا کہ دو دو بندوں کو ایک ایک کمرے میں ٹھہرا دیا۔ اب ٹوٹل بھائی گیارہ تھے۔ دو دو ایک ایک کمرے میں اور حضرت بنیامین اکیلے رہ گئے۔ تو بنیامین کو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ میرے کمرے میں ٹھہریں گے۔ یوسف علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ دیکھو میں تمہارا بھائی ہوں، تم پریشان نہ ہونا۔ سارا واقعہ ان کو بتا دیا۔ اب ظاہر ہے کہ بھائی تو مچل اٹھا کہ میں اپنے سگے بھائی کے پاس کمرے میں آرام کر رہا ہوں۔ بنیامین نے کہا اللہ کے لیے مجھے واپس نہ بھیجو! میں ان کے ساتھ رہنے پر خوش نہیں ہوں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اس کی ایک صورت یہ ہے کہ میں تمہارے سامان میں کچھ رکھ دوں اور چوری کا الزام لگا دوں، تمہیں روک لوں، اس کے علاوہ تو کوئی صورت موجود نہیں ہے۔ بنیامین نے کہا کہ مجھے یہ الزام برداشت ہے لیکن مجھے واپس نہ بھیجو! صبح سب کا سامان بنا دیا گیا۔ ہر ایک کا اونٹ لاد دیا گیا تو جو بنیامین کا سامان تھا اس میں بادشاہ کا چاندی یا جواہرات کا پیالہ رکھ دیا گیا۔ جب یہ قافلہ چلنے لگا تو ایک آدمی نے زور سے آواز دی، اس نے کہا:

﴿اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝۷۰﴾

اے قافلے والو! تم چور ہو، ٹھہر جاؤ۔ سارے رک گئے۔ انہوں نے کہا کہ تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے؟ خدا کی قسم! ہم نے تو چوری نہیں کی، تم کیسی بات کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: بادشاہ کا پیالہ گم ہو گیا ہے اور اعلان کرنے والے نے کہا کہ جو بندہ بادشاہ کا پیالہ لے کر آئے گا میں اس بات کا ضامن ہوں کہ بادشاہ اسے ایک اونٹ کے برابر غلہ اور دے گا۔ بادشاہ تلاش کر رہا ہے۔ اب جیسے تدبیر طے تھی تو اسی طرح اس اعلان کرنے والے نے اعلان کیا۔ انہوں نے کہا:

﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾﴾

اللہ کی قسم! تمہیں پتا ہے کہ ہم فسادی تو نہیں ہیں، چور بھی نہیں ہیں! پھر قاصد نے کہا: جو آدمی چور ثابت ہو اس کی سزا کیا ہو گی؟ انہوں نے کہا:

﴿جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ﴾

جس کے سامان سے چوری کا پیالہ نکل آیا تو آپ اس کو اپنے قبضے میں رکھ لیں، یہی اس کی سزا ہے۔ انہوں نے کہا: چلو ٹھیک ہے۔ اب انہوں نے پہلے دوسرے بھائیوں سے شروع کیا، ان کے سامان میں پیالہ تو نہیں تھا، آخر میں جب بنیامین کا سامان کھولا تو اندر پیالہ موجود تھا۔ انہوں نے کہا: تم کہتے ہو کہ ہم نے چوری نہیں کی، یہ دیکھو! پیالہ تو نکل آیا۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ﴾

میں اس کا مطلب بعد میں سمجھاتا ہوں۔ اب جب ان کے بھائی کے پاس سامان نکلا تو یہ بھائی فوراً کہنے لگے:

اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی!

﴿اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ﴾

اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی۔ یوسف اور بنیامین ایک ماں سے تھے اور باقی بھائی دوسری ماں سے تھے۔ یہ بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح چور ہے۔ وہ چوری کون سی تھی؟ میں نے بتایا تھا کہ یوسف علیہ السلام کی والدہ بچپن میں فوت ہو گئی تھیں۔ تو ان کی پھوپھی نے پالنے کے لیے انہیں اپنے پاس رکھا تھا۔

جب یوسف علیہ السلام کچھ بڑے ہوئے چھ یا سات سال کی عمر کے تو

حضرت یعقوب علیہ السلام کہنے لگے کہ یوسف ہمیں واپس دے دو۔ تو پھوپھی نے ایک دوپٹہ لیا اور یوسف علیہ السلام کی کمر میں قمیص کے نیچے باندھ دیا۔ جب جانے لگے تو پھوپھی نے کہا کہ میرا ایک دوپٹہ گم ہو گیا ہے، مل نہیں رہا۔ ادھر دیکھا اُدھر دیکھا، بالآخر تلاشی لینی شروع کی تو حضرت یوسف علیہ السلام کی کمر کے ساتھ بندھا ہوا ملا۔ تو یعقوب علیہ السلام کو چھوڑنا پڑا۔ پھر جب تک پھوپھی زندہ رہیں حضرت یوسف علیہ السلام اپنی پھوپھی کے پاس رہے، ان کی وفات کے بعد یعقوب علیہ السلام کے پاس آ گئے۔

تو انہوں نے یہ کہا کہ اگر چھوٹے بھائی نے چوری کی ہے تو پہلے بڑے بھائی نے بھی چوری کی تھی حالانکہ یوسف علیہ السلام نے چوری بالکل نہیں کی تھی اور یہ سارا واقعہ ان کو پتا تھا کہ چوری نہیں کی بلکہ ہماری پھوپھی نے حیلہ کیا تھا بھتیجے کو اپنے پاس رکھنے کے لیے، لیکن یہ ایسے عجیب لوگ تھے کہ تھوڑا سا الزام لگا تو پچھلی باتیں جو غلط تھیں انہوں نے کھولنی شروع کیں۔ یوسف علیہ السلام نے دل میں فرمایا:

﴿اَنۡتُمۡ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا تَصِفُوۡنَ ﴿٧٧﴾﴾

کہ تم بڑے ہی گندے لوگ ہو، اللہ وہ ساری باتیں جانتا ہے جو تم اپنی زبان سے بیان کر رہے ہو۔

اب جو بات میں سمجھانا چاہتا ہوں اسے سمجھیں! آدمی کو کتنا تعجب ہوتا ہے اس واقعے پر کہ یہ کیسا واقعہ ہے۔ یوسف علیہ السلام نے بنیامین بھائی کو رکھنا تھا تو ویسے ہی رکھ لیتے کہ یہ میرا چھوٹا بھائی ہے تم گندم لے کر جاؤ اور یعقوب علیہ السلام کو لے آؤ اور انہیں جا کر بتانا کہ تمہارا بیٹا ہوں میں، زندہ ہوں، بالکل صحیح سالم ہوں، کتنا آسان کام تھا لیکن ایسا نہیں کیا۔ پہلے ان پر چوری کا الزام لگایا۔ پھر وہ پورے مجمع میں بدنام ہوئے ہیں۔ پھر وہاں سے چوری برآمد ہوئی تو ذلت بھی ہے۔ تو اس پر یہ اشکال ہے کہ

یہ کام نبی کی شان کے لائق نہیں ہے کہ ایسا کرے۔ اس کا جواب اللہ نے خود قرآن میں دیا ہے:

ہم نے یوسف کو یہ تدبیر سکھائی:

﴿كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ﴾

اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تدبیر یوسف علیہ السلام کی نہیں تھی، یہ تدبیر ہماری تھی۔ کیونکہ ﴿مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ ان کے بادشاہ کے پاس کوئی ایسا قانون نہیں تھا جس قانون کے تحت یوسف علیہ السلام بنیامین کو روک سکتے، اس لیے اس کا حل یہی تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے مطابق فیصلہ ہو، پھر یہ روک سکتے تھے۔

یعقوب علیہ السلام کی شریعت کا قانون یہ تھا کہ جو بندہ چوری کرے اور چوری بر آمد ہو جائے تو چور اس سامان والے شخص کا غلام بن جاتا۔ یہ ایسا کیوں ہوا؟ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ خضر اور موسیٰ علیہم السلام جب گئے تھے تو خضر علیہ السلام نے بچے کو قتل کر دیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ آپ نے بچے کو کیوں مارا ہے؟ کشتی کو توڑا تو کہا کہ آپ نے کشتی کیوں توڑی ہے؟ یہ سارا واقعہ آگے آئے گا اپنے موقع پر تو ہم اس کی تفصیل بیان کریں گے۔ اب بظاہر چھوٹے بچے کو قتل کرنا کتنا بڑا جرم ہے! لیکن خضر علیہ السلام کر رہے ہیں۔ تو مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ بعض معاملات بندے کے ہاں جرم شمار ہوتے ہیں لیکن جب اللہ تکوینی امر کے تحت فرمائیں تو پھر خدا کو کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ یہ آپ نے کیوں کیا ہے اور یہ کیوں نہیں کیا؟ اصل میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے امتحانات تھے اور امتحان در امتحان سے اللہ اپنے نبی حضرت یعقوب کو گزار رہے ہیں۔ اس لیے یہ تدبیر اللہ کی طرف سے تھی۔ لہذا یوسف علیہ السلام پر کوئی الزام نہیں۔

خیر بنیامین کو انہوں نے روک لیا۔ اب یہ بھائی کہنے لگے:

﴿اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيۡخًا كَبِيۡرًا فَخُذۡ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ﴾

اس کا بوڑھا باپ ہے، وہ بہت پریشان ہو گا۔ آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو روک لیں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم اسی کو روکیں گے، ہم نے کسی اور کو روکا تو یہ ظلم ہو گا اور ہم ظلم نہیں کر سکتے۔ اب یہ سارے بھائی واپس جانے لگے تو ان کے جو بڑے بھائی یہودا تھے وہ بیٹھ گئے، وہ کہنے لگے: ہم نے پہلے بھی باپ کو دکھ دیا تھا اب دوسرا دکھ دیا تو میں واپس نہیں جا سکتا۔ تم سارے جاؤ اور ابو کو ساری بات بتادو لیکن میں جانے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ یا تو میری موت یہاں پر آئے گی یا میرے والد مجھے اجازت دے دیں۔

جب یہ لوگ واپس گئے تو انہوں نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ آپ کا بیٹا بنیامین چوری میں پکڑا گیا ہے۔ ہم بہت افسردہ ہیں۔ اس کو چھوڑ کر آ گئے ہیں۔ اگر ہم پر آپ کو یقین نہیں آتا تو آپ ان لوگوں سے پوچھ لیں جہاں پر یہ سارا واقعہ پیش آیا اور ان لوگوں سے پوچھ لیں جو ہمارے ساتھ تھے، اب شاید آپ کو ہم پر یقین آ جائے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

یعقوب علیہ السلام کی بیٹوں کو سرزنش:

﴿بَلۡ سَوَّلَتۡ لَـكُمۡ اَنۡفُسُكُمۡ اَمۡرًا﴾

تم جھوٹ بولتے ہو! یہ تم نے اپنی طرف سے واقعہ گھڑا ہے۔

یہ واقعہ تو بالکل سچا تھا لیکن یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں سے کہہ رہے ہیں کہ تم جھوٹ بول رہے ہو! حالانکہ نبی تو خلافِ واقعہ بات کبھی نہیں کہہ سکتے تو پھر بیٹوں کو ایسا کیوں کہا؟ اس کی وجہ سمجھنا!

ایک اجتہاد ہوتا ہے نبی کا اور ایک اجتہاد ہوتا ہے امتی کا۔ اب حضرت

یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو روکا یا نہیں روکا... اس کی دلیل یعقوب علیہ السلام کے پاس کوئی نہیں ہے، یہ جو انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: "بَلۡ سَوَّلَتۡ لَكُمۡ اَنۡفُسُكُمۡ اَمۡرًا" کہ تم نے اپنی طرف سے واقعہ گھڑا ہے، یہ ان کا اجتہاد تھا کیونکہ بیٹوں نے پہلے بھی دھوکہ دیا تھا تو حضرت یعقوب نے سوچا کہ جس طرح انہوں نے پہلے کیا ہے تو اب پھر دھوکہ دے رہے ہیں۔ تو یہ نبی کا اجتہاد ہے۔ اور ایک اجتہاد ہوتا ہے امتی کا۔ نبی اور امتی کے اجتہاد میں فرق یہ ہے کہ اگر نبی کا اجتہاد خلافِ واقعہ ہو تو اللہ وحی اتار کر اس خطا کو درست فرما دیتے ہیں اور اگر امتی سے اجتہاد میں خطا ہو جائے تو اس کی خطا قیامت تک بھی رہ سکتی ہے، لیکن مجتہد اگر خطا کر بھی جائے تو اس کی خطا پر بھی اللہ اسے جنت دیتے ہیں، جہنم اس پر پھر بھی نہیں ہے۔

جاؤ یوسف کو تلاش کرو کہنے کی وجہ:

خیر حضرت یعقوب علیہ السلام بہت پریشان ہوئے، اتنے غمزدہ تھے، اتنے غمزدہ تھے کہ رو رو کر جیسے بندے کی آنکھیں چلی جاتی ہیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں چلی گئیں۔ قرآن کہتا ہے:

﴿وَابۡيَضَّتۡ عَيۡنٰهُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَهُوَ كَظِيۡمٌ ﴿۸۴﴾﴾

حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں سفید ہو گئیں، بینائی چلی گئی۔ "کَظِیۡمٌ" اس بندے کو کہتے ہیں جو بدلہ لے سکتا ہو اور پھر بھی نہ لے، اندر سے گھٹتا رہے، یعقوب علیہ السلام اندر سے گھٹتے تھے اور زبان سے اظہار نہیں کرتے تھے، روتے جاتے تھے۔ ان کے بیٹوں نے کہا:

﴿تَاللّٰهِ تَفۡتَؤُا تَذۡكُرُ يُوۡسُفَ حَتّٰى تَكُوۡنَ حَرَضًا اَوۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡهٰلِكِيۡنَ ﴿۸۵﴾﴾

ابا! خدا کی قسم آپ یوسف کو یاد کرنا نہیں چھوڑیں گے، یا تو بہت بیمار ہو جائیں گے یا اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام فرمانے لگے:

﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۶﴾

میں اپنے غم کو اللہ کے سامنے رکھتا ہوں، تمہارے سامنے نہیں رکھتا اور اللہ سے دعا مانگتا ہوں ایک وقت آئے گا اللہ مجھے دے گا۔ جو علم میرے پاس ہے بیٹو! وہ تمہارے پاس نہیں ہے۔

﴿يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ اَخِيْهِ وَ لَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸۷﴾

میرے بیٹو! جاؤ، یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو، اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، اللہ کی رحمت سے کافر ہی مایوس ہوتے ہیں!

مفسرین نے لکھا ہے کہ اب یوسف علیہ السلام کے ملنے کا وقت قریب آگیا ہے تبھی تو فرمایا کہ تلاش کرو۔ اب بتاؤ! جب بیٹے یوسف علیہ السلام کو لے کر گئے تھے اور کنویں میں ڈالا تھا اور باپ سے کہا تھا کہ بھیڑیے نے کھالیا ہے تو باپ نے اس وقت کہا تھا کہ تم جھوٹ بولتے ہو! تو یعقوب علیہ السلام تلاش کرنے کے لیے نکلے؟ (نہیں۔ سامعین) جب پتا ہے کہ جھوٹ بول رہے ہیں تو تلاش تو کرنا چاہیے تھا لیکن اس وقت تلاش نہیں کیا، اس کی وجہ کہ اللہ نے چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا امتحان لینا تھا تو تلاش کی طرف ذہن ہی نہیں جانے دیا، آپ گھر بیٹھ کر رو رہے ہیں لیکن بچے کو تلاش نہیں کر رہے اور آج چالیس سال بعد کیا کہہ رہے ہیں کہ جاؤ اور یوسف کو تلاش کرو! چالیس سال تک روتے رہے ہیں، تلاش نہیں کر رہے لیکن جب ملنے کا وقت قریب آیا تو اب بیٹوں سے کہہ رہے ہیں کہ تلاش کرو۔

دربارِ یوسف میں بھائیوں کی سہ باری آمد:

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اب بھی مطمئن تھے کہ میرا بیٹا زندہ ہے لیکن مل نہیں رہا، جاؤ اور اسے تلاش کرو اور تلاش کرنے کدھر جاؤ؟ پھر مصر کی طرف۔ اب بیٹا گم کہاں پر ہوا ہے اور بھیج ان کو مصر کی طرف رہے ہیں۔ یہ بیٹے پھر چل پڑے۔ عزیز مصر حضرت یوسف کے پاس پہنچے تو جا کر انہوں نے کہا:

﴿يَاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾﴾

اے عزیز مصر! ہمیں پھر تنگدستی نے گھیر لیا ہے، ہمارے پاس جو ٹوٹے پھوٹے پیسے تھے ہم لے کر آئے ہیں، اس کے بدلے میں آپ ہمیں غلہ دے دیں۔

مفسرین کہتے ہیں کہ دو باتیں تھیں یا تو ان کے پاس سکے کھوٹے تھے یا گھر کا سامان تھا وہ لے کر چلے گئے تھے جس کی قیمت بنتی نہیں تھی اور بازار میں بکتا نہیں تھا، اس کے بدلے میں ہمیں غلہ دے دو۔

یوسف علیہ السلام نے جب یہ منظر دیکھا تو دل بھر آیا۔ اتنا عرصہ گزرا۔ باپ کی جدائی کو، بیٹوں نے ظلم کی انتہا کر دی ہے اور آج کس طرح محتاج ہو کر میرے پاس آئے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام کا دل تو بھر آنا ہی تھا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے نام ایک خط لکھا تھا، اس کا عنوان یہ تھا کہ میں یعقوب ہوں، میرے باپ کا نام اسحاق ہے، ان کے باپ کا نام ابراہیم ہے، ہم تینوں نبی ہیں اور ہمارے خاندان کو اللہ نے ہمیشہ آزمایا ہے، میرے دادا ابراہیم کو آزمایا تھا، میرے باپ اسحاق کو آزمایا تھا اور مجھے آزمایا ہے۔ پہلے آزمایا تھا یوسف کی وجہ سے اور اب آزمایا ہے بنیامین کی وجہ سے۔ اے بادشاہ مصر! نبی ہونے کی حیثیت سے گواہی

دیتاہوں کہ ہم انبیاء ہیں، ہم کبھی چوری نہیں کیا کرتے، ہمارا بیٹا واپس کر دو!

اب یوسف علیہ السلام نے خط پڑھا تو دل کی کیفیت کیا ہو گی کہ باپ کو پتا ہی نہیں کہ بیٹے کو خط لکھ رہا ہوں۔ اللہ نے کیسے نبی سے معاملہ چھپا کر رکھا اور اتنا عرصہ یعقوب علیہ السلام کا امتحان لیتے رہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا بھی امتحان ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا بھی امتحان ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا امتحان اس طرح ہے کہ آپ نے بھی حضرت یعقوب کو بتانا نہیں ہے، بس معاملات چلاتے رہیں!

جب یہ سارا معاملہ ہوا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا:

ہاں! میں ہی یوسف ہوں:

﴿هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ﴾

تمہیں یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا؟

اب بھائیوں نے نظریں بھر کے دیکھا تو انہوں نے کہا:

﴿ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ﴾

کیا تو یوسف ہے؟ اب بتاؤ کتنا عجیب معاملہ ہے! فرمایا:

﴿اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ﴾

ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔

اب اندازہ کرو! یوسف علیہ السلام کے حوصلے کا، فرمایا:

﴿قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٠﴾﴾

یہ نہیں کہا کہ تم نے میرے ساتھ زیادتی کی تھی بلکہ فرمایا کہ اللہ نے میرے اوپر احسان کیا، ان کے گناہ بتانے کے بجائے اللہ کے احسان کا تذکرہ فرماتے ہیں اور

فرماتے ہیں کہ یہ میرا کمال نہیں، جو آدمی بھی مصیبت پر صبر کرتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کا ساتھ دیا کرتے ہیں، اللہ اس کی نیکی کو ضائع نہیں کرتے، اللہ آزماتے ہیں، پھر کچھ وقت گزرتا ہے تو بالآخر اللہ مدد کے دروازے کھول دیتے ہیں۔

انہوں نے کہا:

﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ۝٩١﴾

اے یوسف! اللہ نے آپ کو ہم پر بڑی فضیلت دی ہے اور ہم مانتے ہیں کہ ہم نے خطا کی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝٩٢﴾

اگر تم نے مان لیا ہے تو ہم نے تم کو معاف کیا، اور میں اللہ سے تمہارے لیے دعا مانگتا ہوں کہ اللہ بھی تمہیں معاف کر دے، اللہ بہت رحم کرنے والا ہے۔

قمیض سے بینائی کا لوٹنا:

﴿اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰي وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا﴾

فرمایا: یہ میری قمیص لو اور میرے باپ کی آنکھوں پر ڈال دو ان کی بینائی واپس آجائے گی۔

مفسرین نے لکھا ہے: جب جانے لگے تو یہودا نے کہا: قمیص مجھے دے دو، اپنے باپ کو میں دوں گا، کیونکہ جب انہوں نے حضرت یوسف کو کنویں میں ڈالا تھا تو یوسف کی جس قمیص پر بکرے کا جھوٹا خون لگا کر حضرت یعقوب علیہ السلام کو پیش کیا تھا تو وہ یہودا نے پیش کیا تھا۔ تو اب یہودا نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ جتنا بڑا گناہ ہو اتنا بڑا کفارہ ہونا چاہیے۔ وہ جھوٹا کام بھی میں نے کیا تھا تو میرا جی چاہتا ہے کہ سچا کام بھی میں کروں تو باپ خوش ہو گا۔ تو جس طرح میں نے باپ کو یوسف کی قمیص دے کر دکھ دیا

تھا اب میرا جی چاہتا ہے کہ اب یوسف کی قمیص دے کر باپ کا دل خوش کروں۔

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا مسیلمہ کذاب کو قتل کرنا:

میں اس پر صرف ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔ جنگِ احد میں ہندہ نے شرط لگائی تھی اپنے غلام وحشی سے کہ تم حضرت حمزہ کو قتل کردو تو میں تمہیں آزاد کردوں گی چونکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ہندہ کے بھائی کو قتل کیا تھا میدان بدر میں۔ ہندہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں، ابھی مسلمان نہیں ہوئی تھیں۔ وحشی بڑا زبردست نیزہ باز تھا۔ اس نے برچھی نما چھوٹا نیزہ رکھا ہوا تھا۔ اس نے تاک کر مارا جو حضرت حمزہ کے پیٹ میں لگا۔ حضرت حمزہ شہید ہوگئے۔ اب وحشی وہاں سے دوڑ گیا۔ اللہ پاک نے کرم فرمایا اور وحشی کے اسلام قبول کرنے کا وقت قریب آگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی کے پاس صحابی کو بھیجا کہ جاؤ وحشی کو اسلام کی دعوت دو۔ جب وہ صحابی وحشی کے پاس چلے گئے تو وحشی نے کہا کہ میں مشرک ہوں، میں نے کلمہ پڑھ لیا تو میرے گناہوں کا کیا بنے گا؟ قرآن کی آیت اتری:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾[210]

کہ اللہ مشرک کو معاف نہیں کرتا، باقی جن کو چاہے معاف کر دیتے ہیں۔

تو شرک سے توبہ کرلے۔ اس نے کہا کہ میں شرک سے توبہ کرلوں گا لیکن میری معافی کا وعدہ تو نہیں ہے، اللہ فرماتے ہیں کہ جن کو چاہوں معاف کروں، اب پتا نہیں کہ مجھے چاہیں گے یا نہیں چاہیں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابی آگیا تو پھر قرآن کی دوسری آیت اتر آئی:

﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ

210۔ النساء 48:4

حَسَنٰتٍ﴾[211]

کہ جس آدمی نے کفر کو چھوڑ دیا اور توبہ کر لی اور نیک اعمال کیے تو اللہ ان کے گناہوں کو بھی نیکی سے بدل دیں گے۔

وحشی کے پاس پیغام بھیجا تو اس نے کہا: میں اب بھی تیار نہیں ہوں، اس میں ہے کہ توبہ کر لے جبکہ میں تو فلاں گناہ نہیں چھوڑ سکتا، فلاں گناہ نہیں چھوڑ سکتا تو میری معافی کیسے ہو گی؟ اب دیکھو! اللہ کی رحمت جب متوجہ ہوتی ہے تو بہانے کیسے تلاش کرتی ہے اور کتنا بڑا قاتل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو قتل کیا ہے۔ اب تیسری آیت نازل ہوئی کہ جا کر کہو:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا﴾[212]

مایوس نہ ہو، اللہ سارے گناہ معاف کر دیں گے۔

جب وحشی کے پاس یہ پیغام بھیجا تو اس نے کہا: اب ٹھیک ہے۔ وحشی آیا اور کلمہ پڑھ لیا اور خیر سے مسلمان ہو گیا۔[213]

اب مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تو جو مسلمانوں کا قافلہ مسیلمہ کے خلاف جہاد کے لیے گیا وحشی بھی اس میں تھا۔ اب پہلے وحشی تھے اور اب حضرت وحشی رضی اللہ عنہ ہیں۔ تو وحشی کہنے لگے: میرے دل میں تھا کہ میں نے جتنا بڑا گناہ کیا ہے اتنی بڑی نیکی کروں! حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو میں نے قتل کیا تھا اب مجھے چاہیے

211۔ الفرقان 70:25

212۔ الزمر 53:39

213۔ مرقاۃ المفاتیح: ج5 ص267

کہ اس مسیلمہ کو ماروں۔ انہوں نے تاک کر مارا تو مسیلمہ کو قتل کر دیا۔ اب حضرت وحشی رضی اللہ عنہ بڑے خوش تھے۔ فرمایا کہ جب میں کافر تھا تو میں نے بہت اچھے آدمی کو قتل کیا تھا تو جب میں نے کلمہ پڑھا ہے تو میں نے نہایت برے کو قتل کیا ہے۔ تو میں خوش ہوں کہ میں نے جتنا گناہ کیا تھا میں نے اتنی نیکی بھی کر لی۔

تو یہودا کا خیال تھا کہ میں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص دے کر باپ کو دکھ دیا تھا تو اب مجھے یہ قمیص پیش کرنے دو تا کہ میں باپ کو خوش کروں اور اس خوشی میں وہ مجھے معاف کر دیں۔ جب یہ قمیص لے کر گئے۔ آپ اندازہ فرمائیں کہ حضرت یعقوب علیہ کنعان میں رہتے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں رہتے تھے۔ یہاں سے اڑھائی سو میل فاصلہ ہے۔ کہاں کنعان کے قریب کنویں میں ہیں تو بیٹے کا پتا نہیں ہے اور ادھر سے قمیص چلی ہے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کہہ رہے ہیں:

﴿اِنِّیۡ لَاَجِدُ رِیۡحَ یُوۡسُفَ لَوۡلَاۤ اَنۡ تُفَنِّدُوۡنِ ﴿۹۴﴾﴾

مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔ اللہ کا عجیب معاملہ ہے۔ اسے کہتے ہیں: وحی! بیٹا قریب ہی کنعان کے کنویں میں ہے تو ان کا پتا نہیں ہے اور اڑھائی سو میل دور سے قمیص چلی ہے تو اب اللہ نے بتا دیا تھا۔ میں نے بتایا تھا نا کہ ان کے ملنے کا وقت قریب آگیا ہے اس لیے اب سارے اسباب جمع ہونا شروع ہوئے ہیں۔ فرمایا: مجھے خطرہ ہے تم نے کہنا ہے کہ یہ بہک گیا ہے ورنہ سچی بات یہی ہے کہ مجھے یوسف کی خوشبو آنا شروع ہو گئی ہے۔

یہ قمیص کون سی تھی؟

یہ قمیص کون سی تھی؟ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ قمیص وہ تھی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے آگ میں ڈالا تھا تو حضرت ابراہیم کو جنت سے

قمیص لا کر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پہنا دی۔ یہ قمیص ان کے بیٹے اسحاق کے پاس تھی۔ پھر ان کے بیٹے یعقوب علیہ السلام کے پاس۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسی قمیص کو نلکی کی طرح بند کر کے اپنے بیٹے یوسف کے گلے میں ڈالا ہوا تھا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا اور قمیص ان کی اتار لی اور اس پر بکری یا بھیڑ کا خون لگا کر باپ کو پیش کی تو جو ان کے گلے میں تھی تعویذ کی شکل میں نلکی کی طرح، جبرائیل علیہ السلام آئے اور وہ نلکی کھول کر حضرت یوسف علیہ السلام کو قمیص پہنا دی۔ یہ قمیص یوسف کے پاس تھی۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تھی جو اب ان کے پوتے یعقوب علیہ السلام کے پاس ہے تو نبی کی قمیص کی خاصیت یہ تھی کہ جب یعقوب علیہ السلام نے اس کو آنکھوں سے لگایا تو خدا نے فوراً بینائی کو لوٹایا۔ یہ بعض مفسرین کی تحقیق ہے۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق بڑی عجیب ہے۔ شیخ مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ یوسف کا وجود گویا کہ جنت کا وجود تھا اور جنت کے وجود سے لگنے والی قمیص کی برکت یہ تھی کہ جس کی آنکھ پر لگتی اللہ اس کی بینائی لوٹا دیتے، یہ جنتی وجود کی برکت تھی کہ حضرت یعقوب کے علاوہ کسی بھی نابینا کو لگا دیں تو اللہ بینائی عطا فرما دیں گے۔

خیر ان کی بینائی لوٹ آئی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کہنے لگے:

﴿اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۙ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾﴾

میں تمہیں کہتا نہیں تھا کہ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے، میں نبی ہوں میں تمہیں کہہ رہا تھا کہ یوسف زندہ ہے، تلاش کرو لیکن تم کہتے تھے کہ زندہ نہیں ہے، خیر انہوں نے کہا:

﴿يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِــِٕيْنَ ﴿۹۷﴾﴾

ابا! ہم مانتے ہیں کہ ہم نے گناہ کیا تھا، آپ ہمارے لیے اللہ سے معافی مانگیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

﴿سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَکُمۡ رَبِّیۡ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۹۸﴾﴾

ابھی نہیں، میں عنقریب تمہارے لیے اللہ سے دعا کروں گا۔ اللہ معاف کرنے والا ہے رحم کرنے والا ہے۔

مفسرین نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ان کی خواہش یہ تھی کہ میں تہجد کے وقت تمہارے لیے دعا کروں گا، بوقت تہجد جو قبولیت کا وقت ہوتا ہے عام وقتوں میں نہیں ہوتا، اس لیے فرمایا کہ میں عنقریب تمہارے لیے معافی مانگوں گا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس یہ قمیص لے کر پہنچے، یہودا تھا یا کوئی بھی تھا تو انہوں نے کہا کہ میں آپ کو خوشخبری دیتا ہوں لیکن آپ سے ایک چیز چاہتا ہوں۔ یعقوب علیہ السلام نے کہا: کیا چاہتے ہو؟ تو اس نے کہا کہ دعا کریں کہ اللہ ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمادیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ دعا مانگی۔

خوشخبری دینے والے کو ہدیہ دینا:

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیٰ: اس سے ثابت ہوا کہ جب کوئی شخص خوشخبری دے تو خوشخبری دینے والے کو گفٹ دینا یہ بھی سنت ہے، کوئی اچھی خبر دے تو اس کو خوش کرنا بھی سنت ہے۔

یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر:

مفسرین لکھتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے دوسو اونٹوں پر سامان لاد کر دیا اور فرمایا کہ پورے خاندان کو لے کر آؤ۔ یوسف علیہ السلام کے والد، بھابیاں، بچے سارے آئے تو یہ تقریباً بہتر یا تہتر افراد بنتے ہیں جو مصر میں شاہی مہمان بن کر داخل

ہوئے اور جا کر یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا، یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا تھا نا:

﴿اِنِّیۡ رَاَیۡتُ اَحَدَعَشَرَ کَوۡکَبًا وَّ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ رَاَیۡتُہُمۡ لِیۡ سٰجِدِیۡنَ ۝۴﴾

کہ میں نے گیارہ ستارے دیکھے ہیں اور اس کے ساتھ چاند اور سورج بھی دیکھا ہے جو مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔

سورج حضرت یعقوب اور چاند ان کی اہلیہ ہیں۔ یہ اہلیہ کون سی تھیں؟ یا تو حضرت یوسف کی حقیقی والدہ ہیں اور اگر حقیقی والدہ فوت ہو گئی ہیں تو خالہ ہیں، پھر بھی ماں ہیں۔

پہلی امتوں میں سجدہ عبادت تو حرام تھا لیکن سجدہ تعظیمی حرام نہیں تھا۔ اب اس امت میں سجدہ تعظیمی بھی حرام ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔

حضرت قیس بن سعد سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں "حِیرَہ" میں گیا۔ یہ کوفہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ وہاں دیکھا کہ لوگ اپنے کمانڈر کو سجدہ کر رہے ہیں۔ جب میں وہاں سے واپس آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تو ہم نے آپ سے عرض کیا کہ ہماری خواہش ہے ہم آپ کو سجدہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا، "لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ النِّسَاءَ أَنْ يَسْجُدْنَ لِأَزْوَاجِهِنَّ" اللہ کے غیر کو سجدے کی گنجائش ہوتی تو پھر میں یہ حکم دیتا کہ بیوی اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔[214]

خیر اس موقع پر جب حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر پوری ہو گئی تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

﴿یٰۤاَبَتِ ہٰذَا تَاۡوِیۡلُ رُءۡیَایَ مِنۡ قَبۡلُ ۫ قَدۡ جَعَلَہَا رَبِّیۡ حَقًّا ؕ﴾

214۔ سنن ابی داؤد، رقم: 2140

ابو جی! میں نے بچپن میں خواب دیکھا تھا اور آپ نے تعبیر بتائی تھی اب اس کا وقت آگیا ہے، اب دیکھیں! میرا خواب کیسے سچا ہو گیا ہے۔

یوسف علیہ السلام کے اخلاقِ کریمانہ:

یہاں میں ایک بات کہہ کے اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

﴿وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ ؕ﴾

اب ذرا نبی کے اخلاق دیکھنا! کہتے ہیں کہ اللہ نے کرم کیا کہ میرے خاندان کو دیہات سے شہر کی طرف لے آیا، پہلے شیطان نے ہمارے اور بھائیوں کے درمیان پھوٹ ڈالی تھی، اب خدا نے ہمیں اکٹھا کر دیا ہے۔

اب بتاؤ! یوسف علیہ السلام کنویں سے نکلے اور بادشاہ بنے لیکن کنویں کا ذکر نہیں کیا کہ اس سے بھائیوں کو تکلیف ہو گی، جیل کا ذکر کیا ہے کنویں کا ذکر نہیں کیا۔ جب بھائیوں نے معافی مانگ لی تو بات ختم ہو گئی۔ اب اگر پھر بات شروع کر دیتے کہ دیکھو! تم نے مجھے کنویں میں ڈالا تھا، تم نے میرے ساتھ کیا کیا تھا، بادشاہ نے میرے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا، کنویں کی بات کا تذکرہ نہیں کیا، بھائیوں کے ظلم کی طرف اشارہ ہی نہیں کیا۔ فرمایا کہ اللہ کا کرم ہے کہ خدا نے مجھے جیل سے نکالا اور خدا کا تم پر کرم ہے کہ خدا تم کو دیہات سے شہر کی طرف لایا۔ کتنے سال الگ رہنے کے بعد خدا نے ہمیں اکٹھا کر دیا۔

میں یہ بات اس لیے کہتا ہوں کہ جب آپس میں مل بیٹھنا ہو تو پھر پچھلی باتیں بیان کرنا چھوڑ دیا کرو۔ اس سے نقصان ہوتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا:

پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا مانگی ہے۔ فرمایا:

﴿رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿١٠١﴾﴾

اے اللہ! آپ نے مجھے بادشاہت عطا کی، آپ نے مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم دیا، یا اللہ! آپ زمین و آسمان کو پیدا کرنے والے ہیں، آپ دنیا میں میرے دوست ہیں اور آخرت میں بھی میرے کارساز ہیں۔ اے اللہ! میں آپ سے دعا مانگتا ہوں کہ جب موت دینا ہو تو اسلام کے ساتھ دینا اور مجھے پھر نیک لوگوں کے ساتھ شامل کرنا۔

ہم بھی دعا کریں کہ اللہ ہمارا خاتمہ بھی ایمان پر فرمائیں، اللہ قیامت کے دن نیک لوگوں میں سے اٹھائیں۔ (آمین)

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے پورے خاندان کو مصر بلایا تو بہتر آدمی تھے یا ترانوے تھے۔ آگے ان کی نسل چلی ہے جنہیں "بنی اسرائیل" کہتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ ایک یوسف خود ہیں اور گیارہ اور ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام جب مصر میں گئے ہیں اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کے پاس تو یہ کل بہتر یا ترانوے آدمی تھے اور جب فرعون سے نجات ملی اور موسیٰ علیہ السلام نے ان کو نکالا تو اس وقت بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ سے بھی زائد تھی۔ جب آئے ہیں تو تعداد بہتر ہے اور جب نکلے ہیں تو لاکھوں سے بھی زائد ہیں۔

حضرت یعقوب و یوسف علیہما السلام کی وفات:

یعقوب علیہ السلام نے وہیں وفات پائی اور یہ وصیت کی کہ مجھے شام میں دفن

کرنا میرے والد اسحاق علیہ السلام کے پاس۔ اس لیے ان کو بیت المقدس میں دفن کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عام یہودیوں میں یہ رسم چل پڑی ہے کہ وہ اپنے مردوں کو دور دور سے لے جا کر بیت المقدس میں دفن کرتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا مصر میں انتقال ہوا۔ جب موسیٰ علیہ السلام مصر سے بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو تابوت میں یوسف علیہ السلام کا جسم اطہر موجود تھا، ان کا تابوت بھی وہاں سے اٹھایا اور ان کو بھی شام میں جا کر دفن کیا تھا۔ اب مصر میں موجود نہیں، وہاں سے منتقل کر دیا تھا۔ یہ خلاصہ تھا جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔

اللہ پاک اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں:

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾﴾

اے میرے پیغمبر! غیب کی خبریں ہم آپ کو بتاتے ہیں، جب یوسف علیہ السلام کے بھائی مکر کر رہے تھے تو آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے۔ یہ آپ کے نبی ہونے کی دلیل ہے کہ آپ نے کسی سے پڑھا بھی نہیں ہے اور ہم سے پوچھ کر آپ نے خبریں بتا دی ہیں۔

﴿وَ مَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾﴾

اللہ پاک نے عجیب بات فرمائی ہے۔ یہودیوں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ ہمیں واقعہ سنائیں! آپ نے واقعہ سنا دیا لیکن یہ ایمان پھر بھی نہیں لائیں گے۔ اگر آپ چاہیں تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے لیکن اے نبی! آپ کو گھبرانا نہیں چاہیے۔

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾﴾

یہ اللہ کی نشانیاں ہیں جو جہان والوں کے لیے ہیں۔ اے پیغمبر! آپ اپنا کام کریں اور یہ لوگ اپنا کام کریں۔

اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ علماء کو اپنا کام کرنا چاہیے اور عوام کو اپنا کام کرنا چاہیے۔ عوام کے ذمے ہے کہ علماء کی بات مانیں اور علماء کے ذمے ہے کہ عوام کو بات سمجھائیں! اگر علماء نہیں بتائیں گے تو قیامت کو یہ مجرم ہوں گے اور عوام نہیں مانے گی تو قیامت کو یہ مجرم ہو گی۔ اگر اس وجہ سے بیان کرنا چھوڑ دیں کہ لوگ تو مانتے نہیں ہیں تو یہ نبوت کی شان کے بھی خلاف ہے اور نبی کے وارث علماء کی شان کے بھی خلاف ہے۔ اللہ ہم سب کو شریعت کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَآ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.